اندازنہیں کیا جا سکتا تھا۔

ہم پانچوں کو سوبھراج کے متوقع فون کے انتظار میں بہرحال وقت گزارنا تھا۔ ہم اس موضوع پر تبادلہ خیال کرتے رہے۔

توقعات، امکانات اور خدشوں کا ایک سیل رواں تھا جو ہم میں سے ہر ایک کے ذہن میں موج زن تھا اور پرجوش الفاظ وفقروں کی صورت میں سامنے آتا جا رہا تھا۔

اول خان کے لیے اپنے دل میں موجود ادب واحترام کے باوجود میری رائے تھی کہ کراچی میں امریکی ایجنسیوں کے کچھ قانون شکن افسران کے عبرت انجام کی روشنی میں جلال فوری طور پر امریکی سرزمین پر کوئی مشن بھیجنے کا خطرہ مول نہیں لے گا۔ اس وقت امریکی اہل کار بھڑ کے ہوئے تھے۔ انہیں کسی پاکستانی مشن کی بھنک مل جاتی تو وہ انتقامی جذبے کے زیر اثر، مشن کے اراکین کو پھانسنے کے لیے اپنے سر دھڑ کی بازی لگا دیتے۔ یہ امکان بھی تھا کہ جوابی کارروائی کے طور پر وہ ان لوگوں کو کسی نام نہاد مقابلے میں موت کے گھاٹ اتار کر الزامات کا ایک پلندا ان کے سر ڈال دیتے۔

میری اور غزالہ کی حد تک یہ امکان ہو سکتا تھا کہ جلال نے اپنے ریکارڈ میں ہماری عارضی ایجنٹوں کے طور پر تقرری کر لی ہو لیکن ویرا اور سلطان شاہ کے لیے امریکا کا تفریحی سفر ایک بونس سے زیادہ نہیں ہو سکتا تھا۔

پرجوش اور گرما گرم باتوں میں وقت یوں چپکے سے گزرتا چلا گیا کہ ہمیں احساس نہ ہو سکا۔ ہم سب اس وقت چونکے جب اچانک میرے موبائل فون کی گھنٹی بجنا شروع ہو گئی۔ وہ کال وصول کرنے سے قبل میری نظریں بے اختیار وال کلاک کی طرف گئیں تو وہاں سوئیاں آٹھ بجنے کا اعلان کر رہی تھیں۔

''جلدی دیکھو، کہیں وہ فون بند نہ کر دے!'' ویرا نے موبائل فون کی دوسری گھنٹی بجتے ہی اضطراری لہجے میں مجھے ٹوکا۔

کال وصول کرتے ہی میرے کانوں میں سوبھراج کی بھاری اور پرسکون آواز گونجی ''تم تیار ہو یا ارادہ کچھ ڈانواں ڈول ہے۔''

''یہی سوال میں تم سے کر سکتا ہوں۔ تم کہاں پہنچ رہے ہو؟'' میں نے اپنے ہیجان کو قابو میں رکھتے ہوئے کہا۔

''تم نے کبھی آر سی ڈی ہائی وے پر سفر کیا ہے؟'' اس نے پوچھا۔

مجھے فخر تھا کہ اپنے شہر کے بارے میں میری معلومات خاصی وسیع تھیں مگر اس کے سوال پر میں لمحہ بھر کے لیے الجھ گیا اور قدرے توقف کے بعد بولا ''میرا امتحان لینے کے بجائے تم اپنے مقرر کیے ہوئے مقام کے بارے میں بتاؤ!''

''مقام میں نے مقرر نہیں کیا۔ وہ تیسرے آدمی کا انتخاب ہے۔ وہ تمہیں اسی راستے سے آگے سرحد کی طرف لے جائے گا۔''

''بتاتے جاؤ! میں سن رہا ہوں۔'' اسے خاموش پا کر میں نے ٹوکا۔

''اس سڑک پر پرانا مہاجر کیمپ اور بلدیہ کالونی وغیرہ بھی واقع ہے۔ سعید آباد سے آگے، حب چوکی کی طرف جاتے ہوئے ویرانہ شروع ہو تو ذرا اپنی رفتار دھیمی کر لینا۔ ایسا نہ ہو کہ رات کے اندھیرے میں تم بائیں طرف کی ایک پہاڑی پر بنی ہوئی درگاہ کو نظر انداز کر دو۔ وہاں عام طور پر کچھ نہ کچھ روشنی رہتی ہے جسے میلوں دور سے دیکھا جا سکتا ہے۔ تمہیں سڑک کا ہلکا سا گھماؤ طے کر کے اسی پہاڑی کے دامن میں رکنا ہے۔''

''وہاں تک پہنچنے کے لیے مجھے کوئی سواری لینی پڑے گی۔'' میں نے تشویش ظاہر کی ''اتنے کم وقت میں وہاں کے لیے سواری کا ملنا دشوار ہوگا۔''

''ڈرائیور کے ساتھ اپنی گاڑی میں آ جاؤ۔'' اس نے فراخ دلی سے پیش کش کی ''تم کو وہاں سے آگے روانہ ہونا ہے۔ ڈرائیور تمہیں چھوڑ کر گاڑی واپس لے آئے گا۔ یہ یاد رکھنا کہ کوئی بھی گڑبڑ ہوئی تو تم اپنی جان سے ہاتھ دھو سکتے ہو۔ ایسے کام والے لوگ بہت سفاک ہوتے ہیں خطرہ بھانپتے ہی خون ریزی شروع کر دیتے ہیں۔''

''جو شخص اپنے ہاتھوں سے اپنا گھر پھونک دے اس سے زیادہ سفاک کون ہو سکتا ہے۔'' میں نے موقع پاتے ہی اس پر فقرہ چسپاں کر دیا۔

''مجھے راج محل کا قصہ جب بھی یاد آتا ہے، دل میں ایک ہوک سی اٹھتی ہے۔ مجھ سے اس کا ذکر مت کرو۔ وہ کل کی بات ہے لیکن اب ایک بھولا بسرا خواب بن چکی ہے!'' اس کی بھاری آواز میں حسرت سی تیر گئی۔

''تم نے مجھے مزار والی پہاڑی کے دامن میں تو پہنچا دیا۔ یہ نہیں بتایا کہ ہم دونوں خود ایک دوسرے کو پہچانیں گے یا تم میرا تعارف کراؤ گے۔ وہ جگہ میری دیکھی بھالی ہے۔ نو بجے پہاڑی کے دامن میں اتنا گھور اندھیرا ہوگا کہ کسی کو پہچاننا مشکل ہوگا۔ میں اپنا اطمینان کیے بغیر خود کو کسی اجنبی کے حوالے نہیں کر سکتا۔''

''مجھے معلوم ہے!'' اس کی ہلکی سی ہنسی میں مجھے استہزا کا احساس ہوا ''تم کو ذرا سا بھی شبہ ہو تو تم بیم گن یا زہریلی سوئی

Downloaded from https://paksociety.com

سے اس کا خاتمہ کردو گے۔ دراصل میری بات ادھوری رہ گئی۔ راج محل کے ذکر پر میری ذہنی رو ہمیشہ بہک جاتی ہے۔ وہاں پہنچتے ہی تم اپنی گاڑی کے ہیڈ لیمپس دو مرتبہ جلا کر بجھاؤ گے تو اسے پتا چل جائے گا کہ صحیح آدمی پہنچ گیا ہے۔ وہ تمہاری گاڑی کے قریب آ کر رام کہے گا اور تم روان کہہ کر جواب دو گے۔ یہ تم دونوں کی باہمی شناخت ہوگی۔ بقیہ باتیں وہ تمہیں سمجھا دے گا۔ اس سے سامنا ہوتے ہی تم اپنے ڈرائیور کو گاڑی سمیت لوٹا دو گے۔''

''ویری گڈ!'' میں نے اطمینان کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا ''رام اور راون کے پاس ورڈز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آدمی بھی تمہارا ہم مذہب ہے۔''

''غیر ضروری باتیں مت چھیڑو۔'' اس نے میرے قیاس کا جواب سختی سے گول کردیا ''تم آم کھانے سے غرض رکھو۔ پیڑ گننے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

''بھ) تک تم نے یہ نہیں بتایا کہ وہاں آ رہے ہو یا نہیں!''

''میرے کام تقریباً نمٹ چکے ہیں۔ عین وقت پر کوئی اڑچن پیدا نہ ہوئی تو میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔ کسی وجہ سے دیر سویر ہوئی تو آگے جب میں تم دونوں سے مل جاؤں گا۔''

''تم میرے دفاعی ہتھیاروں کا عملی مظاہرہ دیکھنا چاہ رہے تھے۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''جب سے سرحد تک ساری رات کا سفر ہے۔ راستے میں کہیں بھی موقع مل جائے گا۔'' اس کی آواز سے بے پروائی مترشح تھی۔

اس کی زبان سے آر سی ڈی ہائی وے یا پرانے حب ریور کا ذکر سنتے ہی میرا دل چاہا کہ میں فوری طور پر فون بند کردوں اور ایک لمحے کی تاخیر کیے بغیر اول خان کو اس مقام سے آگاہ کردوں تاکہ وہ تیزی سے اپنے آدمیوں کو وہاں پہنچا سکے لیکن میں سوبھراج کو کسی شبہے کا موقع دیے بغیر اس سے کچھ اور باتیں اگلوانا چاہ رہا تھا جن میں اہم ترین بات یہ تھی کہ وہ نو بجے اپنے مقرر کیے ہوئے مقام پر پہنچنے کے بارے میں کیا سوچ رہا تھا۔

اس نکتے پر سوبھراج کا جواب بہت مبہم اور حوصلہ شکن تھا جس سے اس کی چالاکی کا اظہار ہو رہا تھا۔ اگر وہ وہاں آ رہا تھا تب بھی اس بارے میں مجھے بتانا غیر ضروری سمجھ رہا تھا۔ اگر میں صحیح سمت میں سوچ رہا تھا تو سوبھراج کے لیے وہ رات بہت اہم تھی۔ اگر وہ مجھ سے جھوٹ نہیں بولتا رہا تھا تو اس وقت میری ذات اس کے لیے ہر خوف سے آزادی کی کلید بنی ہوئی تھی۔

گرین کو برا فائل پر سودے بازی کے لیے امریکی اہل کاروں کو واشنگٹن کی منظوری کا انتظار تھا لیکن وہ سوبھراج سے میرا سودا طے کرنے میں ذرا سی بھی تاخیر نہ کرتے۔ یہ بات بدستور سوبھراج کے دماغ میں گھسی ہوئی تھی۔ وہ اس موقع کو ضائع نہیں کرسکتا تھا۔

راج محل کی طرح اس کی پنڈلی کا زخم بھی اس کی دکھتی ہوئی رگ بنا ہوا تھا۔ میں نے اس سے زخم کا حال پوچھا تو چڑ گیا۔ اس نے میری مزاج پرسی کا کوئی جواب دیے بغیر مجھ پر فضول گوئی کا الزام لگایا اور نو بجے مقررہ مقام پر پہنچنے کی تاکید کر کے فون بند کردیا۔

میں نے اسی لمحے جلال کا نمبر ملایا۔ وہ بہت بے چینی سے میرے پیغام کا منتظر تھا۔ میں نے اسے اختصار کے ساتھ کام کی باتوں سے آگاہ کردیا۔

''یہ بہت اچھا ہوا'' وہ مزار والی پہاڑی کا ذکر سنتے ہی بولا ''یہاں اس سے ایک سنگین عسکری غلطی ہوگئی۔ میرے آدمی ملنگوں اور درویشوں کے روپ میں ایک ایک کر کے پہاڑی پر پہنچ جائیں گے۔ بلندی سے وہ اپنے حریف کو بہت آسانی سے بھون ڈالیں گے۔ اس کے آدمی وہاں ہوئے تب بھی وہ خستہ حال لوگوں کی آمد و رفت پر دھیان نہیں دیں گے۔''

''اگر وہ خود وہاں نہ آیا!'' میں نے اپنے اندیشے کا اظہار کیا۔

''اب اگر مگر کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ مجھے سرعت سے اپنے آدمیوں کو حرکت میں لانا ہے۔ وہاں جو بھی آیا، مارا یا پکڑا جائے گا۔''

''ایسا نہ ہو کہ اوپر سے آنے والی باڑ مجھے یا اول خان کو چاٹ جائے!''

''پہلی گولی چلتے ہی اپنی گاڑی میں مور چا بنا لینا۔ میرے آدمی اس کا خیال رکھیں گے۔'' بات کرتے کرتے اچانک اسے اپنا اپریٹس یاد آ گیا ''میرا دیا ہوا ایک اپریٹس کافی دنوں سے تمہارے پاس پڑا ہوا ہے۔ ابھی اس کی بیٹری وغیرہ چیک کرلو۔ چلتے ہوئے ساتھ لے لینا۔ اس آپریشن میں اسی ساخت کے اپریٹس استعمال ہوں گے۔ ضرورت ہوئی تو میں تم سے رابطہ کرلوں گا۔ تمہارا کوڈ ڈبل اے یعنی علی احمد ہوگا۔ تم مجھے چیف کے نام سے مخاطب کرسکو گے۔''

''تو کیا تم بھی وہاں آؤ گے؟'' میں نے حیرت سے سوال کیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

''وقت کی کمی کی وجہ سے میری موجودگی ضروری ہوگئی ہے۔ کوئی اور اس صورتِ حال کو آسانی سے نہیں سنبھال سکے گا۔''

وقت سرکتا جارہا تھا۔ مجھے احساس تھا کہ اس کے پاس زیادہ باتوں یا تبصروں کے لیے وقت نہیں تھا۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کے لیے دعائیہ کلمات استعمال کیے اور بات ختم ہوگئی۔

میرا اور اول خان کا پروگرام پہلے سے طے ہو چکا تھا۔ اس کی ذاتی گاڑی سالخوردہ اور ناقابل اعتبار تھی۔ وہ کسی حساب کتاب کے بغیر لاکھوں کی رقوم استعمال کرتا تھا لیکن اس نے اپنی تنخواہ کے علاوہ کبھی کوئی پیسہ اپنے ذاتی تصرف میں نہیں لیا تھا۔ وہ بے ایمان ہوتا تو ٹھسی پٹی کار کی جگہ کئی نئی اور شان دار گاڑیوں کا مالک بن سکتا تھا۔

اس کی سرکاری جیپ بہت طاقت ور اور نئی جیسی تھی لیکن اس کا پہچان لیا جانا قرین قیاس تھا۔ سوبھراج نے مجھے کسی ڈرائیور کے ساتھ مقررہ مقام پر پہنچنے کی رعایت دے کر کام بہت آسان کردیا تھا۔ میں اول خان کے ساتھ بے فکری سے اپنی گاڑی میں وہاں جاسکتا تھا۔

اپنے کاموں کی ہنگامی نوعیت کی وجہ سے میری گاڑی کی دونوں نمبر پلیٹیں ہمیشہ خشک کیچڑ اور مٹی میں اس طرح لتھڑی رہتی تھیں کہ قریب سے بھی ان کے نمبر پڑھنے ممکن نہیں تھے۔ اس میں ضرورت کے چند ہتھیار ہر وقت پڑے رہتے تھے۔

ہر وقت ہتھیار بند رہنے کا وہ سنہرا اصول میں نے اول خان سے سیکھا تھا۔ اس کی دونوں گاڑیاں چلتے پھرتے اسلحہ خانوں سے کم نہیں جن میں جدید رائفلوں سے لے کر ہلکے پھلکے دستی بموں تک، ہر چیز موجود رہتی تھی۔ اسے اپنی حیثیت کا بھرپور فائدہ حاصل تھا۔ ایس ٹی ایف سے وابستہ ہونے کی بنا پر وہ ہر چیکنگ سے بہ آسانی نکل جاتا تھا جبکہ میرے لیے ہتھیاروں کی موجودگی کا کوئی جواز پیش کرنا ممکن نہیں تھا۔ میری گاڑی میں چند گنے چنے اور موثر ہتھیار موجود تھے۔

ہمارے لیے گلشن اقبال سے مقررہ مقام تک پہنچنا دشوار نہیں تھا۔ وہاں تک جانے کے لیے آدھا گھنٹا بہت کافی تھا لیکن میں گھر میں بیٹھ کر انتظار کے اعصابی دباؤ سے گزرنے کے بجائے اسی وقت گھر سے روانہ ہوگیا۔

ہمارا مقصد واضح تھا۔ منزل متعین تھی۔ اول خان نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی ہوئی تھی۔ میں اس کے برابر والی نشست پر موجود تھا۔

حسن اسکوائر کے چوراہے سے گاڑی سیدھی سرشاہ سلیمان روڈ پر نکلتی چلی گئی۔ لیاقت آباد کے پُرہجوم ٹریفک سے نکلنے کے بعد راستہ صاف ملا۔ ہم ناظم آباد سے گزر کر سائٹ کے صنعتی علاقے میں داخل ہوگئے۔

''میرا اندازہ ہے کہ ہم نو بجنے سے بیس پچیس منٹ پہلے وہاں پہنچ جائیں گے۔'' اول خان نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر کہا۔

''دیکھتے ہیں کہ وہاں کیا ہورہا ہے۔'' میں نے چونک کر جواب دیا ''اس وقت میرا ذہن آنے والے وقت میں الجھا ہوا تھا۔

''میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اس ویرانے میں ہم اتنا وقت کیسے گزاریں گے!''

''وقت گزر ہی جائے گا۔'' میں نے کہا ''فی الحال ہم وہاں نہیں رکیں گے۔ سست روی سے مزار والی پہاڑی کا جائزہ لیتے ہوئے آگے نکل جائیں گے۔ ہمیں وہاں کوئی نہ کوئی سرگرمی نظر آجانی چاہیے۔ اگر سوبھراج کے آدمی پہلے سے وہاں پہنچے ہوئے ہیں تو دیکھنا ہوگا کہ جلال کا اسٹاف ان سے بچ کر اوپر جانے میں کیسے کامیابی حاصل کرتا ہے۔''

''جلال کا دماغ تیزی سے کام کرتا ہے۔'' اس نے تحسین آمیز لہجے میں کہا ''مزار کا نام سنتے ہی اسے ملنگوں اور فقیروں کا خیال آگیا۔ اس کا پلان کامیاب رہے گا۔''

باتوں باتوں میں ہم شیر شاہ کے چوراہے پر پہنچ گئے۔ وہاں سے ہمیں داہنی طرف مڑ جانا تھا۔

سڑک پر لگے ہوئے بعض اسٹریٹ لیمپس روشن تھے لیکن بیشتر تاریک پڑے ہوئے تھے۔ دونوں طرف بنی ہوئی روشن فیکٹریوں کا سلسلہ ختم ہوا تو ان سے تقریباً جڑی ہوئی رہائشی عمارات اور مکانات کی روشن قطاریں شروع ہوگئیں۔

ہم تیزی کے ساتھ شہری زندگی کی ان علامات کو پیچھے چھوڑتے جارہے تھے۔ گنجان آبادی کا تسلسل رفتہ رفتہ ٹوٹنے لگا۔ تاریک قطعات کے درمیان کہیں کہیں روشنی کے جزیرے نظر آرہے تھے پھر وہ بھی ختم ہوگئے اور سڑک کے دونوں جانب تاریکی میں ڈوبے ہوئے چٹیل میدان نظر آنے لگے جن کے درمیان سے گزرتی ہوئی تارکول کی سڑک ہماری گاڑی کے ہیڈلیمپس کی روشنی میں کسی بل کھاتی ہوئی سیاہ ناگن کی طرح چمک رہی تھی۔

''اس ویرانے میں کہیں بھی کوئی گاڑی رک جائے تو وہ تاریکی میں چھپے ہوئے لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکے گی۔'' اول خان بولا۔

''اور وہ گولیاں برسا کر اسے چھلنی کردیں گے!'' میں

Downloaded from https://paksociety.com

نے اپنی بات پوری کرکے ہلکا سا قہقہہ لگایا ''گاڑی کے مسافروں کی جان بھی خطرے میں پڑسکتی ہے۔''

''کیا تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں خوف زدہ ہوں؟'' اس نے میرے قہقہے کا برا مان کر قدرے ترشی سے سوال کیا۔

''لاحول ولا قوۃ۔'' میں نے جلدی سے کہا ''مجھے ہنسی اس بات پر آئی کہ جونکتہ تمہارے ذہن میں اب آیا ہے، اس پر میں گھر سے نکلتے ہوئے غور کرچکا ہوں، ہمارا مشن واقعی خطرناک ہے مگر مجھے معلوم ہے کہ میری طرح تم بھی بے خوف ہوکر خطروں میں کود پڑنے کے عادی ہو۔ آدمی کا حوصلہ بلند ہو تو کامیابی خود بہ خود قدم چومتی ہے۔''

''اس وقت مقابلے میں دو حریف ہیں۔ ایک طرف سوبھراج اور دوسری طرف جلال۔ دونوں کے آدمی اندھیرے میں ایک دوسرے کی گھات لگائے بیٹھے ہوں گے۔ ہم دونوں کی حیثیت قربانی کے بکروں جیسی ہے۔ جب تک تم وہاں جاکر روشنی کے مخصوص اشارے نہیں کرو گے، دونوں فریق خاموشی سے اپنی کمین گاہوں میں دبکے بیٹھے رہیں گے۔''

''کبھی کبھی قربانی کے بکرے قصاب کو ٹکر بھی مار دیتے ہیں۔''

''آج یہی کرنا ہوگا۔ مگر اپنے ہاتھ پیر بچا کر۔ اندازے کی کوئی غلطی ہوئی تو ہم بے موت مارے جائیں گے۔'' اس نے کسی فکر اور تشویش کے بغیر کہا۔

تاریک سڑک پر گاڑی کا سفر جاری رہا۔ اس وقت کراچی سے حب جانے والا ٹریفک سرے سے مفقود تھا۔ ہمارے آگے اور پیچھے سڑک پر دور تک ویران پڑی ہوئی تھی البتہ حب کی جانب سے کراچی جانے والی گاڑیوں کی بہتات تھی۔

مزار والی پہاڑی میرے لیے اجنبی نہیں تھی۔ میں پہلے بھی وہاں ایک معرکے سے دوچار ہو چکا تھا۔ دور ہی سے پہاڑی کی چوٹی پر روشنی نظر آنا شروع ہوگئی۔

وہ شہر سے دور افتادہ ویرانہ تھا۔ لوگ وہاں آئے تھے تو قرب وجوار میں ان کی گاڑیوں وغیرہ کو بھی نظر آنا چاہیے تھا۔ میں اپنی جگہ چوکنا ہوکر بیٹھ گیا۔

اسی سمت میں جاتے ہوئے چڑھائی کے ساتھ سڑک بھی خم دار تھی۔ اول خان نے گاڑی کی رفتار کم کرلی۔ گاڑی کے ہیڈ لیمپس کا انعکاس دونوں سمتوں میں کافی دور تک پھیل رہا تھا۔ میں اس سے بھی آگے پھیلی ہوئی گھور تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتا رہا لیکن مجھے کہیں کسی گاڑی کی پرچھائی تک نظر نہیں آئی۔

''یہاں تو ہر طرف لامتناہی سناٹے کا راج ہے۔ کہیں کوئی سرگرمی نظر نہیں آرہی۔'' اول خان نے سڑک سے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

اسی وقت مخالف سمت سے آتی ہوئی ایک کوسٹر کی روشنی، سڑک کے خم کی وجہ سے، پہاڑی کے دامن میں پڑی تو بس لمحہ بھر کے لیے مجھے کم از کم دو گاڑیوں کے چمکتے ہوئے ہیولے نظر آئے جو اگلے لمحے ہی معدوم ہوچکے تھے۔ موڑ گھومتے ہوئے، کوسٹر کا رخ تیزی کے ساتھ بدلا تھا اور اسی کے ساتھ پہاڑی کا دامن پھر تاریکی میں ڈوب گیا تھا۔

''ابھی مجھے اس طرف دو گاڑیاں نظر آئی ہیں۔'' میں نے داہنی طرف اشارہ کرتے ہوئے، دھیمی آواز میں کہا۔

''سوبھراج یا اس کے آدمی پہنچے ہوئے ہیں۔'' اول خان بولا۔

''یہ تم نے کیسے کہہ دیا؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''جلال کے آدمی فقیروں وغیرہ کے حلیے میں آئے ہوں گے۔ ایسے تہی دست لوگ گاڑیوں سے اترتے تو اسی لمحے مار دیے جاتے۔''

ہم اس مقام کا جائزہ لیتے ہوئے آگے نکل گئے۔ میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو نو بجنے میں دس منٹ باقی تھی۔

اس وقت مجھے جلال کے اپریٹس کا خیال آیا اور میں نے اسے آن کرکے اپنی گود میں رکھ لیا۔ لاسلکی آلے پر بس لمحہ بھر کے لیے ریڈیائی شور برقرار رہا پھر وقفے وقفے سے کئی انسانی آوازیں سنائی دیں۔ وہ ایک دوسرے سے ناقابل فہم انداز میں گفتگو کررہے تھے۔ ان کے الفاظ مانوس تھے مگر فقرے مہمل معلوم ہورہے تھے۔ صاف ظاہر ہورہا تھا کہ وہ اردو اور انگریزی کے ملے جلے الفاظ کو کوڈ ورڈز کے طور پر استعمال کررہے تھے۔

مجھے اپریٹس کے حیطۂ عمل کا علم نہیں تھا اس لیے یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ وہ لوگ کہاں تھے۔ اپنے مورچوں پر پہنچ گئے تھے یا وہاں تک جانے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ ریڈیائی لہروں کی وجہ سے آوازیں اتنی بگڑی ہوئی تھیں کہ انہیں شناخت کرنا ممکن نہیں تھا۔ کوشش کرنے کے باوجود میں ان میں جلال کی آواز نہیں پہچان سکا۔

آخر میں نے براہِ راست اس سے رابطہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ ایک بار سکون طاری ہوتے ہی اپریٹس اٹھا کر اس کا بٹن دبایا اور جلال کے لیے اپنا پیغام نشر کردیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

''چیف کالنگ!'' فوری طور پر اس کی طرف سے جواب آ گیا اس کی آواز اتنی بدلی ہوئی تھی کہ اجنبی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا ''تم بے فکر رہو۔ میرے تین آدمی اوپر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ میں کچھ لوگوں کے ساتھ نیچے موجود ہوں۔ ہم نے دامن میں ان کی دو گاڑیاں دیکھ لی ہیں۔ وہ ہم سے پہلے سڑک کی سمت سے یہاں پہنچے ہوئے تھے۔ ہم کچے راستے سے پہاڑی کے پچھلے حصے میں آئے تھے اور میں وہیں ہوں۔ تمہاری کیا پوزیشن ہے؟ اوور!''

جلال کا پیغام سن کر مجھے خوشی ہوئی۔ میں نے فوری طور پر جواب دیا ''ہم سڑک سے جائزہ لیتے ہوئے آگے جا رہے ہیں' چند منٹ بعد واپس لوٹیں گے۔ ان کی دو گاڑیاں پل بھر کے لیے مجھے بھی نظر آئی ہیں لیکن ان کی پوزیشن کا اندازہ نہیں ہے۔ اوور۔''

''میرے اوپر والے آدمیوں نے اپنی انفرا ریڈ دور بینوں سے انہیں دیکھ لیا ہے۔ وہ اوپر سے بالکل بے پرواہیں اور اپنی گاڑیوں کے عقب میں چل پھر رہے ہیں۔ ان کی تعداد سات ہے اور ان میں لنگڑانے والا کوئی آدمی نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ چند منٹ بعد یہ پھیلنا شروع کر دیں۔ دعا کرو کہ یہ اسی جگہ جمع رہیں۔ کام بہت آسان ہو جائے گا۔ اوور!''

''لنگڑا نہیں ہے!'' میں نے مایوسی سے دہرایا ''ابھی دس منٹ باقی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ آخری لمحات پر پہنچے۔ اوور!''

''مجھے بھی اسی کا انتظار ہے' حالات پوری طرح میرے کنٹرول میں ہیں۔ اوور!''

''تمہیں یقین ہے کہ ان اطراف میں ان کا کوئی آٹھواں آدمی موجود نہیں ہے؟ اوور!''

''بظاہر یہی معلوم ہو رہا ہے لیکن یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ وہ لوگ پہلے سے یہاں آئے ہوئے تھے۔ ہو سکتا ہے کوئی ایک آدھ آدمی اِدھر اُدھر نکل گیا ہو۔ اوور!''

''پھر نو بجے کا انتظار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ سانتوں کو اسی وقت کیوں نہیں گھیر لیتے؟ اوور!'' میں نے فوری خیال کے تحت کہا۔

''یہ خیال آیا تھا لیکن میں لنگڑے کی وجہ سے رکا ہوا ہوں۔ آج کا بڑا شکار وہی ہے۔ اوور!'' جلال نے سوبھراج کا نام لیے بغیر جواب دیا۔

اپر ٹیس پر ہونے والی وہ گفتگو اس کے دوسرے آدمی بھی اپنے اپنے ٹرانسمیٹر پر سن رہے تھے اس لیے جلال بے تکلفی سے بات نہیں کر پا رہا تھا۔ مجھے اس بات کا اندازہ تھا۔ میں بھی اس سے محتاط رہ کر بات کر رہا تھا تاکہ اسے اپنے ماتحتوں کے سامنے کسی ہتک کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

گفتگو میں وقفہ آتے ہی اچانک کسی اور نے بولنا شروع کر دیا۔ اس بار میں نے اندازے کی غلطی نہیں کی۔ بولنے والے کو جلال نے مانوس الفاظ لیکن ناقابل فہم فقروں میں جواب دیا تھا۔ میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ وہ دخل اندازی کسی ایمرجنسی کی مظہر تھی۔

اول خان گاڑی کو اتنی دور تک لیتا چلا گیا کہ طے شدہ پہاڑی تک واپس پہنچنے میں وقت پورا ہو جائے۔ اس نے واپسی کے لیے گاڑی گھمائی تو نو بجنے میں چند منٹ باقی رہ گئے تھے۔

اپر ٹیس پر مختصر وقفوں سے گفتگو کا سلسلہ جاری تھا۔

پہاڑی کے قریب پہنچنے پر میں نے موقع پاتے ہی جلال کو بتایا کہ ہم کسی بھی لمحے وہاں پہنچنے والے تھے۔ جلال نے مجھے گرین سگنل دیتے ہوئے بتایا کہ لنگڑا اس وقت تک وہاں نظر نہیں آیا تھا۔ اس کے بھیجے ہوئے آدمیوں میں سے تین سڑک کی طرف بڑھ گئے تھے۔ چار افراد بدستور گاڑیوں کے عقب میں موجود تھے۔

اول خان نے گاڑی کی رفتار دھیمی کر کے اپنے پائیدان میں رکھی ہوئی چھوٹی خودکار رائفل کی پوزیشن درست کی اور پھر رفتار بڑھا دی۔

چند لمحوں بعد ہماری گاڑی بہت دھیمی رفتار سے سڑک سے اتری اور ناہموار پتھریلی زمین پر ہچکولے لیتی ہوئی پہاڑی کے دامن کی طرف بڑھی تو ہمارے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہماری گاڑی کے ہیڈ لیمپس کا رخ اسی سمت میں تھا جہاں میں نے حریفوں کی دو گاڑیاں دیکھی تھیں۔

وہ لوگ کچے راستے پر کافی دور چلے گئے تھے۔ ہماری گاڑی کی بھرپور روشنی وہاں تک ساتھ نہیں دے سکی لیکن اس کے انعکاس میں ان دونوں گاڑیوں کے ہیولے نظر آنا شروع ہو گئے تھے۔ اول خان نے بریک لگا کر گاڑی روک دی۔ میں نے اپر ٹیس آف کر کے جیب میں ڈال لیا۔

تاریکی میں ڈوبے ہوئے اس سنگلاخ ویرانے میں مجھے کوئی متنفس نظر نہیں آیا تھا۔ اول خان نے سوبھراج کی ہدایت کے مطابق دو مرتبہ ہیڈ لیمپس جلا کر بجھا دیے۔ اسی لمحے سامنے سے کسی ٹارچ کی روشنی چمکی اور معدوم ہو گئی۔

میں نے جھک کر اپنے پائیدان سے رائفل اٹھالی۔ اول خان بھی کسی اچانک افتاد کے مقابلے کے لیے پوری طرح تیار ہو چکا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

میں سامنے پھیلے ہوئے گہرے اندھیرے میں نظریں جمائے بیٹھا رہا۔ آخر کار مجھے پہاڑی کے پیش منظر میں ایک متحرک انسانی ہیولا نظر آیا جو چھوٹے چھوٹے بے آواز قدموں سے ہماری گاڑی کی طرف آرہا تھا۔

''یہ تو اکیلا ہے..... جلال نے تین بتائے تھے!'' اول خان نے زیر لب سرگوشی کی۔

''ہوسکتا ہے کہ وہ پیچھے رک گئے ہوں۔'' میں نے بہت دھیمی آواز میں جواب دیا۔

فضا پر چھائے ہوئے گہرے اور پر ہول سکوت میں وہ متحرک انسانی ہیولا قریب آیا تو میں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں ایک کلاشنکوف دبی ہوئی تھی۔

وہ جو کوئی بھی تھا، بہت بے جگر تھا یا پھر پرلے درجے کا گدھا تھا؟ اسے یہ خوف نہیں تھا کہ آنے والا اسے اپنی گولی کا نشانہ بھی بنا سکتا ہے۔

وہ انتہائی مخدوش پوزیشن میں یوں بے فکری سے چلا آرہا تھا جیسے اسے ہم دونوں کی طرف سے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہ ہو۔

اس وقت میرے ذہن نے بہت تیزی سے کام کرنا شروع کردیا تھا۔

دو گاڑیوں میں سوار ہو کر سات افراد کے آنے کا مطلب تھا کہ وہ ہر قسم کا مقابلہ کرنے کی تیاری کر کے وہاں پہنچے تھے۔ انہیں اندازہ تھا کہ کسی تصادم کی صورت میں انہیں آتشین ہتھیاروں کے ساتھ افرادی قوت کی ضرورت بھی پیش آسکتی ہے۔

ایسی مخدوش صورتِ حال میں کلاشنکوف بردار کا بے خوفی سے بڑھتا چلا آنا بہت غیر فطری محسوس ہو رہا تھا۔ میں سانس روکے اس کے قریب آنے کا انتظار کرتا رہا۔

شاید اسے بھی توقع تھی کہ جب تک کوئی گڑبڑ نہ ہو اس کی جان کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوگا۔ میری اور اول خان کی نگاہیں اس پر مرکوز تھیں۔ اس کے بقیہ دو ساتھیوں کا کہیں پتا نہیں تھا۔

اچانک وہ سینے کے بل زمین پر گر گیا۔ اس وقت وہ ہماری گاڑی سے کئی گز دور تھا۔ خطرہ بھانپ کر میں نے پائیدان سے رائفل اٹھانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اچانک کھلی ہوئی کھڑکی میں سے ایک سرد آہنی نال میری کنپٹی سے آلگی اور میں اپنی جگہ پر جم کر رہ گیا۔

میں نے کن انکھیوں سے دیکھا کہ اول خان کی پوزیشن مجھ سے مختلف نہیں تھی۔ اس طرف بھی ایک رائفل بردار موجود تھا جس نے اس کی کھوپڑی کا نشانہ لیا ہوا تھا۔

بے اختیار میرے سینے سے ایک گہرا سانس آزاد ہوگیا۔

ان لوگوں نے ہمیں اپنے جال میں پھانسنے کے لیے ایک زبردست نفسیاتی حربہ استعمال کیا تھا۔ تین کی وہ ٹکڑی اپنے ساتھیوں سے الگ ہو کر ہماری طرف آئی تو سامنے سے آنے والے نے دانستہ اپنی رفتار دھیمی رکھ کر ہمیں پوری طرح اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ ہمیں ہر حال میں اس پر نگاہ رکھنی تھی۔ ہم اس کی پیش قدمی کا مشاہدہ کرتے رہے اور اس کے دونوں ساتھی گہری تاریکی میں ایک لمبا چکر کاٹ کر ہمارے پیچھے سے نمودار ہوگئے۔

وہ بہت خطرناک صورت حال تھی۔ ہم دونوں میں سے کوئی بھی اسلحہ برداروں کی مرضی کے خلاف کوئی حرکت کرتا تو پل بھر میں اس کا بھیجا اڑ سکتا تھا۔

سامنے سے آنے والا اپنے دونوں ساتھیوں کو ہماری گاڑی کے پہلوؤں کی طرف بڑھتا ہوا دیکھ کر چند سیکنڈ کے لیے پوزیشن لیتا ہوا زمین پر گرا تھا۔ جب اس نے اندازہ لگالیا کہ اس کے ساتھیوں نے چیتے کی سی عیاری اور خاموشی سے ہمیں اپنی زد پر لے لیا ہے تو وہ بھی اپنی کلاشنکوف تان کر پھرتی سے سیدھا کھڑا ہوا۔

وہ ساتوں دو ٹکڑیوں میں بٹے تو جلال کے آدمیوں کی دوربینوں کی زد میں تھے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اپنی گاڑیوں سے اتنی دور نکل آنے کے بعد وہ دیکھے جارہے تھے یا نہیں میرے ذہن پر بے یقینی کی وہ لہر بس لمحہ بھر کے لیے چھائی رہی۔ بے اختیار میری نگاہیں پہاڑی کی چوٹی کی طرف اٹھ گئیں جہاں اندھیرے کے سوا کچھ نظر نہیں آرہا تھا۔ مزار اور اس کی روشنی اس پہاڑی کی ڈھلانوں کی عقب میں اوجھل ہوچکی تھی۔

جلال وہاں صرف سوبھراج کو مارنے یا پکڑنے کے ارادے سے نہیں آیا تھا۔ اس کا اولین مقصد ہم دونوں کی حفاظت کرنا تھا۔ وہ اس فرض سے پل بھر کے لیے بھی غافل نہیں ہوسکتا تھا۔

اس کی دی ہوئی اطلاع کے مطابق اس کے تین آدمی بھیس بدل کر پچھلے حصے سے اس پہاڑی پر چڑھنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ وہ ہتھیاروں کے علاوہ اندھیرے میں دور تک دیکھ لینے والی انفراریڈ دوربینوں سے بھی لیس تھے۔

وہ تین تھے تو ایک ہی وقت میں تین مختلف سمتوں کی دیکھ بھال کرسکتے تھے۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ تینوں سوبھراج کے بھیجے ہوئے آدمیوں میں الجھے ہوئے ہوں۔

جلال کو علم تھا کہ ہم دونوں کو ٹھیک نو بجے سڑک کے راستے سے وہاں پہنچنا تھا۔ رابطے کے آخری لمحات میں اس کا

Downloaded from https://paksociety.com

کہا ہوا یہ فقرہ میرے ذہن میں گونجا کہ صورت حال اس کے کنٹرول میں تھی اور ہم بے فکر ہو کر مقررہ جگہ پر پہنچ سکتے تھے۔

اس نے یقینی طور پر اپنے کسی آدمی کو اس سمت کی دیکھ بھال پر مامور کیا ہوا تھا۔ میرا اپریشن بند پڑا ہوا تھا لیکن مجھے توقع تھی کہ اس وقت چوٹی پر بیٹھا ہوا کوئی نہ کوئی شخص جلال کو نیچے کے پل پل کے حالات سے آگاہ کر رہا ہوگا۔

اس بار سامنے والا بہت تیزی سے ہماری گاڑی کی طرف آیا اور چند قدم دور سے للکار کر بولا ''اپنا نام بولو!''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سوبھراج سے طے ہونے والے کوڈ ورڈز کے تبادلے کے بغیر میں ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نہیں نکالنا چاہتا تھا۔

رائفل کی نال میری کنپٹی پر رکھی ہوئی تھی جبکہ جلال اور اس کے آدمی مجھ سے بہت دور تھے۔ میری کسی بھی اضطراری حرکت کے نتیجے میں چشم زدن میں میرا کام تمام ہو سکتا تھا۔ جب تک جلال کے آدمی حرکت میں آتے میں ان کی کسی مدد کی ضرورت سے یکسر بے نیاز ہو چکا ہوتا۔

سامنے والے نے شاید میرا امتحان لینے کے لیے میرا نام پوچھا تھا۔ اپنے دبے دبے چپٹے خدوخال اور لہجے کی بنا پر وہ مقامی نظر نہیں آ رہا تھا۔ چھوٹے قد' چوڑے شانوں اور بھرے بھرے جسم کی وجہ سے وہ بھارتی گجرات کے کسی ساحلی علاقے کا باشندہ معلوم ہو رہا تھا۔

''رام!'' میرے خاموش رہنے پر اس نے اپنا داہنا پیر زمین پر مار کر زور سے کہا۔ اسی کے ساتھ اس نے اپنی کلاشنکوف کی نال میری طرف سیدھی کر لی تھی۔

''راون!'' میں نے مشینی انداز میں بلا تامل جواب دیا۔

''گڈی گڈ!'' اس نے جاہلوں والے انداز میں کہا ''تم دونوں سالا نیچو اترو!''

وہ اس کا حکم تھا۔ میری کنپٹی سے سرد نال ہٹ گئی۔ اس وقت تک ان تینوں میں سے کسی کو یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ ہماری گاڑی میں ہتھیار بھی موجود تھے۔

میرے لیے وہ کچھ کر گزرنے کا اکلوتا موقع تھا۔ مجھے اچھی طرح اندازہ ہو چکا تھا کہ شرافت سے نیچے اترنے کے بعد میں ان کے سامنے بے بس ہو جاؤں گا۔ بعد میں جلال کے آدمی ان کا جو حشر کرتے' سو کرتے مگر اس سے پہلے میرا تتمہ بالخیر ہو جاتا۔

دوسری طرف مجھے اول خان کی جان کی فکر تھی۔ اس کی پوزیشن مجھ سے مختلف نہیں تھی۔ ان نازک لمحات میں ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار تھے۔ میں اسے نظر انداز کر کے اپنے موقع کو دیکھ کر کوئی کارروائی کر بیٹھتا تو شاید میں بچ جاتا مگر اول خان کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی۔

تاروں بھرے آسمان کے نیچے گھپ اندھیرے میں وہ اعصاب شکن کھیل جاری تھا۔ غنیمت یہ تھا کہ مسلح بدمعاشوں کی اس سہ نفری ٹولی نے صرف ایک مرتبہ اپنی ٹارچ چمکانے کے بعد دوبارہ کسی قسم کی روشنی نہیں کی تھی۔ انہیں اندیشہ رہا ہوگا کہ سڑک سے گزرنے والے کسی بھی گاڑی کے سوار اس ویرانے میں روشنی دیکھ کر ادھر کا رخ کر سکتے تھے۔

میں نے تاریکی سے فائدہ اٹھا کر اپنی نشست میں پہلو بدلتے ہوئے اول خان کو ہولے سے کہنی ماری اور داہنے ہاتھ میں رائفل سنبھالتے ہوئے دروازہ کھول کر تیزی سے نیچے اترا۔

سامنے والا فاتحانہ انداز میں گاڑی کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ مجھے اپنی زد پر لینے والے نے مجھے نیچے اترنے کے لیے جگہ دے دی تھی۔

میں نے کار سے نیچے اترتے ہی اپنے حلق سے ایک ہلکی سی چیخ کی آواز نکالی۔ میرے سامنے والے کی توجہ لمحہ بھر کے لیے زمین کی طرف مبذول ہوئی اور میں نے اپنی رائفل کی نال پوری قوت سے اس کے پیٹ کے نچلے حصے میں گھسا دی۔

وہ قیامت کے لمحات تھے۔ میرا حریف اس حملے کے لیے تیار نہیں تھا۔ ایک بے ساختہ چیخ کے ساتھ اس کی رائفل ہاتھ سے نکل گئی اور میں نے بہت سرعت سے اپنی رائفل کا ٹریگر دبا دیا۔ وہ ان لمحات میں زمین بوس ہونے کے تیز عمل سے گزر رہا تھا۔ میری رائفل کی گولی تیز ترین رفتار سے اس کے جسم کے آر پار گزر گئی اور فضا اس کی دل دوز چیخ سے لرز اٹھی۔

وہ کھڑا ہوا تھا۔ میں کار کی نشست سے اٹھ کر اس پر حملہ آور ہوا تھا اس لیے میری رائفل کی نال کا رخ اوپر کی طرف تھا۔ مجھے کامل یقین تھا کہ وہ گولی اس کے پیٹ میں گھس کر سارے اعضائے رئیسہ کو چیرتی پھاڑتی ہوئی اس کے شانوں کے قریب سے نکلی ہوگی۔

ان ہی لمحات میں اول خان شاید اپنے حریف سے لپٹ گیا تھا۔ میری اچانک چیخ نے چند ثانیوں کے لیے ان تینوں کو بوکھلا دیا تھا اور ان کے کچھ سمجھنے سے پہلے مجھے اور اول خان کو حرکت میں آنے کا موقع مل گیا تھا۔

تین میں سے دو زیر ہو چکے تھے یا ہونے والے تھے۔ سامنے والا خطرہ بھانپتے ہی دوبارہ زمین پر لیٹ گیا تھا۔ اس نے میری طرف پے در پے تین گولیاں چلائیں مگر میں اپنے مدِ

Downloaded from https://paksociety.com

مقابل کو ڈھیر کرتے ہی سینے کے بل زمین پر گر چکا تھا۔ سخت سنگریزوں کی چبھن سے میرے سینے میں خاصی تکلیف ہوئی مگر سامنے سے آنے والی تینوں گولیاں مجھے کوئی نقصان پہنچائے بغیر اوپر سے گزر گئیں۔

میں نے لیٹے لیٹے تیسرے کی پوزیشن کا جائزہ لینا چاہا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ فائر کرتے ہی کسی اور طرف رینگ گیا ہوگا۔ اس پر اندھا دھند گولیاں برسانا بے سود تھا۔

مجھے کہیں بھی اس کا سایہ تک نظر نہیں آیا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں وہ اول خان کو اپنا نشانہ نہ بنالے۔ میں نے اپنی رائفل کی نال سیدھی کی اور اسے جنبش دیتے ہوئے تڑاتڑ تقریباً آدھا میگزین خالی کردیا۔ فائرنگ کی بازگشت میں چیخ تو درکنار کوئی انسانی کراہ بھی نہیں سنائی دی۔

پھر وہاں قیامت سی برپا ہوگئی پہاڑی کی چوٹی پر سے رائفلوں کے نعرے گونجنے لگے۔ کہیں دور سے پے در پے کئی لرزہ خیز انسانی چیخیں سنائی دیں۔ پھر قریب سے ایک ہولناک چیخ ابھری۔ مجھے گمان ہوا کہ میرا تیسرا حریف بھاگتے ہوئی کسی گولی کا نشانہ بن چکا تھا۔

وہ سب کچھ چشم زدن میں تقریباً ایک ساتھ ہوتا چلا گیا۔ جلال کے آدمیوں کو انفرارید دوربینوں کی مدد حاصل تھی۔ وہ نشانے تاک کر بلندی سے آگ برسا رہے تھے۔ ان کے حریف نشیب میں ان کے کھلے نشانے پر تھے۔ ان کا برے انجام سے بچنا ناممکنات میں سے تھا۔

میں نے ایک لمحے کے لیے کسی متوقع خطرے کا انتظار کیا پھر دوڑ کر اپنی کار کے آگے سے ہوتا ہوا۔ اول خان والی سمت میں پہنچا تو وہاں ایک روح پرور منظر میرا منتظر تھا۔

اول خان ریٹائرڈ فوجی اور تربیت یافتہ کمانڈو تھا۔ اس نے اپنے حریف کو کار کے کھلے ہوئے دروازے کے قریب زمین پر گرایا ہوا تھا اور اس کے سینے پر سوار ہوکر مکوں سے اس کا چہرہ بگاڑنے میں مصروف تھا۔ اس کا حریف بے دست و پا ہوکر گھٹی گھٹی آواز میں چیخ رہا تھا۔

اس نے اچانک نمودار ہوکر اول خان کی کھوپڑی کا نشانہ لیا تھا۔ وہ تماشا دیکھتے ہی میرا خون کھول اٹھا۔ میں نے بڑھ کر اپنی رائفل کی نال اس کے بائیں کان پر رکھی۔ لمحہ بھر کے لیے اول خان کے ہاتھ رکے اور میں نے رائفل چلادی۔

کھوپڑی سمیت اس کا آدھا چہرہ اڑ کر تاریکی میں کہیں بکھر گیا۔ اول خان اس کے تڑپتے ہوئے وجود کو چھوڑ کر تیزی سے نیچے اتر گیا۔

''باقی دونوں کا کیا بنا؟'' اول خان نے ہانپتے ہوئے سوال کیا۔

''دونوں جہنم واصل ہوگئے۔'' فائروں کی گونج میں میں نے اسے بتایا ''گاڑی میں گھس جاؤ کوئی بھٹکی ہوئی گولی ادھر بھی آسکتی ہے۔''

میں نے لپک کر اپنی جگہ سنبھالی اور جیب سے اپریٹس نکال کر آن کرلیا۔

''چیف کالنگ ڈبل اے.....اوور!'' اپریٹس آن ہوتے ہی میرے کانوں میں جلال کی وحشت زدہ آواز ابھری وہ نہ جانے کب سے مجھے پکار رہا تھا۔

''ڈبل اے آن لائن!'' میں نے بلاتاخیر جواب دیا ''میں نے ابھی ابھی اپریٹس آن کیا ہے ہم بدترین مشکل میں پھنس گئے تھے۔ اب مطلع صاف ہے۔ اوور!''

''خدا کا شکر ہے کہ تمہاری آواز سنائی دی!'' ایک گہرے سانس کے ساتھ اس کی آواز آئی ''میرے آدمی سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ ان تینوں میں سے دو اچانک کہیں غائب ہوگئے۔ وہ دوبارہ نظر آئے تو تمہاری گاڑی کے دونوں دروازوں پر رائفلیں تانے ہوئے تھے اس پوزیشن میں ان پر گولی نہیں چلائی جاسکتی تھی۔ لنگڑا کہیں نظر نہیں آیا۔ تم تیزی سے لوٹ جاؤ.....اوور اینڈ آل!''

''جلال کی گفتگو بہت منتشر سی تھی۔ اس کے مدافعانہ انداز سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ ہماری ناگہانی مشکل کے لیے خود کو ذمے دار تصور کررہا تھا۔

اول خان گاڑی کا انجن اسٹارٹ کرچکا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس پہاڑی کے دامن میں ہونے والی دھواں دھار فائرنگ دم توڑ چکی تھی۔ نیچے سے کی جانے والی فائرنگ کا سلسلہ یکسر موقوف ہوچکا تھا۔ اوپر سے اِکّا دُکّا فائر ہورہے تھے۔

اول خان نے میرے کچھ کہنے سے پہلے گاڑی سڑک کی طرف گھمالی۔

''خوفناک معرکہ تھا۔'' سڑک پر آنے کے بعد اول خان نے جھرجھری لے کر کہا ''اپنے سر پر رائفل کی نال کا دباؤ محسوس کرتے ہی میں نے کلمہ پڑھ لیا تھا۔''

''وہ واقعی جاں گسل لمحات تھے۔'' میں نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا ''خرابی یہ ہوئی کہ ہم دونوں نے اپنی ساری توجہ سامنے سے آنے والے پر مرکوز کردی تھی۔ بقیہ دو کو بھول گئے۔ آج قدرت نے ہمارا ساتھ نہ دیا ہوتا تو کام تمام ہوگیا تھا۔''

''اسے دیکھنا پڑ رہا تھا۔ کسی اُلّو کے پٹھے کی طرح سینہ

Downloaded from https://paksociety.com

تانے یوں بے خوف وخطر چلا آرہا تھا جیسے اپنی سسرال میں آرہا ہو۔'' اول خان کی آواز میں جھنجلاہٹ نمایاں تھی۔

''میں شرط لگا سکتا ہوں کہ وہ پاکستانی نہیں تھا۔'' میں نے زور دے کر کہا ''مجھے شبہ ہے کہ سوبھراج نے دوبارہ راداالوں کے لیے کام کرنا شروع کردیا ہے۔''

''وہ را کے لیے کام کرے گا تو گرین کو براہ فائل پر کھلی سودے بازی کرکے فائدہ نہیں اٹھا سکے گا۔ وہ اس سے فائل کی واپسی کا مطالبہ کریں گے اور اسے جھکنا پڑے گا۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا ''ہوسکتا ہے کہ وہ گجرات اور کاٹھیاواڑ کے ساحلوں سے مشرق وسطیٰ کی طرف انسانی اسمگلنگ کرنے والا کوئی گروہ بند ہو جو سوبھراج سے اپنی دوستی نبھانے کے لیے یہاں آیا ہوا ہو۔''

''وہ جو بھی رہا ہو' یہ خوشی کی بات ہے کہ اس کا قصہ تمام ہوگیا۔ آج سوبھراج کی نیت کھل کر سامنے آگئی۔ وہ اب بھی تمہارے پیچھے لگا ہوا ہے۔'' اول خان بولا ''آج اگر ہمارا ہوم ورک ذرا بھی کمزور ہوتا تو سوبھراج اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکتا تھا۔''

''مجھے اس بات کی خلش ہے کہ آج اس سے سامنا نہیں ہوا۔''

''اس کی کوئی بات قابلِ اعتبار نہیں ہے وہ ہر صورت سے تمہیں گھیر گھار کر یہاں بلانا چاہ رہا تھا اور وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوگیا۔ اپنی آمد کے بارے میں اس نے تمہیں شروع سے تذبذب اور بے یقینی میں مبتلا کیے رکھا۔''

''وہ جتنی شدت سے میرے پیچھے لگا ہوا ہے اس کی بنا پر میرے ذہن میں ایک نیا نظریہ جنم لے رہا ہے۔ آج کے واقعات اس نظریے کی تائید کررہے ہیں۔''

''کیا کوئی نئی بات ذہن میں آئی ہے؟'' اول خان نے پراشتیاق لہجے میں پوچھا۔

''مجھے جلال کی باتوں میں وزن نظر آرہا ہے۔'' میں نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دے کر کہا ''شروع سے اسے شبہ ہے کہ گرین کو براراج محل کی آتش زنی میں جل کر راکھ ہوچکی ہے۔ سوبھراج نے اپنی پوزیشن بہتر بنانے کے لیے فائل محفوظ ہونے کا شوشا چھوڑا ہے۔''

''پہلے تم جلال سے اختلاف کررہے تھے۔ اس تبدیلی کا کوئی نہ کوئی سبب تو ہوگا!''

''وہ امریکیوں کو اپنی وفاداری کا یقین دلا کر ان سے معافی حاصل کرنا چاہتا ہے۔'' میں نے پُرخیال لہجے میں جواب دیا ''اس کے لیے گرین کو برا کافی ہے۔ امریکی اس خطے میں چین اور بھارت کے ماسٹر پلان جاننے کے لیے کوئی بھی قیمت ادا کرسکتے ہیں۔ فائل کے مقابلے میں سوبھراج کی معافی کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ یہ بات یوں ہی ہوتی تو اب تک طے ہوچکی ہوتی۔ سوبھراج نے بلاوجہ واشنگٹن کی منظوری کا ڈھکوسلا کھڑا کیا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ ہم اس کے دعوے کی تصدیق یا تردید حاصل کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔''

''میری بات کا برا نہ منانا۔'' اول خان نے نرمی سے کہا ''تمہاری اس تھیوری میں کئی خامیاں ہیں۔ اول تو یہ تمہاری رائے ہے۔ تم نے اس کے حق میں کوئی دلیل نہیں دی.....''

''دلیل بھی سن لو!'' میں نے اس کی بات وہیں کاٹ دی ''مجھ تک رسائی کی کوششوں میں حریفوں کے بہت سے اہم مہرے اپنی جانوں سے ہاتھ دھو چکے ہیں۔ نام کا تازہ ترین واقعہ اس کی بدترین مثال تھا۔ سوبھراج یہ باتیں جانتا ہے اس لیے خود الگ تھلگ رہ کر مجھے گھیرنے کی کوششیں کررہا ہے۔ وہ اپنے پیسے کے بل پر آدمی لڑانے کا عادی ہے۔ آج بھی اس نے ایک ایسی کوشش کرکے منہ کی کھائی ہے۔ اس کے پاس وہ فائل ہوتی تو وہ بھاری کشت وخون کا خطرہ مول لیے بغیر اسی کے ذریعے اپنی راہ سیدھی کرنے کی کوشش کرتا۔ وہ اس متبادل راستے سے محروم ہے اس لیے اپنے سر دھڑ کی بازی لگا کر مجھے پکڑنے یا مارنے کی کوششیں کررہا ہے۔''

''تمہاری یہ بات درست ثابت ہوئی تو تمہیں گہرا قلق ہوگا۔''

''قلق کس بات کا ہوگا!'' میں نے نیم دلی سے کہا ''لڑائی میں حقائق ہر لمحے بدلتے رہتے ہیں۔ سچائی آخر میں سامنے آتی ہے۔''

''پارک ٹاورز میں وہ تمہیں گرین کو برا کا فریب دے کر بھاگنے میں کامیاب ہوا تھا'' اول خان نے مجھے یاد دلایا ''اس وقت تم اس نتیجے پر پہنچ چکے ہوتے تو سوبھراج کا قصہ وہیں ختم ہوجاتا۔ اتنی بھاگ دوڑ کی نوبت نہ آتی۔''

''یہ ہوتا رہتا ہے۔ میں نے جان بوجھ کر اسے نہیں چھوڑا تھا۔ ابھی بھی یہ سب ہمارے خیالات ہیں' حقیقت سوبھراج اپنی زبان سے اگلے گا کہ فائل آگ کی نذر ہوگئی تھی یا واقعی اس کی تحویل میں ہے۔''

''دوسری بات یہ ہے کہ چین کی حد تک تمہاری بات درست ہے۔ گہری دوستی نہ ہونے کی وجہ سے امریکا چینی عزائم سے بے خبر ہے اور ان کے ہر راز کا سب سے بڑا خریدار ثابت ہوسکتا ہے مگر بھارت سے اس کی گہری دوستی

Downloaded from https://paksociety.com

ہے۔ خطے میں دونوں کی ملی بھگت چل رہی ہے۔ اس کے لیے اس فائل کی کیا اہمیت ہوسکتی ہے!''

''بھارت بہت بڑا جمہوری ملک ہے۔ وہ اپنے خفیہ قومی منصوبے کبھی دوست کو بھی نہیں سونپ سکتے۔ امریکا وہ جانتا ہے جو سامنے ہے۔ طویل مدت کے بھارتی منصوبے ایک راز ہیں۔ وہ فائل ان رازوں کی نقاب کشائی کرتی ہے۔'' میں نے تفصیل سے بتایا ''اگر وہ فائل جل چکی ہے تو اس کی نقلیں بھی اسی قدر اہمیت رکھتی ہیں۔ اب مجھے اندازہ ہورہا ہے کہ سوبھراج کے پاس اصل ہے اور نہ اس کی نقل۔ اس نے مجھے اپنے اعتماد میں لینے کے لیے وہ کہانی سنائی تھی۔ اس کی ساری جستجو مجھے زیر کرنے کے لیے ہے۔''

''آج ہونے والا بھاری جانی نقصان اس کے ہوش اڑا دے گا۔''

''اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ میں آسانی سے ہتھیار نہیں ڈالوں گا۔'' میں نے کہا ''اسی وجہ سے اس نے بیک وقت سات آدمیوں کا لشکر بھیجا تھا۔ یہ ان کے مقدر کی خرابی تھی کہ ان کی موجودگی میں جلال کے تین آدمی پہاڑی کی چوٹی پر پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔''

''ساتوں میں سے کوئی بھی وہاں سے نہیں نکل سکا ہوگا۔ سب زخمی یا مردہ حالت میں وہاں پڑے ہوئے ہوں گے۔ آئی بی والوں کو خراش تک نہیں آئی ہوگی۔''

''یہ تفصیل جلال سے معلوم ہوگی۔ آج کا سہرا اسی کے سر ہے۔''

''اس میں شک نہیں کہ ان لوگوں نے بروقت فائر کھول کر تمہارے دشمنوں کے قدم اکھاڑ دیے لیکن پہل تم نے کی تھی۔ تم نے پہلے سے کہنی مار کر مجھے ہوشیار نہ کردیا ہوتا تو میں تمہاری چیخ سن کر گھبرا جاتا میں نے وہ اشارہ پاتے ہی اس پر حملہ کردیا۔''

''میں حیران ہوں کہ دونوں انفراریڈ دوربینوں کو دھوکا دینے میں کیسے کامیاب ہوگئی۔''

''وہ سب کرائے کے جنگجو تھے۔ انہیں پہاڑی پر جمے ہوئے لوگوں کے بارے میں کچھ پتا نہیں تھا۔ وہ اتفاق سے پہاڑی کی جڑ میں چلے گئے ہوں گے۔ ڈھلان اور چٹانوں کی وجہ سے وہ دونوں اوپر والوں کی نظروں سے اوجھل ہوگئے۔''

''میں حیران ہوں کہ سوبھراج کو پیسے کے بل پر ایسے لوگ کہاں سے مل جاتے ہیں جو چند سکوں کے حصول کے لیے اپنی جانوں پر کھیل جاتے ہیں!''

''شیر دل کی مثال تمہارے سامنے ہے۔ بعد میں تم نے اسے اپنے مقصد کے لیے استعمال کرلیا لیکن اس نے نک کو مارنے کی پہلی کوشش سوبھراج کے ایما پر کی تھی۔ یہ دور بہت برا آگیا ہے۔ لوگوں نے پیسے کو اپنی ذات بنالیا ہے۔ اس کے حاصل کرنے کے لیے وہ عزت، شہرت اور جان تک داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ میں اپنے شکار کو کے مار مار کر ختم کرنا چاہ رہا تھا۔ ایسے لوگ سسک سسک کر مریں تو انہیں اندازہ ہو کہ زندگی کتنی بڑی نعمت ہے۔ تم نے غصے میں اس کی کھوپڑی اڑا کر میرے ساتھ ظلم کیا۔ آج میرا اسکور پھر صفر رہ گیا ہے۔''

''یہ سب دل کو سمجھانے والی باتیں ہیں۔ ہم دونوں کا کوئی اسکور نہیں ہے۔ آج کا پورا آپریشن آئی بی والوں کے کھاتے میں درج کیا جائے گا۔''

''وہ چوروں اور اسمگلروں کی ٹولی کو ٹھکانے لگانے پر ہر اعزاز کے مستحق ہیں۔ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ ان ساتوں میں کوئی نام نہاد شریف آدمی بھی شامل نہیں ہوگا۔ ایسے بدخصلت لوگوں کی سرکوبی آئی بی کے دائرہ کار میں نہیں آتی۔ سوبھراج کی وجہ سے جلال کو آج کے قضیے میں ہاتھ ڈالنا پڑا۔ خوشی کی بات ہے کہ وہ سرخرو رہا۔''

اس دوران میں اپریٹس میری گود میں پڑا رہا۔ کچھ دیر تک اس پر پیغامات کے بھرپور تبادلے کی آوازیں آتی رہیں۔ شاید وہ لوگ اپنے حریفوں کے گرد سمٹنے کی کوشش کررہے تھے۔ پھر انسانی آوازوں کا سلسلہ موقوف ہوگیا۔ شاید وہ پہاڑی سے اتر کر نیچے آچکے تھے۔ میں نے ریڈیائی لہروں کے بے معنی شور سے اکتا کر اپریٹس بند کردیا۔

کارروائی کے اس مرحلے پر جلال کو چھیڑنا مناسب نہیں تھا۔

تھوڑی دیر بعد ہم روشنیوں کی حدود میں داخل ہوئے تو مجھے اول خان کے چہرے پر ایک دو ضربات نظر آئیں۔ اس کے دونوں ہاتھوں پر سوکھے ہوئے خون کے نشان بھی نمایاں تھے۔ میں نے کسی چیز کی نشان دہی نہیں کی اور سفر خاموشی کے ساتھ جاری رہا۔

ہم گھر پہنچے تو وہاں سب لوگ بے چینی سے ہماری واپسی کا انتظار کررہے تھے۔

اول خان ہاتھ منہ دھو کر تازہ دم ہونے کے لیے سیدھا سلطان شاہ کے باتھ روم کی طرف چلا گیا۔ ان تینوں نے مجھے گھیر لیا۔

کچھ تفصیلات کے ساتھ تازہ ترین واقعات سن کر غزالہ نے سب سے پہلے اللہ کا شکر ادا کیا کہ ہم دونوں ایک جان لیوا صورت حال سے دو چار ہونے کے بعد کامیابی سے زندہ

Downloaded from https://paksociety.com

وسلامت لوٹ آئے تھے۔ سلطان شاہ کو بھی یہ جان کر خوشی ہوئی کہ وہ لوگ تعداد میں سات ہونے کے باوجود ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے تھے۔ ان دونوں کے برعکس ویرا نے کسی خاص ردِعمل کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اس کے تیوروں سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے اس کے لیے ان واقعات کی زیادہ اہمیت نہ ہو۔

''تم ان دونوں کی واپسی سے کچھ ناخوش نظر آ رہی ہو۔'' سلطان شاہ نے اسے ٹوکا۔

''تمہیں عینک کی ضرورت ہے۔ تمہاری بینائی خراب ہو رہی ہے۔'' ویرا کے پاس دندان شکن جواب تیار تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا جیسے اس نے سلطان شاہ کے ساتھ میانہ روی ترک کر کے دوبارہ جارحانہ انداز اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اسی لمحے ویرا کو احساس ہو گیا کہ وہ اسے سخت جواب دے بیٹھی ہے۔ اس نے کسی کے منہ کھولنے سے پہلے جلدی سے کہا ''میرا مطلب ہے کہ تمہارا اندازہ غلط ہے۔ میرے حساب سے سوبھراج کو خود وہاں آنا چاہیے تھا۔ میں سوچ رہی ہوں کہ ڈینی سے کہاں غلطی ہوئی تھی۔''

''ڈینی سر کے بل کھڑا ہو جاتا تب بھی وہ بزدل وہاں نہ آتا۔'' اول خان نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے جواب دیا ''اس وقت سوبھراج کا صرف ایک مقصد نظر آ رہا ہے کہ وہ کسی بھی طرح ڈینی کو زیر کر لے۔ وہ خود مقابلے پر آنے سے گھبرا رہا ہے۔ سارا کام بھاڑے کے ٹٹوؤں سے نکالنا چاہ رہا ہے اور آج اس کوشش میں ناکام ہوا ہے۔''

''حیرت ہے کہ وہ سات تھے اور تم دونوں کو زیر نہیں کر سکے۔'' ویرا کی نکتہ چینی جاری رہی۔

''تم وہاں موجود ہوتیں تو یہ سوال نہ کرتیں۔ ان کے تین آدمی سامنے آئے تھے۔ چار افراد اپنی کمین گاہ میں دبکے ہوئے تھے۔ ضرورت پڑنے پر وہ بھی سامنے آتے لیکن واقعات اتنی تیزی سے رونما ہوئے کہ ان کی مداخلت کی نوبت آنے سے پہلے ان پر آگ برسنے لگی۔'' میں نے بتایا۔

''یعنی اب سوبھراج کھل کر تمہارے سامنے آ گیا ہے!'' ویرا نے مجھے سے تصدیق چاہی۔

''آج کے واقعات کے بعد کسی آڑ موڑ کی گنجائش نہیں رہی۔''

''یہ برا ہوا۔'' ویرا سوچتے ہوئے بولی ''اب اس سے تمہارا رابطہ ٹوٹ جائے گا اور کچھ پتا نہیں چل سکے گا، وہ کس سمت میں سوچ رہا ہے۔''

''کھلی دشمنی میں یہی ہوتا ہے۔ حریف ایک دوسرے کو بتا کر وار نہیں کرتے۔'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا ''اب سوبھراج اس صف میں آ گیا ہے۔''

''اسے فون کر کے دیکھو کہ اب وہ کیا کہتا ہے۔'' ویرا نے مشورہ دیا۔

''اس کے آدمی بدترین شکست سے دو چار ہوئے ہیں۔'' میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

''میں نے اپنے ہاتھ سے دو آدمیوں کو مارا ہے مگر مجھے یہ پتا نہیں کہ سات میں سے کتنے زندہ بچے ہیں۔ آج کی رات گزر جانے دو کل روانگی سے پہلے اسے چھیڑوں گا۔ اس وقت تک اسے اپنے بھیجے ہوئے آدمیوں کے انجام کا علم ہو چکا ہوگا۔''

''میں نے ٹکٹ دیکھے ہیں۔ ہماری سمتیں مختلف ہیں مگر دونوں پروازوں کی روانگی میں صرف آدھے گھنٹے کا فرق ہے۔ تم گیارہ بجے اور میں ساڑھے گیارہ بجے روانہ ہو جاؤں گی۔''

''میں اس سے بہت پہلے سوبھراج سے بات کر لوں گا۔'' میں نے اسے یقین دلایا ''میں تمہارے مشورے سے پہلے یہ فیصلہ کر چکا تھا۔''

ہمارے ساتھ پیش آنے والے واقعات بہت سنگین نوعیت کے تھے وہ تینوں اس بارے میں بہت کچھ جاننا چاہ رہے تھے لیکن ہم خود پوری تفصیلات سے باخبر نہیں تھے۔ اس تصادم میں میری اور اول خان کی حیثیت مہمان اداکاروں جیسی رہی تھی۔ ہم سجے سجائے محاذ پر پہنچے، دشمن نے للکارا تو ہم نے اپنے جوہر دکھائے اور واپس لوٹ آئے۔ اس سے آگے کی تفصیلات جلال سے معلوم ہو سکتی تھیں۔

اگلی صبح ہماری روانگی کے پیش نظر مجھے قوی امید تھی کہ وہ ان ساتوں کے معاملے کو تیزی سے نمٹا کر کسی بھی وقت ہم سے ملنے کے لیے ضرور آئے گا۔ دو بجے میرے اندازے کی تصدیق ہو گئی۔ ڈور بیل بجی اور پھر وہ ابرار کے ساتھ گھر میں آ گیا۔

اس وقت تک ہم سب ان واقعات پر مغز زنی کر رہے تھے۔ اول خان اپنے گھر فون کرنے کے بعد جم کر وہی بیٹھ گیا تھا۔ وہ ہماری روانگی سے قبل وہ رات ہمارے ساتھ گزارنا چاہتا تھا۔ دوسری طرف اسے جلال کی آمد کا انتظار تھا۔

وہ آتے ہی باری باری ہم دونوں سے بغل گیر ہوا اور پھر خاص طور پر ویرا کی طرف متوجہ ہو کر بولا ''آج ساری تیاریوں کے باوجود میں یکا یک بے بس ہو گیا تھا۔ بدمعاشوں پر فائر کیا جاتا تو گولی بہک کر ان کو ہلاک یا زخمی کر سکتی تھی مگر

Downloaded From https://paksociety.com

ان دونوں نے زبردست بہادری دکھائی اور چشم زدن میں وہاں کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔''

''جس طرح تمہارے آدمی بعد میں لڑائی میں شامل ہوگئے تھے اسی طرح میں نے بھی ڈینی کی تقلید کی تھی۔'' اول خان نے وہ وضاحت ضروری سمجھی۔ ''اصل کارستانی ڈینی کی تھی۔ اس کی کہنی لگتے ہی میں تیار ہوگیا کہ بس اب کچھ ہونے والا ہے اور وہ ہوگیا۔''

''ان میں سے چار مرے ہیں۔ تین زخمی حالت میں پکڑے گئے ہیں۔ وہ سب سورت کے وجے نامی بدمعاش کے لیے کام کر رہے تھے۔ تینوں میں سے کوئی سوبھراج کو نہیں جانتا۔'' جلال نے مزید انکشاف کیا۔

''سورت!'' ویرا نے حیرت سے دہرایا ''یہ تو شاید کوئی بھارتی شہر ہے!''

''ہاں! ایک شخص کی اکھڑی اکھڑی اردو اور ناک نقشے سے مجھے شبہ ہوا تھا کہ وہ مقامی نہیں ہے۔'' میں نے ویرا کی تائید کرتے ہوئے کہا ''اب جلال اس کی تائید کر رہا ہے۔''

''وجے کیا کہتا ہے؟'' اول خان نے تجسس کے ساتھ سوال کیا۔

''وہ کچھ کہنے سننے کی پوزیشن میں نہیں رہا۔'' جلال نے متاسفانہ لہجے میں بتایا ''جیسے ہی وہ بھاگتا ہوا تمہاری گاڑی سے دور نکلا، میرے ایک نشانچی نے اسے تاک کر ڈھیر کر دیا۔ پکڑے جانے والوں میں دو اس کے ساتھی ہیں۔ وہ بھی بھارتی شہری ہیں۔''

''سورت کے بدمعاش کراچی میں کیا کر رہے تھے!'' ویرا نے حیرت سے کہا۔

''یہ وجے اور سوبھراج کا گٹھ جوڑ تھا۔'' جلال نے بتانا شروع کیا ''ان تین بھارتیوں سمیت چاروں پاکستانی بھی ماہی گیری کرتے ہیں۔ اس آڑ میں یہ سب سادہ لوح لوگوں کو بھاری رقموں کے عوض خلیج کے دہانے پر واقع ریاستوں میں اسمگل کرتے ہیں۔ وجے ایک بڑے فشنگ ٹرالر کا مالک تھا۔ وہ سال کے زیادہ حصے میں گہرے سمندر میں رہتا تھا۔ اس کے کارندے ماہی گیری کی چھوٹی لانچوں میں چوری چھپے لوگوں کو وجے کے ٹرالر پر پہنچاتے ہیں۔ یہ دھندا کاٹھیاواڑ سے گوادر تک کی ساحلی پٹی پر ہوتا ہے۔ ہمارے بعض ماہی گیر بھی وجے کے لیے یہ کام کرتے ہیں۔ ٹرالر پر پہنچائے جانے والے بے یقینی کے عالم میں جانوروں کی طرح اپنے دن گزارتے ہیں۔ بیماروں کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا۔ مرنے والوں کی لاشوں کو بے رحمی سے سمندر میں پھینک دیا جاتا ہے۔ جب ٹرالر پر کھیپ پوری ہوجاتی ہے تو وجے اپنا رخ خلیج کی طرف موڑ لیتا تھا۔ وہاں اس کا ٹرالر گہرے سمندر میں بظاہر ماہی گیری کرتا رہتا تھا۔ اس دوران میں اس کے عرب ایجنٹ اپنی لانچوں کے ذریعے ان لوگوں کو چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں اومان کے کسی ویران ساحل تک پہنچا دیتے تھے۔''

''یہ وجے کی کہانی ہوئی، وہ سوبھراج سے کیسے مل بیٹھا؟'' ویرا نے پوچھا۔

''اس بارے میں کوئی کچھ نہیں بتا سکا۔ قاسم فشریز، روزگار انٹرنیشنل اور کارگو کنگ کے واقعات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان دونوں کے پرانے مراسم تھے۔ ہوسکتا ہے کہ وجے مقامیوں سے لین دین کے معاملات نمٹانے کے لیے یہاں آیا ہوا ہو اور سوبھراج نے اسے اپنے کام میں انگا لیا ہو۔ یہ سب ابتدائی معلومات ہیں۔ تفتیش ہوگی تو بہت کچھ سامنے آسکتا ہے۔ میں تم لوگوں کی روانگی کے پروگرام کی وجہ سے سب کچھ ادھورا چھوڑ کر ادھر چلا آیا تھا کہ تم کو بریف کرسکوں!''

''کس سلسلے میں؟'' بریفنگ کا ذکر آتے ہی میرے کان کھڑے ہوگئے۔

جلال نے اول خان پر ایک نظر ڈالی پھر اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک پھولا ہوا لفافہ نکال کر میری طرف بڑھایا ''یہ تم لوگوں کی سفری ضروریات کے لیے ایک چھوٹا سا نذرانہ ہے۔ اس میں چالیس ہزار ڈالر کے ٹریولرز چیک ہیں۔ انہیں آپس میں بانٹ کر پشت پر دستخط کرلینا تاکہ ان کے

پیمانہ صبر

چڑیا گھر میں ایک خاتون نے چڑیا گھر کے ایک ایسے ملازم کو روک لیا جو دیکھ بھال کے لیے اِدھر اُدھر گھوم رہا تھا۔ انہوں نے جانوروں کے بارے میں سوالات کر کر کے ملازم کا ناک میں دم کر دیا۔

آخر میں وہ دریائی گھوڑے کے پنجرے کے سامنے کھڑی ہوگئیں اور اس کے بارے میں بھی کئی سوالات کرنے کے بعد بولیں ''اچھا..... یہ نر ہے یا مادہ.....؟''

ان کے سوالات سے ملازم کا پیمانہ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا ''اس سے کیا فرق پڑتا ہے محترمہ؟ فرق تو صرف اس صورت میں پڑ سکتا تھا کہ آپ خود دریائی گھوڑا..... یا پھر اس کی مادہ ہوتیں!''

Downloaded from https://paksociety.com

کھونے کی صورت میں کلیم کیا جاسکے۔''

میں نے لفافہ تھام کر کہا ''ہمیں اس کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ بڑی رقم ہے۔ کہاں سے دے رہے ہو؟''

''میں خود تنخواہ دار سرکاری ملازم ہوں۔ اپنی جیب سے نہیں دے سکتا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا ''یہ رقم اسی مد میں سے آئی ہے جس سے ٹکٹ بنوائے گئے ہیں۔'' اول خان کی موجودگی کی وجہ سے اس نے سیکرٹ فنڈ کا ذکر گول کردیا۔

''ایسا تو نہیں کہ یہ ہمارے کام کا پیشگی معاوضہ ہو؟'' میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''چاہو تو یہ بھی سمجھ سکتے ہو۔'' اس نے بلاپس وپیش جواب دیا ''تم نے پہلے بہت سے کام کیے ہیں اور اب گرین کو برا فائل کی تلاش میں ہو، وجے کا معاملہ سامنے آنے کے بعد مجھے یقین ہوچلا ہے کہ چھوٹا راجن اور سوبھراج میں بھی مفاہمت چل رہی ہے۔''

''اب اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہنا چاہیے۔'' میں نے کہا ''قاسم بتاچکا ہے کہ یہاں سے جانے والی ہیروئن چھوٹا راجن کے ذریعے ہی بیچی جاتی تھی اور سوبھراج اسی سے اپنا حساب کتاب کرتا تھا۔''

''بس یہی تمہاری بریفنگ ہے۔ تم جانتے ہو کہ ان لوگوں سے کیسے نمٹا جاسکتا ہے۔''

''میں مشرق کی طرف جارہا ہوں۔ ویرا اور سلطان شاہ کا رخ مغرب کی طرف ہوگا۔ یہ دونوں سیر وتفریح کے سوا کیا کریں گے۔ انہیں نذرانہ مل رہا ہے تو کام بھی ملنا چاہیے!''

''تمہاری طرح ویرا بھی بہت سمجھ دار ہے۔ اگر اس کے اور سلطان شاہ کے درمیان مفاہمت کی فضا رہی تو یہ دونوں وہاں سے واپسی پر خالی ہاتھ نہیں آئیں گے۔ بس یہ خیال رکھنا کہ اس سرزمین پر تم سے کوئی چوک ہوگئی تو پھر نجات کی راہ نہیں مل سکے گی۔ کوئی کام ہو یا نہ ہو، اپنی زندگیوں کو ہرگز داؤ پر نہ لگانا۔'' آخری فقرے اس نے ویرا سے مخاطب ہوکر کہے تھے۔

''کام ہو یا نہ ہو، سرکاری وظیفہ مل گیا ہے۔'' ویرا نے شوخی سے کہا ''اپنی جان ہر ایک کو پیاری ہوتی ہے۔ کوئی اسے بلاوجہ داؤ پر نہیں لگاتا۔ تم مجھے ان لوگوں کے فون نمبر دے دو جو امریکا میں تمہارے لیے کام کرتے ہیں تاکہ کسی ضرورت کے وقت میں ان سے رابطہ کرسکوں۔''

''فی الحال یہ ممکن نہیں ہے!'' جلال نے کہا۔

اس کا جواب سن کر ویرا کا چہرہ اتر گیا اور وہ بولی ''تم نے ڈینی کو اپنے بنکاک بیورو والے کا نمبر دے دیا ہے تو میرے لیے یہ سہولت کیوں نہیں ہے؟''

''اوہو! تم ہر بات کو پل بھر میں ذاتی سطح پر لے جاتی ہو۔'' جلال نے ہنس کر جواب دیا ''تمہارے بجائے ڈینی امریکا جارہا ہوتا تو اسے بھی میرا یہی جواب ہوتا۔ اس وقت امریکا اور یورپ کے بعض اہم ملکوں میں ہمارے آدمی کسی خاص مشن میں مصروف ہیں۔ ہم خود بھی کسی ناگزیر ضرورت کے تحت ان سے رابطہ کرتے ہیں۔''

جلال کا جواب سن کر اول خان کی آنکھوں میں یکا یک چمک سی لہرا گئی جیسے وہ جلال کی بات کی تہ تک پہنچ گیا ہو مگر ویرا مطمئن نہیں ہوسکی۔

''تم بھی ان سے رابطہ کرنے سے گریز کررہے ہو تو وہ کس کے لیے کام کررہے ہیں؟''

''میں اس تفصیل پر روشنی نہیں ڈال سکتا۔'' جلال نے معذرت کی ''تمہارے اس سوال کا جواب ریاستی رازوں کے تحفظ کے قانون کے دائرے میں آتا ہے۔ تم فکر نہ کرو۔ جوں ہی حالات نے اجازت دی تمہیں سب کچھ بتادیا جائے گا۔''

''یہ تمہارے مسائل ہیں!'' ویرا نے شانے اچکا کر بے پروائی سے کہا ''ان کے بارے میں تم بہتر فیصلے کرسکتے ہو۔ میں امریکا میں اپنے وسائل سے بھی بہت کچھ کرسکتی ہوں۔''

ویرا اس وقت اچھے موڈ میں تھی۔ وہ بات کسی بدمزگی کے بغیر ٹل گئی۔

جلال کو زندہ پکڑے جانے والوں سے باز پرس کی زیادہ فکر تھی۔ وہ اس اہم کام کو ذاتی طور پر انجام دینا چاہتا تھا۔ ویرا نے ..... میں ہمارے ساتھ اچانک رونما ہونے والی خطرناک صورت حال پر ذاتی معذرت کرنے کے لیے وہ لاشوں اور قیدیوں کو اپنے آدمیوں کے سپرد کرکے ہماری طرف دوڑا چلا آیا تھا۔ اس کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ چند منٹ بعد وہ انتہائی پرتپاک انداز میں ہم چاروں کو الوداع کہہ کر رخصت ہوگیا۔ اس کے انداز سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ اپنی مصروفیات کی بنا پر ہماری روانگی کے وقت ائرپورٹ پر نہیں آسکے گا۔

میں نے بھی اس بارے میں کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔ مجھے امید تھی کہ ہماری پاکستان سے روانگی میں کوئی رکاوٹ پیش آئی تو اول خان ہماری مدد کے لیے وہاں موجود ہوگا۔ ایک بار اپنے وطن کی زمین چھوڑ دینے کے بعد ہمیں درپیش فوری خطرات میں نمایاں کمی آسکتی تھی۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

Downloaded from https://paksociety.com

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لا ہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی دیا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آنکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دشمن کے کچے جال بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے آپشنل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی وینا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ وینا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ نو نامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی منصوبوں تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے باہمی ہونے والے خفیہ معاہدے کے بے نقاب ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں مستوجب سزا ٹھہرا۔ اپنے محسن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں راسرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کو برا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ موجودہ حکومت کا ایک اہم وزیر تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سٹیل کے ذریعے سوہراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوہراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اس موقع پر اس نے ملک سے فرار کی راہ اختیار کی۔ اس دوران سوہراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈو نکلے۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ کسی اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ میں نے سوہراج کے سیکریٹری سٹیل کی خوبرو بیوی کے ملاقات کی وہ خاصی کھلی کھلی عورت تھی نورانی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوہراج کو سٹیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اسی دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوہراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اسی دوران سوہراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہو گا۔ ویرا کے لیے یہ خبر سخت اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوہراج اپنی دشمنی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمیٰ اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوہراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہو گئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اسی وقت سٹیل کی خوب روبیوی نے فون کر کے بتایا کہ سٹیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سے سوہراج کا پتا معلوم ہو گیا۔ آئی پی اے وہاں چھاپا مار مگر سوہراج اپنی ذہانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وار دہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران آپشنل فورس کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری گیری ہارٹ نے قبول کر لی۔ دوسری طرف سوہراج نے بتایا کہ ویرا کے دو ایجنٹ کراچی آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ سوہراج نے بتایا تھا کہ شاید وہ اس کے مشورے کے مطابق کلفٹن کے علاقے میں تھے۔ ہم ریڈیائی لہروں کے ذریعے سراغ لگانے والی آپشنل گاڑیوں کے ذریعے ان کا سراغ لگانے اس علاقے میں پہنچ گئے۔ خوش قسمتی سے ان میں سے چار ان ایک جاں گسل معرکے کے بعد میرے ہاتھ آ گیا۔ اس سے تفتیش آئی پی اے کی ذمے داری تھی۔ اسی دوران سوہراج کا سامنا ویرا سے ہو گیا۔ وہ ویرا کو نہیں دیکھ سکا مگر ویرا نے اسے پکڑنے کی کوشش میں اس کی گاڑی تباہ کر ڈالی اور اسے وہ کار سمیت پکڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے رابطہ کیا اور فرمائش کی کہ میں اس کے دوست کی کار اس کے گھر تک پہنچا دوں۔ میں رضامند ہو گیا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔ میں گاڑی پہنچانے اس کے دوست کے گھر پہنچا تو وہاں خود سوہراج سے ملاقات ہو گئی۔ میں اس سے ڈبل کاروکر سکتا ہوں، اندازہ لگایا کہ میں اپنی وفاداریاں تبدیل کر سکتا ہوں تو وہ میرے ساتھ میرے ہی شکار پر ذوانہ ہو گیا تاہم راستے میں شاید اسے کچھ عقل آ گئی اور وہ ہم پر فائرنگ کرتا ہوا فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے دوست کو بھی قتل کر دیا۔ اس دوران را کے دوسرے ایجنٹ کا کچھ پتا نہیں چل سکا تھا۔ ہمیں توقع تھی کہ اکیلا ہونے کے باعث وہ کوئی کارروائی نہیں کر سکے گا مگر ہمارا یہ اندازہ غلط نکلا اور ایک اہم شخصیت پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ جائے واردات سے امریکن رائفل کی بازیابی ظاہر کر رہی تھی کہ را کے ایجنٹ نے امریکیوں سے مدد طلب کر لی تھی۔ دوسری طرف چند نامعلوم افراد جہانگیر کو اس کے گھر سے اغوا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ میرا خیال تھا کہ یہ مذموم حرکت سوہراج نے کرائی ہو گی۔ اسی دوران نام نے مجھ سے رابطہ کیا اور میں نے اسے امریکی رائفل کے حوالے سے کھری کھری سنا دیں۔ اس کے بعد اس نے مجھے پراسرار انداز میں بلایا اور دوران ملاقات مجھے بتایا کہ اس کے ایک ایجنٹ نے مجھے شناخت کر لیا تھا۔ وہ ایجنٹ الفا تھا جو مجھے مارنے کے لیے رائفل سے لیس اپنی کمین گاہ میں چھپا ہوا تھا۔ میں تن بہ تقدیر اس کی گاڑی سے اتر آیا جب ہی ایک فائر ہوا اور الفا آئی بھی والوں کا نشانہ بن گیا۔ اسی وقت اول خان نے بتایا کہ جہانگیر کے اغوا میں ملوث بدمعاش کا سراغ مل گیا تھا۔ وہ جہاں تھا وہیں جلال کے آدمی بھی منڈلا رہے تھے یہ ایک خطرناک صورت حال تھی۔ میں نے جلال کو اس کے بارے میں آگاہ کیا اور ایس ٹی ایف کے ہمراہ قاسم کلفٹن پہنچ گیا۔ وہاں جہانگیر تو نہیں ملا البتہ سوہراج کا ایک گرگا ہمارے ہاتھ لگ گیا۔ کچھ دیر بعد شریز کا مالک بھی وہیں تھا۔ اس نے بتایا کہ جہانگیر اس کے گھر میں قید تھا۔ ہم نے زور طور پر جہانگیر کو بازیاب کرا لیا۔ اب بازی سوہراج کے ہاتھ سے نکلتی جا رہی تھی۔ میں نے اس سے رابطہ کیا تو اس نے بتایا کہ گرین کو رحامی فائل اس کی تحویل میں تھی۔ یہ سن کر میری آنکھ کے نیچے اندھیرا چھانے لگا۔ بعد میں جلال نے اس دعوے کی تصدیق کر دی۔ اس کے مطابق نذکورہ فائل سوہراج نے اپنے ایک دوست کے ذریعے حاصل کی تھی۔ سوہراج کا کہنا تھا کہ وہ گرین کو برا الپاس سلامتی کی ضمانت تھی۔ دوسری طرف امریکی بہت زیادہ پر پرزے نکال رہے تھے ان کا ایک سفارت کار کرنل داور کی تلاش میں آپشنل کے اوپر ہیلی کاپٹر میں چکر لگا رہا تھا۔ اب ان سے پیچھا چھڑانا ضروری تھا لہٰذا کرنل داور کی خودکشی کا ڈراما کھیلا گیا اور اس کی اطلاع مخالف کیمپ میں پہنچوا دی گئی۔ اس خبر نے امریکیوں میں جشن کا سماں پیدا کر دیا اور اس خوشی کو منانے کے لیے وہ سمندر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کو سبق سکھانے کا یہ سنہری موقع تھا۔ جس سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا۔ جلال نے اس مہم میں شرکت سے

Downloaded from https://paksociety.com

معذوری ظاہر کی تھی لہٰذا میں ایس ٹی ایف کے چند جانبازوں اور اپنی ٹیم کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوگیا۔ خوش قسمتی سے تھوڑی سی جدوجہد کے بعد ان کے کمانڈوز کے بعد دیگرے میرے ہاتھوں ناکارہ ہوتے چلے گئے اور بالآخر امام میرے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔ تین امریکی کمانڈوز اور امام کی ہلاکت نے مخالفین کا جوش وخروش ٹھنڈا کردیا۔ اسی وقت سوہنراج نے مجھ سے ملنے پر آمادگی ظاہر کردی۔ میں نے اس سے ملاقات کی میں اسے گھیرنا چاہتا تھا مگر وہ بہت عیار تھا۔ گرین کو برا نامی فائل کے باعث مجھے اسے واپس جانے کی اجازت دینا پڑی۔ سلطان شاہ اس کے پیچھے تھا مگر وہ اسے بھی جل دے کر فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ جمال نے مجھ سے کہا کہ مجھے چند روز کے لیے تھائی لینڈ کا رخ کرنا چاہیے۔ میں اس کی تجویز پر بات چیت کررہا تھا کہ میرے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ فون سوہنراج کا تھا۔ اس نے بلاتوقف مجھے برا بھلا کہنا شروع کردیا۔ اس کے خیال میں، میں نے اسے پھنسوانے کے لیے اپنے کارندے پارک ہاورز کے آس پاس پھیلا رکھے تھے۔ میں نے سختی سے اس کی تردید کی تو وہ تذبذب کا شکار ہوگیا۔ اس کے ساتھوں نے مجھے تجویز دی کہ یہ ملک میرے لیے ناخوش ہوگیا تھا لہٰذا مجھے یہاں سے باہر نکل جانا چاہیے تھا۔ اس نے پیش کش کی کہ وہ پاکستان سے باہر جانے میں میری مدد کرسکتا تھا۔ میں نے اس کی پیش کش قبول کرلی۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ مجھے ہر قیمت پر گھیرنا چاہتا تھا تاکہ امریکیوں سے اپنے بگڑے معاملات کو سیدھا کرسکے۔ اس نے مجھے ایک ویران مقام پر بلایا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ خود بھی وہاں ہوگا۔ اس کا منصوبہ شاندار تھا مگر جمال کی حکمت عملی کے باعث اسے ناکامی ہوئی۔ میں اس کے بلائے ہوئے مقام پر گیا مگر سوہنراج وہاں نہیں تھا البتہ اس کے گرگے مجھے گھیرنے کی پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے تاہم جمال کے باعث وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکے اور کئی افراد آئی بی کے نشانہ بازوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ اس اثنا میں امریکیوں نے نام کے قتل کی ذمے داری مجھ پر ڈالتے ہوئے قانونی مدد طلب کرلی تھی۔ میری گرفتاری کے وارنٹ جاری ہوگئے تھے۔ ان حالات میں میرا ملک سے نکل جانا ہی بہتر تھا لہٰذا میں نے اپنی تیاریاں مکمل کرلیں۔ میرا ارادہ تھائی لینڈ جانے کا تھا۔ جب کہ ویرا نے حیرت انگیز طور پر سلطان شاہ کے ساتھ امریکا کا رخت سفر باندھ لیا تھا۔

اب آپ قسط نمبر 243 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

''مبارک ہو!'' ایک قدرے طویل اور بوجھل سکوت کے بعد ویرا مجھ سے مخاطب ہوکر بولی'' اب ہم چاروں پاکستانی سیکرٹ ایجنٹ بن گئے ہیں۔''

''احمقانہ باتیں مت کرو!'' میں نے قدرے ترش لہجے میں کہا'' تم ننھی سی بچی نہیں ہو۔ ان کھیلوں کو خوب اچھی طرح جانتی ہو۔ ہم امن و عافیت کی راہ سے اچانک تلوار کی تیز دھار پر آگئے ہیں۔ تلوار اپنی جگہ سے ہل جائے یا ہم سے کوئی لغزش ہو دونوں صورتوں میں نتیجہ ایک ہی نکلے گا۔ ہم بے موت مارے جائیں گے۔''

''یہ ایسا خطرناک معاملہ ہے تو تمہیں جلال کی پیشکش قبول کرنے سے صاف انکار کردینا چاہیے تھا۔'' وہ میرے لہجے کی ترشی کی پروا کیے بغیر بولی'' وہ تمہارا گہرا دوست ہے۔ تم پر زبردستی کوئی ذمے داری نہیں تھوپے گا۔''

''اس نے اپنی دانست میں ہمارے ساتھ بہت بڑی بھلائی کی ہے۔ میں اس سے اس فیصلے کے منفی پہلوؤں پر بات نہیں کرسکتا تھا۔'' میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''تو پھر تمہیں اس فیصلے میں کیڑے کیوں نظر آرہے ہیں؟'' اس نے برجستہ سوال کرڈالا'' تم اس وقت الجھی ہوئی باتیں کررہے ہو۔''

''ڈینی کی باتوں میں کوئی ابہام نہیں ہے۔'' اول خان نے مضبوط لہجے میں میرا ساتھ دیا'' ایسے کاموں میں عارضی عملے کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ وہ کرائے کے ایجنٹ کے طور پر کام کرتے ہیں۔ جب تک حالات ساز گار رہتے ہیں سب انہیں اپنے سر کا تاج بنائے رہتے ہیں۔ ان پر کوئی برا وقت آتا ہے تو ان سے فیض اٹھانے والے بھی ان سے آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔ وہ دشمن کے چنگل میں بے یار و مددگار رہ جاتے ہیں انہیں اپنی لڑائی خود لڑنا پڑتی ہے۔''

اول خان میرے ذرا سے اشارے پر بات کی تہ تک پہنچ گیا تھا۔ حقیقت یہ تھی کہ وہی ایک بات میرے ذہن میں چبھ رہی تھی۔

ان دنوں میں نے اخبارات میں ایک بھارتی مسلمان کا دردناک احوال پڑھا تھا جو بارہ برس پہلے اپنے عزیزوں سے ملنے کے لیے پاکستان جانے کا خواہش مند تھا۔ شاید راکے کسی سورمانے اسے پہلے سے تاکا ہوا تھا۔ کافی پھیروں کے بعد جب وہ آخر کار اپنا ویزا حاصل کرکے پاکستانی سفارت خانے سے لوٹ رہا تھا تو راستے میں راکے آدمی نے اسے گھیر لیا۔

وہ شخص غریب طبقے سے تعلق رکھتا تھا۔ راوالے نے اسے بھاری زادراہ کے ساتھ آنے والے دنوں کے سہانے سپنے دکھائے تو وہ اس ترغیب کو نظر انداز نہیں کرسکا' آسانی کے ساتھ اس کے جال میں پھنس گیا۔

دو ہفتوں کی ہنگامی تربیت اور بریفنگ کے بعد اسے پاکستان روانگی کی اجازت مل گئی۔ وہاں وہ چشمہ نیوکلیر پاور پروجیکٹ کے قریب مشتبہ حالت میں گھومتا ہوا پکڑا گیا۔ اس کے کیمرے میں کئی حسّاس مقامات کی تصاویر موجود تھیں۔ وہ پاکستانی حکام کے عتاب کا نشانہ بن گیا۔

اپنی زندگی کے اس بدترین دور میں اسے راوالوں کی طرف سے مدد کی امید تھی لیکن کوئی اس کا پرسانِ حال نہیں تھا۔

وہ رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا اور غیر ملکی تخریب کار ثابت ہوچکا تھا۔ تفتیش اور مقدمے کے دوران وہ کئی برس تک مختلف پاکستانی جیلوں میں سڑتا رہا پھر اسے لمبی مدت کی قید

Downloaded from https://paksociety.com

با مشقت کی سزا سنادی گئی۔ بھارت سے کسی نے پلٹ کر اس کی خبر لی نہ اس کے مقدمے کی پیروی میں کوئی مدد فراہم کی گئی۔

وہ بارہ برس بعد رہا ہو کر بیماری اور کمزوری کی حالت میں اپنے وطن واپس پہنچا تو راوالوں نے سرے سے اسے پہچاننے سے انکار کر دیا' مہینوں اِدھر اُدھر دھکے کھانے کے بعد اس نے پارلیمنٹ کے سامنے دھرنا دینے کی کوشش کی تو پولیس والوں نے لاتیں مار کر اسے بھگا دیا۔

وہ راوالوں سے اس رقم کا طلب گار تھا جو اسے پاکستان سے واپسی پر غیر مشروط طور پر دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس نے محض اپنے وطن کی خاطر اپنی جوانی کے بارہ برس دشمن کی جیلوں میں گزارے تھے تو اسے باقی ماندہ زندگی نئے سرے سے شروع کرنے کے لیے وہ رقم طلب کرنے کا پورا اخلاقی اور قانونی حق حاصل تھا۔

نئی دہلی کے ایک مشہور وکیل نے اس بدنصیب کی کتھا سن کر اس کی طرف سے عدالت میں راے کے خلاف ہرجانے کا دعویٰ دائر کر دیا تھا جسے سماعت کے لیے منظور کر لیا گیا تھا۔

ویسے شاید کسی کو کانوں کان بھی اس شخص کی روداد ابتلا کا علم نہ ہوتا لیکن عدالت میں مقدمے کی سماعت کی منظوری ملتے ہی اس کی کہانی نے اخباری حلقوں کی توجہ حاصل کر لی اور یوں وہ خبر میری نظروں میں بھی آ گئی جو ریاستی مہم جوئی کے خوفناک حقائق کو بے نقاب کرتی تھی۔ کہنے کو کچھ بھی کہا جا سکتا تھا لیکن میری نگاہ حقائق پر مرکوز تھی۔

ہمارے لیے حالات سازگار نہیں رہے تھے۔ دشمن نے ہمارے ہاتھوں پے در پے اتنی مار کھائی تھی کہ اس وقت اپنی پوری توجہ ہماری سرکوبی پر مرکوز کر دی تھی۔ ان لوگوں کے دماغوں میں بجا طور پر یہ خیال جاگزیں ہو چکا تھا کہ بعض بارسوخ اور سرکردہ سرکاری اہل کار ہماری پشت پناہی کر رہے ہیں۔ وہ چوہوں کی طرح بلوں میں چھپے ہوئے اپنے حریفوں کو ڈھونڈ نکالنے کے دعوے دار تھے۔ یہ اور بات تھی کہ میرے اور ویرا کے بارے میں وہ ایک مدت سے ناکامیوں کی خاک چاٹ رہے تھے۔

حد یہ تھی کہ مقامی حالات کا فائدہ اٹھا کر انہوں نے کراچی کی پوری انتظامیہ کی سرگرمیوں کی انفرادی مانیٹرنگ شروع کی ہوئی تھی۔ وہ ان افراد اور قوتوں کا کھوج لگانا چاہتے تھے جو زبانی طور پر ہمارے بدترین دشمن بنے ہوئے تھے اور ہمیں ہر قیمت پر پکڑنے کے لیے کوشاں تھے لیکن عملی طور پر ہمارے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاتے تھے۔

وہ کوئی بے سروپا افواہ نہیں ایک مصدقہ خبر تھی۔ ان لوگوں کی پراسرار سرگرمیوں کی بنا پر اول خان جیسا جاں نثار دوست بھی ہماری بے مقصد تلاش میں اپنے آدمیوں کو شہر بھر میں ادھر سے ادھر دوڑانے پر مجبور ہو گیا تھا۔

ان حالات میں ہم شہر بلکہ ملک سے کوچ کرنے والے تھے۔ ہماری کوئی چیز اصلی نہیں تھی۔ ناموں اور شناخت ناموں سے لے کر ویزا تک ہر چیز جعلی تھی۔ ایک مرتبہ ہم اپنے وطن کی مٹی چھوڑ کر دور نکل جاتے تو یقینی طور پر بے امان ہو جاتے۔ جب تک تقدیر ہمارا ساتھ دیتی ہم آگے بڑھتے رہتے۔ کہیں بھی کوئی رکاوٹ پیش آنے کی صورت میں اپنی کھال بچانے کی ذمے داری ہماری اپنی ہوتی۔ پاکستان سے کوئی بھی ہماری مدد نہیں کر سکتا تھا۔

وہ ایک تلخ ترین حقیقت تھی جس کا پوری طرح ادارک کیے بغیر ملک سے باہر قدم نکالنا حماقت کے سوا کچھ نہ ہوتا۔

ملک اور قوم کے دشمنوں سے محاذ آرائی کے لیے کسی نے ہمیں مجبور نہیں کیا تھا۔ پاکستان کے کروڑوں شہری ان سیاسی' فوجی' معاشی اور معاشرتی دشمنیوں سے بے نیاز ہو کر' لگے بندھے انداز میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ سر جھکا کر اپنی روزی اور روزگار کے مسائل حل کرنے میں لگے رہتے ہیں اور پھر فرصت کے اوقات اپنے اہل خانہ کے ساتھ ہنسی خوشی گزارتے ہیں۔ انہیں کسی سوبھراج کی فکر ہوتی ہے نہ ٹام' ڈک اور ہیری کی۔

چاہتا تو میں بھی کروڑوں کی اس بھیڑ میں شامل ہو کر سکھ چین کی زندگی بسر کر سکتا تھا لیکن میں نے ملک میں ہیروئن کی پھیلتی ہوئی وبا کے خطرے کو بھانپ کر جمی لائیڈ اور اس کی شی کی خلاف بغاوت کر کے اپنی مرضی سے اس پُرخطر راہ کا انتخاب کیا تھا۔ مجھے جلال' اول خان یا کسی اور نے ان معرکہ آرائیوں میں نہیں دھکیلا تھا۔

کروڑوں انسانوں کے سکون کے لیے ملک بھر میں ہزاروں یا شاید لاکھوں انسان دن رات خطرات سے کھیل کر اپنے وطن کی مٹی کی حفاظت کر رہے تھے۔ مجھے کبھی یہ زعم نہیں رہا تھا کہ میں ان راستوں کا اکلوتا راہی تھا۔ بہت سے لوگ حدود و قیود میں رہ کر بھی بڑے بڑے کام کر رہے تھے۔ مجھے یہ فخر ضرور تھا کہ میں بھی ان کا ہم سفر تھا اور اسی مشن کی تکمیل کے لیے ہمیں بیرون ملک کا سفر درپیش تھا۔

اس مرحلے پر ملک سے باہر کا سفر خطرناک ضرور تھا لیکن

Downloaded from https://paksociety.com

مایوس کن نہیں کہا جا سکتا تھا۔

جمی لائیڈ سے شروع ہونے والی لڑائی کی بنا ہیروئن بنی تھی جو قرب و جوار کے سرحدی علاقوں سے سستے داموں لا کر اس سے بھی سستے داموں پر ملک بھر میں پھیلائی جا رہی تھی اور کئی سو گنا منافع پر باہر بھی اسمگل کی جا رہی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ بنیاد وسیع تر ہوتی چلی گئی منفی مقاصد کے لیے کام کرنے والے دشمنوں کے چہرے مختلف تھے لیکن ان میں کہیں نہ کہیں ہیروئن ایک قدر مشترک ضرور تھی۔ میں اس بات کو بھی فراموش نہیں کر سکتا تھا کہ افیم کی کاشت والے پاکستانی اور افغان علاقوں میں ایک جرمنی کیمسٹ نے ہیروئن بنانے کا نسخہ پھیلایا اور پھر پیداوار پر جمی لائیڈ نے قبضہ جما لیا۔ جمی لائیڈ وہ شخص تھا جو واشنگٹن کے وائٹ ہاؤس کی پشتہ روش پر اپنی کار کے قریب کسی بے آواز رائفل کی گولی کا نشانہ بنا تھا۔ ایک مستند ہیروئن فروش کا امریکی ایوانِ صدر میں مارا جانا کسی وضاحت کا محتاج نہیں تھا۔ دوسرے سرے پر سوبھراج نظر آ رہا تھا جو خود بھی در پردہ ہیروئن کی بھاری اسمگلنگ میں ملوث تھا۔

''تم کس سوچ میں ڈوب گئے؟'' مجھے خاموش پا کر ویرا نے ٹوکا۔

''میرا ذہن ماضی میں بھٹک گیا تھا۔'' میں نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

''کیا بھارت کا سفر یاد آ گیا؟'' اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''ڈالٹن..... ڈاکٹر پی جے ڈالٹن یاد آ گیا تھا۔'' میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

''اوہ!'' ویرا نے ہلکا سا بے ساختہ قہقہہ لگایا ''تم تو بہت پیچھے چلے گئے۔ اب یہ نہ کہہ دینا کہ اس خطے میں ہیروئن کو میں نے متعارف کرایا ہے۔''

''مجھے خوشی ہے کہ میرے کہنے سے پہلے تم نے یہ بات کہہ ڈالی۔ اسی کو ضمیر کہتے ہیں۔ انسان زبان سے جو چاہے کہتا رہے' اندر کی آواز رہ رہ کر اسے کچوکے لگاتی رہتی ہے۔''

''میں نے یہ بات مذاق میں کہی تھی تم بلاوجہ سنجیدہ ہو رہے ہو۔'' ویرا کے تیور بدل گئے۔

''تم دونوں نے اچانک کیا قصہ شروع کر دیا؟'' اول خان نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

''دلچسپ کہانی ہے۔'' سلطان شاہ نے لقمہ دیا۔

''اس علاقے میں افیم صدیوں سے پیدا ہوتی ہے لیکن اس کا ہیروئن نامی الکلائیڈ بنانے کی سادہ سی ٹکنالوجی ڈاکٹر ڈالٹن نے سب سے پہلے مومن خان کو فروخت کی تھی۔ یہ زیادہ پرانا واقعہ نہیں ہے۔'' میں نے اول خان کو بتا کر تائید طلب نظروں سے ویرا کی طرف دیکھا۔

''آج تم نے میرے سامنے پہلی بار یہ ذکر چھیڑا ہے تو اپنی معلومات کی تصحیح بھی کر لو۔'' ویرا نے دھیمے اور قدرے شکست خوردہ لہجے میں کہا ''مومن خان اس وقت افیم کی سب سے بڑی فصل کا مالک تھا۔ ڈالٹن کوشی نے ایک لاکھ جرمن مارک دیے تھے۔ مومن خان بیچ کا آدمی تھا۔ ڈالٹن اسے طریقہ سکھا کر واپس چلا گیا۔ ہم مومن خان سے اس کی فصل کا سودا افیم کے دام پر طے کرتے تھے۔ وہ خاموشی سے اس کی ہیروئن بنا کر ہمیں دے دیتا تھا۔ مومن خان کی لیبارٹری سے بات باہر نکلنے کے بعد صورتحال بدل گئی۔ لوگ افیم کے بجائے ہیروئن کے سودے کرنے لگے۔''

''شاید تم لوگ ہیروئن کی تاریخ میں الجھ گئے ہو۔'' اول خان نے براہِ راست مجھ سے مخاطب ہو کر کہا ''اس وقت اس تذکرے کی کیا تک ہے..... صبح تم چاروں کی روانگی ہے۔''

''اس سفر کے خیال سے پرانی یادیں خود بہ خود یک جا ہو رہی ہیں۔'' میں نے دھیمے سے کہا ''وہ میرے سفر کی ابتدا تھی اور اب تک میں کم و بیش وہی لڑائی لڑ رہا ہوں۔''

اول خان ہنس دیا ''تم بھی دور کی کوڑی لاتے ہو۔ اب سوبھراج اور چھوٹا راجن ہیروئن کے بڑے بیوپاری ہیں اور تمہارے دشمن ہیں۔''

''ڈینی کے ذہن میں فلیش بیک ہو رہے ہیں۔'' ویرا نے ہنستے ہوئے سرسری انداز میں کہا ''شاید اس کا سبب وہی دونوں ہیں جن کے نام تم نے لیے ہیں۔ قصہ یہ تھا کہ ہیروئن کوئی نئی ایجاد نہیں تھی۔ یورپ میں اسے بنانے کا نسخہ موجود تھا لیکن اس کے مضر اثرات کی وجہ سے اسے ادویات کی فہرست سے خارج کر دیا گیا تھا۔ شی نے میرے ذریعے ایک لاکھ جرمن مارک کے عوض ڈاکٹر ڈالٹن کی خدمات خریدی تھیں تاکہ وہ تمہارے قبائلی علاقے کے سب سے بڑے زمیندار اور اس کی آدمیوں کو افیم سے ہیروئن بنانا سکھا دے۔ ڈالٹن نے یہ گُر مومن خان کے آدمیوں کو سکھا دیا اور افغانستان پر روسی یورش کے دنوں میں اس خطے میں پہلی بار ہیروئن بننا شروع ہو گئی۔ یوں سمجھ لو کہ تقریباً سات کلو افیم سے صرف ایک کلو ہیروئن تیار ہوتی ہے۔ نقل و حمل کے وزن میں

Downloaded from https://paksociety.com

زبردست کمی ہو جاتی ہے اور ایک کلو ہیروئن کے دام عالمی منڈی میں سات کلو کیا بلکہ دس کلو افیم سے بھی کئی سو گنا زیادہ ہوتے ہیں۔ شی نے مختصر سی مدت میں مومن خان کی مدد سے کروڑوں ڈالر کما لیے۔''

''ہمارے خطے کے لیے ہیروئن کا نشہ چند برس پہلے تک کوئی وجود نہیں رکھتا تھا'' اول خان نے ایک گہرا سانس لے کر تفکر آمیز لہجے میں جواب دیا ''اگر ڈالٹن نے رقم کے لالچ میں یہ بیج یہاں بویا تھا تو تاریخ اسے کبھی معاف نہیں کرے گی۔ اچھا ہوا کہ یہ راز بھی آج کھل کر سامنے آ گیا۔ مجھے ہمیشہ سے حیرت تھی کہ مجرموں نے خسارے کی سرمایہ کاری کیسے کی۔ اب پتا چلا کہ وہ مومن خان کو اندھیرے میں رکھ کر ہیروئن کو ڈیوں کے مول خرید رہے تھے!''

''یہ بھی یاد رکھنے والی بات ہے کہ شی کا بانی جمی لائیڈ تھا جسے ویرا اپنا باپ کہتی ہے۔'' سلطان شاہ نے اس کی بات پوری ہوتے ہی لقمہ دیا ''اور شی کے ایما پر ویرا نے ڈالٹن کو گھیر کر جرمنی سے ہمارے سرحدی پہاڑوں میں پہنچایا تھا۔''

اول خان کے ہونٹوں پر ہلکی سی' بے جان مسکراہٹ تیر گئی ''میرے یاد رکھنے یا بھول جانے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ آنے والے وقتوں میں ساری کڑیاں خود بہ خود سامنے آتی چلی جائیں گی۔ تاریخ کے بے رحم دھارے کو موڑا نہیں جا سکتا۔''

''آج اتنے برسوں کے بعد تمہیں یہ بھولی بسری باتیں کیسے یاد آ گئیں؟'' ویرا نے مجھ سے خفت آمیز لہجے میں پوچھا۔

''ابھی کچھ دیر پہلے تم اول خان کے ایسے ہی سوال کا جواب دے چکی ہو۔'' میں نے معنی خیز انداز میں کہا ''ایسے دور رس حقائق پر جب تک کھل کر تبادلہ خیال نہ ہو' الجھنیں ستاتی رہتی ہیں' بنلیش بیک ہوتے رہتے ہیں۔''

''ہم مدت سے ایک ساتھ رہ رہے ہیں۔ تم کسی بھی وقت بات کر کے اپنی الجھنیں دور کر سکتے تھے!'' ویرا نے نرمی سے کہا۔

''بس تمہاری دل آزاری کے خیال سے خاموش رہا۔''

''تو کیا اب مجھے نادم کرنے کے لیے یہ قصہ نکالا ہے؟''

''دیکھو! تم نے بہکنا شروع کر دیا۔'' میں نے اسے وہیں ٹوک دیا ''اتنی مدت گزر جانے کے بعد بھی میں وہیں کھڑا ہوا ہوں۔ صرف نام اور چہرے بدلے ہیں' دھندا وہی پرانا ہے۔ بس یہ خیال مجھے دور تک بہا کر لے گیا۔''

ویرا چند ثانیوں تک خاموش رہی پھر ہلکے سے استہزائیہ انداز میں بولی ''میرے بارے میں تم کو دوسرے ذرائع سے بہت سی معلومات حاصل ہوئی ہوں گی۔ مجھے بھی تمہارے بارے میں بالا ہی بالا بہت کچھ معلوم ہوتا رہا۔ ہم ایک دوسرے کی دشمنی کو بھول کر اب دوستی کی راہ پر گامزن ہیں لیکن ہم نے کبھی آمنے سامنے بیٹھ ان باتوں کو صاف نہیں کیا جو ایک دوسرے کے خلاف ہمارے ذہن میں جڑیں پکڑی ہوئی ہیں۔''

''میرے ذہن میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جس کی وضاحت یا صفائی کی ضرورت ہو۔''

''ابھی تم نے ڈالٹن کا ذکر چھیڑا تھا!'' ویرا نے طنز سے کہا۔

''وہ کوئی وہم نہیں تھا۔ میں نے ایک ٹھوس حقیقت کا ذکر کیا تھا۔ تم اسے تسلیم کر رہی ہو۔ حقائق اور شکوک و شبہات میں بہت فرق ہوتا ہے۔''

''کیا میں یہ سمجھ لوں کہ تمہیں میرے کسی قول' فعل یا نیت پر کسی قسم کا کوئی شک یا شبہ نہیں ہے؟'' ویرا نے زور دے کر مجھ سے تائید طلب کی۔

''چاہو تو میں یہ باتیں لکھ کر دے سکتا ہوں۔ ایک دوسرے پر بھرپور اعتماد کیے بغیر ہم زیادہ دیر تک ایک ساتھ نہیں رہ سکتے تھے۔

''ویری گڈ!'' ویرا خوش ہو کر اپنے دیدے گھماتے ہوئے بولی ''یہ میرے لیے ایک اعزاز ہے۔ تم سب گواہ رہنا کہ آج ڈینی نے مجھے زبانی سرٹیفکیٹ دے دیا ہے۔''

''یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔'' غزالہ بلا توقف بولی ''ہم سب عملی طور پر تم پر اپنے پورے اعتماد کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں۔ ڈینی تم کو بعض ایسے رازوں میں شریک کر لیتے ہیں جن کے بارے میں مجھے بہت دیر سے علم ہوتا ہے۔''

''میرے لیے یہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔'' ویرا اپنے شانے جھٹک کر بے پروائی سے بولی ''قصہ دراصل یہ ہے کہ تم اپنے دل کی ساری بھڑاس نکال لینے کے بعد خالص خانہ دار خاتون بن گئی ہو عملی کارروائیوں سے عام طور پر دور رہتی ہو۔ کبھی کبھی جوش آتا ہے تو کچھ کر گزرتی ہو ورنہ تمہاری ذات پر پھر وہی جمود طاری ہو جاتا ہے۔ یہ.....''

غزالہ نے اچانک اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا ''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس وقت تم میری تعریف کر رہی ہو

Downloaded from https://paksociety.com

یا میرا انداق اڑا رہی ہو!''

''میں تمہارا مذاق اڑانے کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔'' ویرا نے جلدی سے وضاحت کی ''ہم میں سے کسی نہ کسی کو گھر بھی سنبھالنا چاہیے۔ ایک سگھڑ بیوی کی حیثیت سے تم نے یہ ذمے داری رضا کارانہ طور پر اپنے سر لی ہوئی ہے۔ یہ بہت اچھی اور قابلِ تعریف بات ہے۔ ذرا سی تنقید کا جواز یہ ہے کہ ڈینی کو اپنا کام آگے بڑھانے کے لیے ہر وقت نفری کی ضرورت رہتی ہے۔ اس معاملے میں تم پیچھے رہتی ہو۔''

''میں ہر جگہ اپنی ٹانگ نہیں اڑاتی جہاں میری ضرورت ہوتی ہے میں کبھی پیچھے نہیں ہٹتی۔ متعدد واقعات کی تم خود گواہ ہو۔'' غزالہ نے بے باکی سے جواب دیا۔

''ہاں..... آں.....!'' ویرا پُر خیال انداز میں اپنا سر ہلاتے ہوئے بولی ''تمہاری یہ بات بھی کسی حد تک درست ہے۔ دراصل میں یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ ڈینی مجھے اعتماد میں لے کر مجھ پر کوئی احسان نہیں کرتا۔ مشورے اور معاونت کے لیے مجھے بہت کچھ بتانا اس کی مجبوری بن جاتا ہے اور میں نے اسے کبھی مایوس نہیں کیا۔''

''ہٹ دھرمی ایک خوفناک بیماری ہے۔'' سلطان شاہ نے اول خان سے مخاطب ہوکر گہری سنجیدگی سے کہا ''یہ کسی کو لاحق ہوجائے تو اسے اپنے گردوپیش میں اپنی ذات کے سوا کوئی نظر نہیں آتا۔ کوئی ہوتا بھی ہے تو وہ اسے بونا لگتا ہے۔''

''اول خان کو کیا بتا رہے ہو۔ میری طرف دیکھ کر بات کرو؟'' ویرا بولی۔

''میں خاص طور پر تمہاری بات نہیں کر رہا۔ اول خان کو اپنے تجربے کی بات بتا رہا تھا۔ میں نے عام طور پر یہی سب دیکھا ہے۔''

''تم جو چاہو کہتے رہو۔ میری صحت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

''میں بھی اول خان کو یہی بتا رہا تھا۔ ہٹ دھرم پر کسی کے کہنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ اپنی ہانکنے میں مگن رہتا ہے۔'' سلطان شاہ نے کہا۔ اس نے درمیان میں دخل انداز ہوکر غزالہ اور ویرا کی بحث کا رخ اچانک موڑ دیا تھا۔

''دنیا کا کوئی معقول آدمی بے سروپا باتوں پر دھیان نہیں دیتا۔'' قدرے ترش لہجے میں سلطان شاہ کو وہ جواب دے کر ویرا میری طرف متوجہ ہوگئی ''جلال کا دیا ہوا لفافہ کب تک میز پر پڑا رہے گا۔''

''اوہ..... تو تمہاری نظر ان ٹریولرز چیکس پر ہے!'' سلطان شاہ نے پھر اپنی ٹانگ اڑائی۔ ویرا نے اس کی بات سنی اَن سنی کردی۔ اس کی نگاہیں بدستور میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا ''چاہو تو تم پورا لفافہ لے سکتی ہو۔''

''میں نے ساری رقم لے لی تو میں عمر بھر تم تینوں میں سے ایک شخص کے جلے کٹے طعنے سنتی رہوں گی۔'' اس نے کہا ''بہتر یہی ہے کہ جلال کے مشورے کے مطابق اس کے حصے بخرے کردو۔ کسی کے پیٹ میں مروڑ نہیں ہوگی۔''

اس نے کسی کا نام نہیں لیا تھا لیکن اس کا واضح اشارہ سلطان شاہ کی طرف تھا۔ اس نے برا سا منہ بنایا اور اپنی جگہ پر کسمسا کر رہ گیا۔

میں نے لفافہ اٹھایا اور اس میں سے دس دس ہزار ڈالرز کے ٹریولرز چیک گن کر ویرا اور سلطان شاہ کے حوالے کردیے۔

ویرا نے اس گڈی کو گنے بغیر' موڑ کر چوما اور فخریہ لہجے میں بولی ''میں جب سے پاکستان میں ہوں تم لوگوں کے مال پر عیش کر رہی ہوں۔ یہ یہاں میری پہلی کمائی ہے جو مجھے میرے حق کے طور پر ملی ہے۔''

''شہر کی کچی آبادیوں میں ابھی کمانے والیوں کی مانگ ہے۔ تم چاہو تو وہاں دل کھول کر کما سکتی ہو۔'' سلطان شاہ نے سنجیدگی سے مشورہ دیا۔

ویرا بہت اردو داں بنتی تھی لیکن اس وقت سلطان شاہ سے مات کھا گئی۔ اس کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ کمانے والی بات اس کے سر پر سے گزر گئی تھی۔ شاید وہ اپنی خفّت چھپانے کے لیے اسے گول ہی کردیتی مگر غزالہ اور اول خان کے ہونٹوں پر ابھرنے والی خفیف سی مسکراہٹ نے اسے تذبذب میں ڈال دیا۔

''تم کن کمانے والیوں کی بات کر رہے ہو؟'' اس نے غرا کر سلطان شاہ سے پوچھا۔

''ابھی رہنے دو۔ امریکا پہنچ کر بتا دوں گا۔'' سلطان شاہ نے فتح مند انداز میں جواب دیا ''بے فکر رہو۔ یہ کوئی برا حوالہ نہیں ہے۔''

''یہ باتیں ساری رات چلتی رہیں گی۔'' اول خان نے موقع کی نزاکت بھانپتے ہوئے کہا ''ہو سکے تو کچھ شکم پری کے بعد آرام کرلیا جائے۔''

Downloaded from https://paksociety.com

باتوں میں کسی کو کھانے کا خیال ہی نہیں رہا تھا۔ اس دوران میں دین محمد ہم لوگوں کی جانب سے کسی ہدایت کے انتظار میں آس پاس منڈلا رہا تھا۔ اول خان کے بلند آہنگ لہجے میں شکم پری کا ذکر سنتے ہی وہ ڈرائنگ روم میں آ گیا۔

ویرا ڈھٹائی سے اپنی جگہ پر جمی رہی۔ غزالہ اٹھ کر اس کے ساتھ بچن کی طرف ہولی۔

''کھانے اور آرام کے درمیان میں سوبھراج کا کوئی ذکر نہیں ہے!'' غزالہ کے چلے جانے کے بعد ویرا نے اول خان سے کہا۔

اول خان کی مستفسرانہ نگاہیں میری طرف اٹھ گئیں۔

''میرا ارادہ ہے کہ دو بجے کے بعد اس کو دیکھا جائے۔'' میں نے کہا۔

تو کیا سفر سے پہلے سونے کا ارادہ نہیں ہے؟'' ویرا نے حیرت سے پوچھا۔

''تم چاہو تو اسی وقت سو سکتی ہو۔ مجھے نیند نہیں آئے گی۔ تھوڑی دیر کے لیے کمر سیدھی کرنے کے بعد میں سکون کے ساتھ اس سے بات کروں گا۔''

''کیا دو بجے کے بارے میں تمہیں کسی جوتشی نے ہدایت دی ہے؟'' ویرا نے چبھتے ہوئے لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

''بعض اوقات تمہاری عقل پٹڑی سے اتر جاتی ہے۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا ''سوبھراج کے لیے وہ بہت بڑی مہم تھی۔ تمہیں اس کا اندازہ اس کے بھیجے ہوئے آدمیوں کی تعداد سے ہو جانا چاہیے۔ وہ خود وہاں نہیں آیا۔ اپنی کمین گاہ پر رک کر اپنی مہم جوئی کے نتائج کا انتظار کر رہا ہوگا۔ کم از کم دو تین گھنٹوں تک وہ اپنے آدمیوں کی طرف سے کسی خبر کا انتظار کرے گا۔ اس کے بعد وہ مایوس ہو کر دوسرے ذرائع کو حرکت میں لائے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ جب میں اسے فون کروں تو اسے اپنے آدمیوں کے انجام کا علم ہو چکا ہو۔''

ویرا خاموشی اور دھیان سے میری بات سنتی رہی۔ میرے خاموش ہوتے ہی وہ فیصلہ کن انداز میں بولی ''تم اس انتظار میں ہو تو میری بات کہیں لکھ لو کہ اسے اپنے ذرائع سے زندگی بھر ان سباتوں کے انجام کا علم نہیں ہو سکے گا۔''

''میں نے تلخی سے اس کے دعوے پر تنقید کرنے کا ارادہ کیا اور اسے فوری طور پر ملتوی بلکہ منسوخ کر دیا۔

اپنے آدمیوں کی طرف سے کوئی رابطہ نہ ہونے سے اسے یہ یقین تو ہو جاتا کہ وہ ناکامی سے دوچار ہو چکے ہیں لیکن اس کے پاس یہ حقیقت معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ ان سب کا کیا انجام ہوا ہے۔

واقعہ بھرے پرے شہر میں نہیں بلکہ ایک ویرانے میں پیش آیا تھا۔ فائرنگ کے دھواں دھار تبادلے اور انجام سے صرف وہی لوگ واقف تھے جو اس مقابلے میں شریک تھے اور زندہ بچے تھے۔ سوبھراج یا وجے کے زندہ بچنے والے تینوں آدمی آئی بی کے قیدی بن چکے تھے۔ ان کے لیے یہ ممکن نہیں رہا تھا کہ وہ سوبھراج یا کسی اور کو اپنی حالت سے آگاہ کر سکیں۔ جو مارے گئے تھے' ان کا ذکر ہی بے سود تھا۔

دوسری طرف سوبھراج خود مخدوش حالات سے دوچار تھا اور روپوشی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔ وہ چوری چھپے باہر نکلنے کا خطرہ مول لیتا تھا۔ اس کے لیے یہ ممکن نہیں رہا تھا کہ وہ اپنے آدمیوں کی تلاش میں جائے واردات تک پہنچنے کی ہمت کر سکے۔

وقت گزرنے اور اپنے آدمیوں کی طرف سے کوئی رپورٹ نہ ملنے سے اسے یہ اندازہ ہو سکتا تھا کہ وہ لوگ ناکامی سے دوچار ہوئے ہیں۔ اس سے آگے کچھ جاننا اس کی بساط سے باہر تھا۔ اسے صرف اخبارات میں آنے والی خبروں سے ہی کچھ معلوم ہو سکتا تھا۔

آئی بی والے اپنی سرگرمیوں کی اخباری تشہیر سے ہمیشہ گریز کرتے ہیں۔ ان کے آپریشنز کی کوریج کے لیے اخباری رپورٹر اور فوٹو گرافر موجود نہیں ہوتے۔ ملک و قوم کے مفاد میں انہیں جو کچھ کرنا ہوتا ہے وہ قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے کر گزرتے ہیں اور ضروری ہو تو ان کے اعلیٰ افسران غور و فکر کے بعد اپنی پالیسی کے مطابق اخبارات کے لیے بریفنگ جاری کر دیتے ہیں۔

مجھے مکمل یقین تھا کہ اگلی صبح کے اخبارات میں اس واقعے کے بارے میں کچھ بھی نہیں آ سکے گا۔ واقعہ بہت اہم تھا جس میں دو مقامیوں کے ساتھ پانچ بھارتی اسمگلر بھی ملوث تھے جن میں سورت کا وجے نامی بدمعاش بھی شامل تھا۔ چار بدمعاشوں کی ہلاکت اور تین کی گرفتاری کے بارے میں کم از کم ایک دن کی تاخیر سے اخبارات میں کوئی خبر آ سکتی تھی۔ اس وقت سے پہلے سوبھراج کو علم نہیں ہو سکتا تھا کہ اس کے بھیجے ہوئے درندے کس انجام سے گزرے تھے۔

''اسے صحیح واقعات کا علم ہو یا نہ ہو' وقت گزرنے سے

Downloaded from https://paksociety.com

اسے یہ اندازہ ہوجائے گا کہ اس کے آدمی ناکامی سے دوچار ہوئے ہیں۔'' میں نے مصالحت آمیز انداز میں ویرا سے کہا۔

''سوبھراج نے وہ بکھیڑا تمہیں گھیرنے کے لیے پھیلایا تھا۔ تمہاری آواز سنتے ہی اسے اندازہ ہوجانا چاہیے کہ اس کے آدمی تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے۔'' ویرا اپنی جگہ پر اڑی رہی۔

''یہ بتاؤ کہ تم کیا چاہتی ہو؟'' میں نے زچ ہوکر پوچھا۔

''وقت ضائع کرنے کے بجائے کھانے سے فارغ ہوکر اس خبیث سے بات کرو۔'' ویرا نے ناصحانہ لہجے میں کہا ''ذہن سے ایک بوجھ اتر جائے گا اور ہم یک سو ہوکر کچھ دیر کے لیے آرام کرسکیں گے۔ ہم کسی غیر معمولی بندوبست کے بغیر عام مسافروں کی طرح اپنے سفر پر روانہ ہوں گے۔ ہمیں نو بجے تک ائرپورٹ پر پہنچ جانا چاہیے تاکہ ہم ریڈیشن میں چیک اِن اور امیگریشن کے مراحل سے گزر سکیں۔ اس کے لیے ہمیں سات بجے سے تیاری شروع کرنا ہوگی۔''

''چلو تمہاری یہ بات مان لی گئی!'' میں نے اس کے مشورے کی معقولیت تسلیم کرلی۔

''اور یہ بھی طے کرلو کہ گھر کا کیا بنے گا۔ ہم چاروں کے روانہ ہونے سے پہلے گھر کو بھی سمیٹنا ہے۔'' وہ بولی۔ ''گلنے سڑنے والی چیزوں کو ریفریجریٹر سے نکال کر پھینکنا ہے۔ گھر کو احتیاط سے مقفل کرنا ہے۔ بہتر ہوگا کہ جہانگیر کو بھی اپنے پروگرام سے مطلع کردو۔ تمہارے یکا یک غائب ہونے سے وہ بے چارہ اور اس کی بیوی پریشان ہوجائے گی۔''

''تم کو بھی سوچنے کی عادت پڑتی جارہی ہے۔'' میں نے نرمی سے کہا ''گھر کو سمیٹنا اور سنگوانا عورتوں کا کام ہے۔ اس بارے میں تم غزالہ سے مشورہ کرلو۔ میں جہانگیر سے بات کرلوں گا۔ یہ ضروری ہے اچھا ہوا کہ تم نے یاد دلا دیا۔ میں اسے بھول گیا تھا۔''

''گھر کو مقفل کرکے چابیاں اول خان کو دے دی جائیں!'' ویرا نے تائید چاہی۔

''یہ تمہارا گھر ہے۔'' میرے کچھ کہنے سے پہلے اول خان بول پڑا ''جو چاہو فیصلہ کرو' میری رائے ہے کہ تمہیں ان بکھیڑوں میں الجھ کر اپنا وقت خراب کرنے کی ضرورت نہیں' ابرار اور دین محمد میرے اعتماد کے آدمی ہیں تم چاہو تو تمہاری غیر حاضری میں وہ یہاں رہ کر گھر کی دیکھ بھال کرتے رہیں گے۔ تم لوگ آؤ گے تو تمہیں گھر صاف ستھرا اور کھلا ہوا ملے گا۔''

''ویری گڈ..... یہ تجویز بہت اچھی ہے۔'' ویرا خوش ہوکر بولی ''تمہارے شہر میں سبزے کا قحط ہے۔ ہوا کے ساتھ ہر وقت دھول اڑتی رہتی ہے' چار دنوں میں پورا گھر گرد وغبار سے اَٹ جائے گا۔ وہ دونوں یہاں رہتے رہیں گے تو ہمیں بے فکری رہے گی۔ تمہارے دونوں آدمی محنتی اور ایمان دار ہیں۔ بس ایک ڈر ہے۔ کمرے میں میری کئی بوتلیں پڑی ہوئی ہیں۔ میدان صاف پاکر کہیں ان کی نیت خراب نہ ہوجائے۔''

''دونوں پکے دین دار اور نمازی ہیں۔ مجھے ان سے ایسی توقع نہیں ہے۔'' اول خان نے پورے اعتماد سے کہا ''پھر بھی تنہائی میں شیطان کو آتے دیر نہیں لگتی۔ میرا مشورہ ہے کہ بوتلوں کو کہیں چھپا کر مقفل کردو۔''

''بہتر یہی ہوگا کہ انہیں نالی میں بہاکر خالی کردو۔'' سلطان شاہ نے بھی اپنی رائے کا اظہار ضروری سمجھا ''شیطان تمہارا پیچھا چھوڑ دے گا اور تم ڈینی کی طرح پارسا ہوجاؤ گی۔''

''شیطان تمہاری کھوپڑی میں گھسا رہتا ہے۔ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔''

''مجھے بیچ میں مت لاؤ۔ میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا' اول خان کی بات دہرائی ہے' تم اپنے کمرے میں تنہا ہوتی ہو اور تم پر شیطان آجاتا ہے۔ نتیجے میں ایک آدھ بوتل خالی ہوجاتی ہے۔ اس کا عذاب ہم سب کو بھگتنا پڑتا ہے۔''

''یہ میرا ذاتی معاملہ ہے!'' ویرا اسے گھورتے ہوئے سخت لہجے میں بولی ''کسی کو اس پر رائے زنی کا حق نہیں ہے میں جو کچھ کرتی ہوں' اپنے کمرے میں کرتی ہوں۔ تمہاری طرح گھر بھر میں بہکی بہکی باتیں نہیں کرتی پھرتی۔ جس دن مجھ پر واقعی شیطان آگیا میں ایسی بے ہودہ باتوں پر تمہارا گلا دبوچ لوں گی اور تمہاری زبان کو ہمیشہ کے لیے قرار آجائے گا۔''

''میں نے تمہارے بارے میں کچھ نہیں کہا'' ویرا کے تیور دیکھ کر اول خان نے مدافعانہ لہجے میں وضاحت کی ''میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ میرے آدمیوں پر تنہائی

Downloaded from https://paksociety.com

میں شیطان آ گیا تو وہ تمہاری امانت میں خیانت کر سکتے ہیں۔ کیوں کسی کو ایسی کھلی آزمائش میں ڈالا جائے۔''

وہ بات وہیں ختم ہو گئی۔ غزالہ نے آ کر کھانے کی میز لگ جانے کا اعلان کیا تھا۔

کھانے کے دوران میں باتوں کا دور چلتا رہا۔ ان میں تلخی نام کو نہیں تھی۔ ہم لوگوں میں یہ رسم اچھی تھی کہ کوئی کسی بات کو اپنے دل میں لے کر نہیں بیٹھتا تھا۔ وقتی طور پر کوئی تلخی ترشی ہو جاتی تھی تو ہر فریق اسی وقت اپنی بھڑاس نکال کر اپنے دل کو ٹھنڈا کر لیتا تھا' کوئی بات ضرورت سے زیادہ طول نہیں پکڑتی تھی۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد پانچوں ایک ایک کر کے دوبارہ ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ میں سگریٹ سلگا کر فون کے قریب والے صوفے پر ٹک گیا۔

چائے کا دور شروع ہوا تو ویرا رہ رہ کر مجھے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اسے انتظار تھا کہ میں کب سوبھراج سے رابطہ کرتا ہوں۔

میں نے چائے ختم کرنے کے بعد فون کی طرف ہاتھ بڑھایا تو ویرا غیر ارادی طور پر پہلو بدل کر رہ گئی۔ میں نے نمبر ملانے کے بعد اسٹیشن فور کے آپریٹر سے جہانگیر کا نمبر مانگا تو ویرا کے چہرے پر یکا یک مایوسی پھیل گئی۔ میں ریسیور کان سے لگائے کن انکھیوں سے اسے دیکھتا رہا۔

جہانگیر سے فون پر بات کرنے کا مشورہ بھی اسی کا تھا اس لیے وہ کوئی اعتراض نہیں کر سکی۔ عصیلی نظروں سے مجھے گھورتی رہ گئی۔

اسٹیشن فور پر جہانگیر ہائی سیکورٹی کے درجے کا مہمان تھا۔ کسی اجنبی کے لیے اس سے کسی بھی طرح رابطہ قائم کرنا ممکن نہیں تھا۔ اسٹیشن فور کا آپریٹر میری آواز پہچانتا تھا اور ایس ٹی ایف کے ساتھ میرے قریبی مراسم سے بھی پوری طرح باخبر تھا۔ اس نے کسی توقف کے بغیر جہانگیر سے لائن ملا دی۔

آپریٹر نے جہانگیر کو شاید یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ میری کال تھی۔ اس نے بہت خشک لہجے میں ہیلو کہا تھا ''معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری مادہ تم سے کچھ روٹھی ہوئی ہے!'' میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

''ابے! یہ تم ہو!'' میرے کان میں اس کی بے ساختہ اور مسرت آمیز آواز گونجی ''کہاں مرے ہوئے ہو۔ یہاں تو کوئی تم کو نہیں جانتا۔ جس سے تمہارے بارے میں پوچھتا ہوں وہ من بھر کی منڈیا ہلا کر صاف انجان بن جاتا ہے۔ یہ کیا چکر ہے؟''

''کوئی چکر نہیں ہے۔ تم بے فکری سے مفت کی روٹیاں توڑتے رہو اور عیش کرو' وہاں پرندہ بھی اجازت کے بغیر پر نہیں مار سکتا۔ میرے بارے میں اول خان کے سوا کوئی تمہیں کچھ نہیں بتائے گا۔ یہ بتاؤ کہ وہاں تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔''

''یہ لوگ بہت مہمان نواز ہیں۔ ہر بات کا خیال رکھتے ہیں۔ کمرے میں ساری سہولتیں موجود ہیں۔ سچ پوچھو تو میرے لیے یہ جگہ جنت سے کم نہیں۔ جان کا خطرہ ہے نہ دشمن کا کوئی خوف' جب جی چاہتا ہے بے فکری سے ٹانگیں پسار کر سوتا ہوں' بس ایک چیز کی کمی ہے۔''

''وہ کیا۔'' میں نے فکرمندی سے پوچھا ''مجھے بتاؤ میں اول خان سے بات کروں گا۔''

فون پر اس کی ہنسی کی بے ساختہ آواز آئی پھر اس نے کہا ''وہ شریف آدمی ہے اس سے کوئی بات نہ کرنا دراصل یہاں رونق نہیں ہے۔''

''میں تمہاری بات نہیں سمجھا' کیا تمہارے باہر نکلنے پر اب بھی پابندی ہے؟'' جہانگیر سے وہ سوال کرتے ہوئے میری نظریں اول خان کی طرف اٹھ گئیں۔ ریسیور پر بات ہونے کی وجہ سے اول خان کو موضوع سخن کا علم نہیں ہو سکا تھا لیکن اس نے میرا سوال سن کر اپنا سر نفی میں ہلا دیا۔

اسی لمحے جہانگیر نے اول خان کی تائید کر دی۔ وہ کہہ رہا تھا ''ہیلی کاپٹر کی پرواز والے واقعے کے بعد ذرا احتیاط کا مشورہ دیا گیا تھا۔ اب ہر طرف گھومنے پھرنے کی پوری آزادی ہے۔ ایس ٹی ایف والے فوجی تو نہیں ہیں لیکن ان کی ساری عادتیں اور طور طریقے فوجیوں جیسے ہیں۔ ہر وقت سنجیدہ اور مودب رہتے ہیں۔ کھانا لانے والے سے ذرا مذاق کرنے کی کوشش کی تو وہ یوں اٹینشن کھڑا رہا جیسے میں اسے کوئی سنگین حکم نامہ سنا رہا ہوں.....''

''میں سمجھ گیا۔'' میں نے گفتگو مختصر کرنے کے لیے اس کی بات کاٹ کر کہا ''اول خان اپنے عملے کو ہدایت کر دے گا کہ وہ لوگ تمہارے ساتھ برابری کا دوستانہ رویہ اپنائیں.....''

''خاک سمجھ گئے۔'' اس بار جہانگیر نے جل کر میری بات کاٹ دی ''مجھے ان لوگوں کی دوستی اور دشمنی سے کیا لینا ہے میں کہہ رہا تھا کہ یہ بغیر حوروں کی جنت ہے۔ روکھی پھیکی اور بے رونق!''

Downloaded from https://paksociety.com

''لعنت ہو تم پر!'' میں نے جھلّا کر کہا ''دشمن کی قید میں بھوکا پیاسا مرنے کے بعد تمہارا یہ حال ہے۔ سلمٰی کہاں ہے اس وقت؟''

''غسل فرما رہی ہے!'' جہانگیر کی آواز میں شوخی امڈ آئی ''اس پر فرض ہو گیا تھا۔''

''میں نے تم سے زیادہ ڈھیٹ اور بے شرم آدمی آج تک نہیں دیکھا!'' اس کا جواب سن کر میرا پارا چڑھ گیا ''وہ کمرے میں نہیں ہے۔ اسی لیے تم بہک رہے ہو۔''

''ابھی کہاں۔ بہکنے کا وقت تو سورج ڈھلنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اول بھائی نے سارا بندوبست کیا ہوا ہے اور یہ مشورہ بھی دیا ہے کہ میں دن میں نہ پیا کروں۔ میں پورے خلوص سے ان کے مشورے پر عمل کر رہا ہوں۔ جب تک باہر نکل کر سورج غروب ہونے کا یقین نہیں کر لیتا، بوتل کو ہاتھ نہیں لگاتا۔ میرے اس روٹین سے سلمٰی بھی بہت خوش ہے۔ اول بھائی کو دل سے دعائیں دیتی ہے۔''

اس کی زبان سے اول بھائی کی تکرار سن کر میرا خون کھول اٹھا۔ اسٹیشن فور پر ملاقات کے موقع پر اس نے یکا یک اول خان کو اپنا بھائی قرار دیا تھا تو میرے ساتھ مل کر سلمٰی نے بھی اسے بہت مطعون کیا تھا کہ محض شراب ملنے کے چکر میں اس نے اول خان کو اول بھائی بنا لیا تھا۔ اس وقت جہانگیر شرمندہ ہوا تھا۔ رواروی میں اس نے وعدہ بھی کر لیا تھا کہ وہ آئندہ اسے اول بھائی نہیں کہے گا لیکن وہ شرابی ہی کیا جو اپنے دماغ میں گھسی ہوئی کسی بات کو آسانی سے نکالنے میں کامیاب ہو سکے۔ وقت گزرنے کے ساتھ وہ اپنا وعدہ بھول گیا مگر اسے اول بھائی یاد رہا۔

اسے لعنت ملامت کرنے کے لیے ضروری تھا کہ اول خان کے نام کے ساتھ پہلے کی طرح مزید کچھ نازیبا حوالے دیے جاتے لیکن اول خان ہمارے ساتھ موجود تھا۔ وہ جہانگیر کا کہا ہوا نہیں سن رہا تھا۔ میری باتیں اسے ناگوار گزر سکتی تھیں۔

میں نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا ''اول خان تمہارا سگا بھائی ہے تو میرا گہرا دوست ہے۔ میں اسے منع کر دوں تو اسٹیشن فور میں جنہیں شراب کا ایک قطرہ بھی نہیں ملے گا۔''

''ایسا ظلم نہ کرنا!'' اس کی بوکھلائی ہوئی آواز آئی ''میرے لیے یہاں سکھ سے رہنا مشکل ہو جائے گا۔ میں ذرا نشے میں ہوتا ہوں تو سلمٰی اول فول بک کر اپنے دل کی ساری بھڑاس نکال لیتی ہے۔ مجھے پتا بھی نہیں چلتا کیونکہ میرے لیے اس وقت وہ صرف ایک عورت ہوتی ہے۔ مرد اپنے پہلو میں آئی ہوئی عورت کی گالیاں کھا کر بھی بے مزہ نہیں ہوتا۔ صبح ہوتی ہے اور سلمٰی کا دل ہلکا ہو چکا ہوتا ہے، اپن کو کچھ یاد نہیں ہوتا۔ سارا دن اچھا گزر جاتا ہے۔''

''اگر تم سکھی ہو تو میں بھی خوش ہوں۔'' میں نے اس کی وضاحت قبول کرتے ہوئے جواب دیا۔ ''میں نے اس وقت یہی معلوم کرنے کے لیے فون کیا تھا کہ وہاں تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔ دراصل میں کچھ عرصے کے لیے باہر جا رہا ہوں۔ میری غیر حاضری میں اول خان تمہاری ضروریات کا خیال رکھے گا۔ اس دوران میں تم اپنے فلیٹ میں واپسی کے بارے میں نہیں سوچو گے۔''

''تم کہاں جا رہے ہو؟'' اس کا لہجہ تجسس آمیز ہو گیا۔

''تمہاری بازیابی کے بعد سے میرے دشمنوں کے حملوں میں تیزی آ گئی ہے۔ ان کا زور توڑنے کے لیے میرا کراچی سے غائب ہونا ضروری ہو گیا ہے۔''

میرے پیش کیے ہوئے اس مضبوط جواز نے اسے تشویش میں ڈال دیا۔ چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس کی سنجیدہ آواز ابھری ''اکیلے جا رہے ہو؟''

''غزالہ میرے ساتھ ہو گی۔'' میں نے اس کی تشویش رفع کرنے کے لیے جواب دیا۔

''پھر اپنی بلبل کو بھی یہاں بھیج دو۔'' وہ خوش ہو کر بولا ''ویرا بہت اچھی لڑکی ہے۔ آئے گی تو یہاں رونق ہو جائے گی۔''

جہانگیر جو اپنے دور کا ایک بے جگر لڑاکا اور نامور سورما تھا، خانہ نشین ہونے کے بعد رفتہ رفتہ اس حال کو پہنچ گیا تھا کہ اسے شراب اور عورت کے سوا دنیا و مافیہا میں کسی چیز کا ہوش نہیں رہا تھا۔ شراب نوشی کے معاملے میں وہ اپنے شوق سے زیادہ ندیدے پن کا مظاہرہ کرتا تھا۔ عورتوں کے بارے میں اس پر ایک ٹھرک سوار تھی۔ وہ کسی کا پیچھا نہیں کرتا تھا۔ سامنے آنے والی ہر عورت پر اس کی رال ٹپک پڑتی تھی۔ اس کی اسی عورت نوازی سے تنگ آ کر سلمٰی نے گھر میں کام کرنے والی کئی عورتوں کو نکالا تھا اور آخر کار خود ہی گھریلو کام کرنے لگی تھی۔

غصے کے ساتھ مجھے اس پر رحم آیا۔ میں نے اسے زیادہ ملامت کرنے کے بجائے ہلکی سی سرزنش پر اکتفا کرتے ہوئے کہا ''یہ بلبل عقاب کی طرح پنجوں سے آنکھ نوچ لینے کا فن جانتی ہے۔ ان چیزوں کی خواہش مت کیا کرو جو کبھی تمہاری دسترس میں نہ آ سکیں۔''

''شاعری کر رہے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ قتالہ تمہارے

Downloaded from https://paksociety.com

آس پاس موجود ہے۔''

''تمہارا اندازہ درست ہے۔ مجھ سے بات کرتے ہوئے اپنے ہوش حواس میں رہا کرو۔ تمہاری باتیں کسی اور نے سن لیں تو تمہارا اعتبار جاتا رہے گا۔''

''آئندہ خیال رکھوں گا۔ اتنی اجازت تو ہے نا کہ کبھی دل گھبرائے تو فون پر اس سے بات کرلیا کروں۔ اس بہانے تمہاری یاد تازہ ہوتی رہے گی۔''

''ابھی میں مرنہیں رہا جو تمہیں میری یاد تازہ کرنے کی ضرورت پیش آئے۔ میری غیر حاضری میں تمہارا فون کرنا بے سود ہوگا۔ دشمن ہم سب کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ سلطان شاہ گھر کو تالا ڈال کر ویرا کو اپنے ساتھ گاؤں لے جائے گا۔''

''کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم دونوں بھی یہاں رہنے کے بجائے سلطان شاہ کے گاؤں چلے جائیں۔ ہماری آب وہوا تبدیل ہوجائے گی۔'' اس نے جھٹ سوال کردیا۔

''میرے فیصلے کے مطابق تم کو وہیں رہنا ہے۔ اپنی مرضی سے تم جہنم میں بھی جاسکتے ہو میں تمہیں نہیں روکوں گا۔''

''نہیں بھیجنا تو انکار کردو۔ یوں ناراض کیوں ہورہے ہو۔'' بات کرتے کرتے اچانک اس کا لہجہ بدل گیا۔ ''لو! تمہاری چہیتی بھی بدن پر گز بھر کا تولیا لپیٹ کر غسل خانے سے آگئیں؟''

وہ اس کی طرف سے اطلاع تھی۔ میں نے کہا ''ابھی تم مجھ سے جو بکواس کررہے تھے وہ سلمٰی کے سامنے دہراؤ تو میں تمہاری باتیں مان لوں گا۔''

''یار! تم بھی نرے گھامڑ ہو۔ میں تو مذاق کررہا تھا۔ تم ذرا ذرا سی بات پر سنجیدہ ہوجاتے ہو۔ یہ کوئی اچھی علامت نہیں ہے۔''

''بس، اب اپنی کھال میں رہنا۔ اول خان کو کوئی شکایت نہیں ہونی چاہیے۔ واپسی پر میں نے تمہاری کوئی شکایت سنی تو کھال گرادوں گا۔''

''میں کسی کی دھمکیوں سے نہیں ڈرتا لیکن یہ میرا شریفانہ وعدہ ہے کہ اول..... بھسم..... بھا..... خان کو مجھ سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ تم کتنے دنوں میں آجاؤ گے۔؟''

اس نے جن مضحکہ خیز آوازوں کے ساتھ اول خان سے اپنا برادرانہ رشتہ جوڑنے سے گریز کیا تھا ان پر میں بہت مشکل سے اپنی بے ساختہ ہنسی ضبط کرسکا۔ لمحہ بھر بعد میں نے جواب دیا۔ ''مطلع صاف ہونے سے پہلے میری واپسی مشکل ہے۔ یہ مدت دو دن سے دو چار مہینے تک کچھ بھی ہوسکتی ہے۔ میں آتے ہی تم سے رابطہ کروں گا۔''

''اب اتنے طوطا چشم نہ بنو۔ کبھی کبھی باہر سے بھی فون کرلینا۔''

میں نے اس سے رسمی وعدہ کرکے فون بند کردیا۔

''اس سے کس بلبل کا ذکر ہورہا تھا؟'' ویرا اسی لمحے سوال کر بیٹھی۔

''بلبل!'' میں نے حیرت سے دہرایا پھر سنبھل کر کہا۔ ''ہاں..... دراصل وہ کسی ایسی بلبل کی تمنا کررہا تھا جو اس کے اشاروں پر سلمٰی کو تنگ کرسکے۔ ظاہر ہے کہ ایسی بلبل پلٹ کر خود اس پر بھی حملہ کرسکتی ہے۔ بات اس کی سمجھ میں آگئی۔''

''تم کچھ چھپا رہے ہو!'' ویرا نے اشتباہ آمیز لہجے میں کہا ''تم نے کسی خاص بلبل کے بارے میں پورے وثوق سے بتایا تھا کہ وہ عقاب کی طرح آنکھ نوچنے کا فن بھی جانتی ہے۔''

''بتایا تھا!'' میں نے دیدہ دلیری کے ساتھ اعتراف کیا ''جانور کتنا ہی پالتو اور وفادار کیوں نہ ہو، اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ اس پر کب حیوانی جبلّت غالب آجائے گی۔''

ویرا کی آنکھوں سے ظاہر ہورہا تھا کہ وہ میرے جواب سے مطمئن نہیں ہوسکی تھی لیکن اس نے مجھ سے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔ چپ سادھ لی۔

جہانگیر سے ہونے والی گفتگو سب نے سنی تھی۔ اس کی ذاتی نوعیت کی بنا پر کسی نے کوئی سوال نہیں کیا۔ میں نے ویرا کی زبان بند رکھنے کے لیے اسپیکر فون پر سوبھراج کا نمبر ملالیا۔

''تت..... تم ڈینی..... تم نے مجھے کیوں فون کیا ہے؟'' میری آواز سنتے ہی اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں سوال کیا۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں رہا ہوگا کہ جب ریور روڈ والے واقعے کے بعد میں اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کروں گا۔''

''آج تم نے مجھے بہت مایوس کیا ہے۔'' میں نے سپاٹ لہجے میں کہا ''میں نو بجے سے وہاں تمہارا انتظار کررہا تھا۔ ابھی ابھی واپس آیا ہوں۔''

''تم جھوٹے اور اوّل درجے کے کمینے ہو۔ میں پوچھتا ہوں کہ میرے آدمی کہاں ہیں۔''

''کن آدمیوں کی بات کررہے ہو؟'' میں نے ذہن میں ایک خیال آتے ہی معصومانہ لہجے میں پوچھا۔

''وہی جو تمہیں اپنے ساتھ سرحد لے جاتے۔'' اس کی اضطراری آواز آئی۔

''مجھے یہی شکوہ ہے کہ تمہارے مضبوط وعدے کے باوجود کوئی وہاں نہیں آیا۔ کسی وجہ سے پروگرام بدل گیا تھا تو مجھے

Downloaded from https://paksociety.com

فون کر دیتے!''

ویرا نے اپنی دونوں مٹھیاں بھینچ کر مسرت سے فضا میں ہاتھ اچھالے۔ اسے خوشی ہوئی تھی کہ میں نے سوبھراج کی بے خبری اور مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک برجستہ قلابازی کھائی تھی۔

''ڈینی! مجھ سے تمہارا یہ حرامی پن نہیں چلے گا۔'' اس بار سوبھراج کی آواز غصے سے کانپ رہی تھی ''تم نے میرے ساتھ کوئی بڑا گیم کھیلا ہے۔ کہیں سے کوئی خبر نہ ملنے پر، میں نے مجبور ہو کر ایک آدمی کو ادھر بھیجا تھا۔ وہ پہاڑی پر بنے ہوئے مزار کے اندھے مجاور سے مل کر تھوڑی دیر پہلے واپس آیا ہے۔ اس نے مجھے رپورٹ دی ہے کہ وہاں زبردست لڑائی ہوئی تھی۔ دھواں دھار فائرنگ کے ساتھ چیخیں بھی فضا میں گونجتی رہی تھیں۔ اندھے مجاور کو کچھ پتا نہیں چلا کہ وہاں کیا ہوا تھا۔ وہاں کی کھلی ہوئی فضا میں ابھی تک جلے ہوئے بارود کی بو موجود تھی اور تم سفید جھوٹ بول رہے ہو کہ کوئی وہاں نہیں پہنچا۔ وہاں کوئی نہیں تھا تو گولیاں کس نے چلائیں؟ چیخیں کس کی تھیں؟''

''ہو سکتا ہے کہ میرے پہنچنے سے پہلے وہاں کچھ ہوا ہو۔ میں سڑک کے کنارے رکا رہا تھا۔ تین راؤن سے ملنے کے لیے کوئی رام نہیں آیا۔'' اس کے مشتعل ہونے کے باوجود میں اپنی کہانی پر ڈٹا رہا۔ میں کچے میں اترا تو شاید مجھے بھی جلے ہوئے بارود کی تیز بو محسوس ہو جاتی۔ تمہارا آدمی وہاں سے اور کیا خبر لایا ہے۔''

''وہ چوہے کا بچہ تھا۔ وہاں سے ڈر کر بھاگ آیا۔'' اس کی آواز میں نفرت اور حقارت کے کوندے لپک رہے تھے ''وہ کچھ معلوم کر کے آیا ہوتا تو مجھے تم سے کوئی سوال کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ وہاں سات آدمی گئے تھے۔ ان میں سے کسی کی کوئی خبر نہیں مل رہی۔ یہ بتاؤ کہ انہیں زمین کھا گئی یا آسمان؟''

''مجھے سرحد پار پہنچانے کے لیے سات آدمی بھیجے گئے تھے!'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''کیوں چبا چبا کر باتیں کر رہے ہو۔ وہاں گولیاں چلی ہیں، خون بہا ہے۔ یہ مذاق نہیں ہے۔ کل تک اخباروں میں سب کچھ آ جائے گا۔ اب میں تمہارے دھوکے میں نہیں آؤں گا۔ تم میری گھات میں لگے ہوئے ہو اور میں تمہاری تاک میں تھا۔ وہ لوگ تمہاری قبر کھودنے کے لیے گئے تھے۔''

''میرے لیے یہ نئی اطلاع ہے کہ تم میرے اتنے خطرناک دشمن ہو۔ میں اب تک تم پر بھروسا کر رہا تھا۔ اب مجھے خوشی ہے کہ میرے چکر میں تم اپنے سات آدمی کھو چکے ہو۔ میں نے کئی بار تمہیں ڈھیل دے کر تمہارے جھوٹے وعدوں پر اعتبار کیا ہے۔ آج پتا چلا کہ تم روز اول کی طرح اب بھی میرے خون کے پیاسے ہو۔ اب میں تمہیں پاتال میں بھی نہیں چھوڑوں گا۔''

وہ خوف، تذبذب اور انتشار کی ملی جلی کیفیات میں مبتلا تھا۔ اس نے میری طرف سے لاعلمی کے اظہار کا فائدہ اٹھا کر کوئی نئی کہانی تراشنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کھل کر اپنے ارادوں کا اظہار کر دیا تھا۔ اس کے بعد میری طرف سے جوابی سختی کا مظاہرہ ناگزیر ہو گیا تھا۔ سوبھراج سے منافقانہ مفاہمت کے سارے دروازے بند ہو چکے تھے۔ میرا لب ولہجہ یکسر تبدیل ہو گیا۔

''دیکھتا ہوں کہ کون کس کو چھوڑتا ہے۔'' اس کی سفاکانہ آواز ابھری ''اب تک تمہارے بچے رہنے کی وجہ یہ تھی کہ کوئی تم کو نہیں پہچانتا تھا۔ نک سے ٹام تک سب اسی سبب سے تم سے مار کھاتے رہے۔ میں نے پارک ٹاورز میں تم کو دیکھ لیا ہے۔ میں سیکڑوں کی بھیڑ میں تمہیں الگ سے پہچان سکتا ہوں۔ اب تم میرے ہاتھوں کتے کی موت مارے جاؤ گے۔''

''سنی ہٹ کا واقعہ یاد رکھنا۔'' میں نے زہریلے لہجے میں جواب دیا ''وہاں ٹام کے دو کمانڈوز کتے کے ساتھ مارے گئے تھے۔ تمہاری لاش کسی خارش زدہ کتے کی دم سے بندھی ہوئی پائی جائے گی۔ جسے اپنے بھیجے ہوئے سات آدمیوں کی کوئی خیر خبر نہیں وہ زیادہ دیر تک اپنی چمڑی نہیں بچا سکتا۔''

''وہ فریب کا شکار ہوئے ہیں۔ تم نے مجھے دھوکا دیا ہے!'' وہ غرایا۔

''بہت خوب۔ وہ ساتوں شاید میرے لیے حلوا پوری کے خوان لے کر آئے تھے۔''

''تم مان رہے ہو کہ ان سے تمہارا سامنا ہوا تھا؟'' بگڑی ہوئی دماغی حالت کے باعث وہ اپنے بے ساختہ تجسس کو دبانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

''تم جیسے مکار بھیڑیے سے اب کچھ چھپانا بے سود ہے۔ آخر کار تم اپنی اصل کی طرف لوٹ کر پاکستانی ہندوؤں کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکا بن رہے ہو۔ تمہارے بھارتی بدمعاشوں نے مجھے گن پوائنٹ پر لے کر تصادم کی ابتدا کی تھی۔ اس کے بعد وہاں وہ ہوا جو تمہارے وہم وگمان میں بھی نہیں آ سکتا۔''

''یہ جھوٹ ہے۔ ان میں کوئی بھارتی نہیں تھا۔'' وہ غراتی ہوئی آواز میں بولا۔

''سورت کا وجے کہاں سے آیا؟ اس کے دونوں ساتھی

Downloaded from https://paksociety.com

کون تھے؟''

''پتا نہیں تم کہاں کی ہانک رہے ہو۔ وہ تین نہیں، سات تھے، سات!''

''رام بن کے میرے سامنے آنے والا وجے بھی سات کی ٹولی میں آیا تھا۔ تین بھارتی اور چار مقامی۔ اب تم بھی ان سے نہیں مل سکو گے!''

''کیا تم نے ان سب کو مار ڈالا؟'' پہلی بار اس کی آواز سے سراسیمگی کا اظہار ہوا۔

''مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو؟'' میں نے طنز سے کہا ''کل کے اخباروں سے تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ وجے سورتی کی جے ہوگی۔ تمہارا بول بالا ہوگا۔''

''تم بار بار وجے کا نام لے کر مجھے مرعوب کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمہارے ہاتھ لگ گیا ہے۔ اس سے بچ کر رہنا۔ وہ مرتے مرتے بھی اپنے ساتھ دو چار کو لے مرے گا۔''

''ہو سکتا ہے کہ تمہاری بات درست ہو۔ وہ اپنے ساتھ اپنے تین ساتھیوں کو بھی لے مرا ہو۔''

''یعنی چار مارے گئے' تین زندہ ہیں!'' اس نے میرے کہے ہوئے الفاظ سے ایک مفہوم اخذ کر کے تائید طلب لہجے میں کہا۔

''مجھے پتا نہیں کہ کتنے مارے گئے اور کتنے زندہ پکڑے گئے۔'' میں نے اس کی بے تابی سے محظوظ ہوتے ہوئے بے پروائی سے جواب دیا ''تم نے دو چار کو لے مرنے کی بات کی تھی۔ یہ مل کر چھ ہو جاتے ہیں اور اوسط تین نکلتا ہے۔ وہ میں نے دہرایا تھا۔''

''وجے اتنا مردار نہیں ہے کہ اسے کسی چوپائے کی طرح مار لیا جائے' تمہیں خود کچھ پتا نہیں ہے۔ تم بلاوجہ بے پر کی اڑا رہے ہو۔'' میرے جوابات پر وہ جھنجلا گیا۔

''پتا نہ ہوتا تو مجھے کیسے پتا چلتا کہ ان مرداروں میں وجے بھی شامل تھا۔ تھوڑی دیر پہلے تم انکار کر رہے تھے کہ ان میں بھارتی بھی تھے۔ غنیمت ہے کہ اب تم نے اپنی زبان سے وجے کے خواص گنوانا شروع کر دیے ہیں۔''

''مجھ سے وکیلوں جیسی جرح مت کرو۔ میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔''

''اپنا یہ شوق بھی پورا کر لو۔ مجھے بتاؤ کہ میں اپنا منہ تڑوانے کے لیے کہاں پہنچوں!''

سوبھراج اپنے آپے سے باہر ہو گیا۔ فون پر گندی گالیاں برسنے لگیں۔ وہ مزید کوئی بات کرنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ ذرا سی دیر کی ذہنی ورزش نے اس کا دماغ ماؤف کر کے رکھ دیا تھا۔ میں نے خاموشی سے فون بند کر دیا۔

''تم اسی بے رحمی سے ہر ایک کو زچ کر دیتے ہو۔'' ویرا بولی ''تمہارے حریف کے اعصاب کمزور ہوں تو وہ ذرا سی دیر میں اپنے ہوش و حواس کھو دیتا ہے۔''

''یہ اس کی مجبوری ہے کہ وہ اپنی کمین نگاہ سے باہر نکلنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ تیر چلا دیتا ہے مگر اسے یہ پتا نہیں چلتا کہ تیر نشانے پر لگا ہے یا بھٹک کر برباد ہو گیا ہے۔'' میں نے کہا۔

''یہ اس کی آخری اور بھرپور کوشش تھی۔ وجے اور اس کے ساتھیوں کے عبرتناک انجام سے واقف ہونے کے بعد وہ زیادہ دیر تک یہاں نہیں ٹکے گا۔'' اول خان نے مطمئن انداز میں اپنی رائے دی۔

''سوبھراج سے بات کرنے کے بعد میری دلی خواہش ہے کہ جلال نے بلاتاخیر اخبارات کو خبر جاری کرا دی ہو۔ سب کچھ صبح کے اخبارات میں چھپ جائے تو سوبھراج کے ہاتھوں کے طوطے اڑ جائیں گے اور وہ یہاں سے بھاگ نکلے گا۔'' میں نے اول خان کی رائے کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

''وہ سمجھ دار آدمی ہے۔'' غزالہ دھیرے سے بولی ''اس نے ہم سے پہلے ان نزاکتوں کے بارے میں سوچ لیا ہوگا۔''

''کیوں نہ اسے ایک فون کر لیا جائے!'' سلطان شاہ نے تجویز پیش کی۔

''ملکی سرزمین پر پانچ غیر ملکی دہشت گردوں کی ہلاکت اور گرفتاری کا واقعہ معمولی نہیں ہے۔'' میں نے اسے سمجھایا ''اس وقت وہ بہت زیادہ مصروف ہوگا۔ وقت ہوتا تو وہ ہمارے پاس سے اتنی عجلت میں رخصت نہ ہوتا۔''

''رات گزر رہی ہے۔ چند گھنٹوں بعد سب کچھ سامنے آ جائے گا۔'' اول خان نے ہلکی سی جمائی لیتے ہوئے کہا ''تم سے جو کچھ ہو سکتا تھا' وہ کر گزرے ہو۔ اب ہمیں صبر کے ساتھ ان کاوشوں کے نتائج کا انتظار کرنا چاہیے۔ زیادہ اضطراب سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔''

''وہ بھی صبح بنکاک فرار ہونے کے لیے اسی پرواز پر سوار ہو جس سے تم جا رہی ہو تو مزہ آ جائے۔'' ویرا غزالہ سے کہہ رہی تھی۔

''معلوم ہوتا ہے کہ تم عقل کی کوئی بات کہنا گناہ سمجھتی ہو!'' سلطان شاہ کو پھر اس سے الجھنے کا موقع مل گیا۔

''کیا تم نے انسانی خواہشوں کو بھی عقل کے پیمانے پر ناپنا شروع کر دیا ہے؟'' ویرا نے ترش روئی سے سوال کیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

''سوچنے پر کوئی پابندی نہیں ہے لیکن آدمی کو محفل میں کوئی بات اپنی زبان پر لانے سے پہلے اسے عقل کے پیمانے میں تول لینا چاہیے۔ پہلے تولو پھر بولو کی بنیاد یہی ہے۔''

''اس وقت میں نے ایسی کون سی بات کہہ دی جو تمہاری نحیف عقل سے باہر ہے؟'' ان دونوں کے درمیان باقاعدہ بحث کا آغاز ہوگیا۔

اول خان اکتائے ہوئے انداز میں باری باری انہیں دیکھ رہا تھا' مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ بہت زیادہ تھکا ہوا تھا۔ فرصت میسر آجانے کے باعث کچھ دیر کے لیے شدت سے آرام کی طلب محسوس کر رہا تھا لیکن محفل کو چھوڑ کر اکیلا اٹھنے کی اخلاقی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔ میں نے ان دونوں کی بحث کے درمیان میں اول خان سے مخاطب ہو کر کہا'' یہاں سب کے سروں پر اُلّو کا سایہ ہے' یہ رات بھر جاگتے رہیں گے۔ تم جا کر آرام کرلو۔''

اول نے مسکرا کر ممنونیت بھری نظروں سے میری طرف دیکھا اور کسی سے کچھ کہے بغیر وہاں سے اٹھ کر چل دیا۔

میری مداخلت کی بنا پر سلطان شاہ ویرا کو جواب دیتے دیتے رک گیا تھا۔ اول خان کے وہاں سے جاتے ہی اس کی زبان دوبارہ چل پڑی' وہ کہہ رہا تھا'' اول تو اسے اتنی رات گئے بنکاک جانے والی کسی بھی پرواز پر کھڑے گھاٹ سیٹ نہیں مل سکتی۔ دوسری اور سب سے اہم بات جو تم فراموش کر رہی ہو وہ یہ ہے کہ سوبھراج کا نام ایگزٹ کنٹرول لسٹ پر موجود ہے۔ ائرپورٹ کا رخ کرتے ہی وہ دھرلیا جائے گا۔ اس وقت وہ کتنا ہی خبط الحواس کیوں نہ ہو رہا ہو' بھول کر بھی ایسی سنگین غلطی نہیں کرے گا۔ اب تم خود سوچ لو کہ تم کیا کہہ رہی تھیں۔''

اس بار سلطان شاہ کا لہجہ جارحانہ نہیں رہا تھا۔ گفتگو میں ناگہانی وقفہ آنے کی وجہ سے اس کے لہجے کا تسلسل ٹوٹ چکا تھا۔ اس کا نتیجہ خوشگوار نکلا۔ بات ویرا کی سمجھ میں آگئی۔ اس نے بحث آگے بڑھانے کے بجائے تنبیہی انداز میں اپنے سر کو جنبش دیتے ہوئے کہا'' ہاں! جوش انتقام میں ایگزٹ کنٹرول لسٹ میرے ذہن سے نکل گئی تھی۔ وہ کسی بھی طرح ڈینی کا ہم سفر ہونے کی سعادت حاصل نہیں کرسکتا۔ وہ گھبرا کر بھاگا تو زمینی راستے سے ایران کا رخ کرے گا۔''

''وہاں سے وہ کہیں بھی نکل سکتا ہے!'' غزالہ نے لقمہ دیا۔

''ایسی بدفال منہ سے نہ نکالو۔'' سلطان شاہ بولا'' دعا کرو کہ وہ صرف اور صرف بنکاک ہی کا رخ کرے۔ یہاں اس پر ہاتھ ڈالنا مشکل ہے۔ وہ کسی بزدل چاہے کی طرح اپنے بل میں چھپا رہتا ہے۔ بنکاک میں وہ تمہارے کھلے نشانے پر آجائے گا۔''

''اللہ نے چاہا تو یہی ہوگا۔'' غزالہ نے بھی اس کی بات مان لی۔

''ہم نے ایک ایک کر کے ہر اہم موضوع پر مغز زنی کرلی ہے۔'' چند ثانیوں کے توقف کے بعد میں نے ویرا سے مخاطب ہو کر کہا'' تمہاری اجازت ہو تو ہم لوگ بھی کچھ دیر کے لیے آرام کرلیں۔''

''بیٹھے رہو!'' وہ داہنا ہاتھ جھٹک کر بولی'' آج کے بعد ایک لمبی مدت کے لیے آرام ہی آرام کرتے رہنا۔ سفر سے پہلے یہ ہماری آخری رات ہے۔ مل جل کر گزارو گے اور جاگتے رہو گے تو فلائٹ پر سوتے ہوئے جاؤ گے۔ سفر میں سونے کا مزہ ہی اور ہوتا ہے۔''

''سفر کو وسیلہ ظفر کہا جاتا ہے۔ آدمی کو کھلی آنکھوں اور حاضر دماغی کے ساتھ سفر کرنا چاہیے تاکہ وہ راستے کے ہر تجربے سے کچھ نہ کچھ سیکھے۔'' میں نے جواب دیا۔

''تم نے گرکی بات بتائی ہے۔'' وہ زور زور سے اپنا سر ہلاتے ہوئے بولی'' ابھی ہم اپنے اپنے بستروں میں دبکے ہوئے ہوتے تو میں تمہارے اس سنہرے مشورے سے محروم رہ جاتی۔ جاگتے رہنے میں فائدہ ہی فائدہ ہے جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے!''

''سندھی میں گدھے کو کھوتا کہتے ہیں۔'' سلطان شاہ نے اپنی علمیت بگھاری۔

''اس سے بھی محاورے کے مفہوم میں فرق نہیں پڑتا بلکہ بات زیادہ واضح ہوجاتی ہے۔'' رات گہری ہونے کے ساتھ ویرا کی چونچالی میں اضافہ ہوتا جارہا تھا'' بعض جگہوں پر لفظوں کے یا معنی کے ہیر پھیر سے بات بالکل بدل جاتی ہے۔''

''کوئی مثال دے کر بتاؤ!'' سلطان شاہ نے مطالبہ کیا۔

''تم میں سے کسی نے داشتہ آید بکار کا کوئی انوکھا مطلب بتایا تھا۔'' ویرا نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد جواب دیا۔

''یہ تو سیدھا سا محاورہ ہے کہ رکھی ہوئی چیز کبھی نہ کبھی کام آہی جاتی ہے۔''

''دوسرا مطلب یہ بتایا گیا تھا کہ داشتہ کار سے آتی ہے۔'' ویرا نے ذہن پر زور دے کر کہا۔

''یہ کیا بات ہوئی۔'' غزالہ نے اعتراض کیا'' کوئی کسی سے بھی آئے اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ ایک سیدھا

Downloaded from https://paksociety.com

سا بیانیہ فقرہ رہ جاتا ہے۔''

''مجھے بتایا گیا تھا کہ روز مرہ کی بول چال میں اس محاورے کا پہلا حصہ عام طور سے حذف کر دیا جاتا ہے لیکن سمجھنے والے پوری بات سمجھ لیتے ہیں۔'' ویرا نے پوری سنجیدگی سے کہا۔

''یاد کر کے دونوں حصے بتاؤ۔ پتا چل جائے گا کہ یہ پٹی کس نے پڑھائی ہے۔'' سلطان شاہ اسے پوری طرح گھسنے پر تلا ہوا تھا۔ میرے کان ان تینوں کی گفتگو پر مرکوز تھے مگر بظاہر میں نے بے تعلقی اختیار کی ہوئی تھی۔ غزالہ کی موجودگی میں، میں ترمیم کا سہرا اپنے سر نہیں لے سکتا تھا۔

''زن آید پیادہ داشتہ آید بکار!'' ویرا کو وہ جدت یاد آ ہی گئی۔

سلطان شاہ کے ساتھ غزالہ بھی بے ساختہ ہنس پڑی۔

''یہ کسی رنگین مزاج مرد کا تصرف معلوم ہوتا ہے۔'' غزالہ نے ہنسی کے درمیان کہا ''بیوی پیدل آتی ہے اور داشتہ گاڑی سے۔ یہ بالکل لغو بات ہے۔ کسی نے تمہیں بے وقوف بنایا ہے۔ آئندہ کسی کے سامنے یہ خود ساختہ محاورہ نہ دہرا دینا۔''

ویرا کی غصیلی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔ ''میرا کہیں آنا جانا نہیں ہے۔ صرف ڈینی ہی مجھے زبان کے بارے میں گمراہ کر سکتا ہے۔''

''بلاوجہ میرا نام مت لو۔'' میں نے بگڑ کر کہا ''میں ایسی احمقانہ باتوں میں نہیں پڑتا۔ پشتو کے ساتھ سلطان شاہ کی اردو اور فارسی بھی بہت اچھی ہے۔ اس سے تمہاری گھٹتی رہتی ہے۔ وہی تم کو ایسی باتیں سکھا سکتا ہے۔''

میں اپنے ساتھیوں میں کسی پر براہِ راست الزام تراشی نہیں کیا کرتا تھا۔ اس وقت لفظی تصرف کا وہ ناموزوں الزام بجا طور پر میرے سر آیا تو بوکھلاہٹ میں مجھے سلطان شاہ ہی ایک ایسا حلیف نظر آیا جس کی ذات کا سہارا لے کر میں غزالہ کی نگاہوں میں سرخ رو رہ سکتا تھا۔

سلطان شاہ ویرا کے ساتھ عام طور پر کھٹ حجتی کا مظاہرہ کیا کرتا تھا لیکن وہ عقل و دانش کے کسی بھی پیمانے سے غبی نہیں تھا۔ ہمیشہ اپنے ذہین ہونے کے ثبوت فراہم کرتا رہتا تھا۔ اس وقت وہ میری زبان سے غیر متوقع طور پر اپنی نامردگی سن کر لمحہ بھر کے لیے پریشان نظر آیا پھر اسے میری پوزیشن کا صحیح اندازہ ہو گیا۔

میرے جواب کے نتیجے میں ویرا کی نگاہیں میرے چہرے سے ہٹ کر سلطان شاہ کے چہرے پر جم گئی تھیں۔

غزالہ بھی اس صورت حال سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اس کی طرف متوجہ تھی۔ دونوں کی عدم توجہی کا فائدہ اٹھا کر میں نے سلطان شاہ کو آنکھ ماری اور اس کے ذہن پر رہی سہی دھند اسی لمحے میں صاف ہو گئی۔

''ہو سکتا ہے کہ تمہاری فضول باتوں کے جواب میں، میں نے تمہیں بیوی اور داشتہ کا فرق سمجھانے کے لیے یہ محاورہ ایجاد کیا ہو۔'' اس نے پرخلوص انداز میں الزام اپنے سر لیتے ہوئے کہا ''سامنے والا ڈھنگ کی بات نہ کر رہا ہو تو یہی سب ہوتا رہتا ہے۔''

''تم کو شرم آنی چاہیے۔'' ویرا نے اسے ملامت کی ''اردو میری مادری زبان نہیں ہے۔ اپنی زبان سیکھنے کے شوقین غیر ملکی کی رہنمائی کرنے کے بجائے تم اسے گمراہ کرتے ہو!''

''تم اردو کہاں سیکھ رہی ہو؟'' سلطان شاہ نے اس کا مضحکہ اڑایا ''تم ہمیشہ ہماری زبان کی والدہ صاحبہ ہونے کے دعوے کرتی رہی ہو۔ تمہیں اندازہ ہو جانا چاہیے تھا کہ میں تمہاری بے مغز باتوں کے جواب میں کیا سکھا سکتا ہوں۔''

''یہ بھی غنیمت ہے۔'' میں نے سلطان شاہ کا ساتھ دینا ضروری سمجھا ''مفت میں اجنبی زبان سیکھنے کے شوقینوں کا پہلا واسطہ گندی گالیوں سے پڑتا ہے۔ مجھے امید ہے کہ سلطان شاہ نے اس میدان میں تم کو کچھ نہیں سکھایا ہو گا۔''

وہرا نہس پڑی ''اس ضمن میں میری اردو بہت مضبوط ہے۔ سلطان شاہ کامیاب نہیں ہو سکتا تھا۔ سب سے پہلے میں نے بھی اردو گالیاں سیکھی تھیں، کہو تو دو چار سناؤں!''

غزالہ اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتی ہوئی اس لمحے اپنی جگہ سے اٹھ گئی ''اپنی معلومات کا خزانہ اپنی ذات تک محدود رکھو تو بہتر رہے گا۔ اب میں یہاں نہیں بیٹھ سکتی۔''

ویرا سے روکتی رہ گئی۔ وہ وعدے کر رہی تھی کہ اپنی زبان پر اردو کا کوئی ناز یبا لفظ نہیں لائے گی لیکن غزالہ نے اس کی ایک نہ سنی۔ مڑے بغیر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

''اول خان کے بعد یہ بھی گئی۔'' ویرا ایک گہرا سانس لے کر بولی ''اب تم بھی اس کے پیچھے چلے جاؤ گے۔ یہاں ہم دونوں رہ جائیں گے۔''

''تمہاری لمبی زبان سے سب گھبراتے ہیں۔'' سلطان شاہ بولا ''تم اچانک وزنی گالیاں بکنا شروع کر دیتیں تو وہ بے چاری شرم سے پانی پانی ہو جاتی۔''

''وہ اتنی حیادار نہیں ہے۔ یہ باتیں اس کو سنانا جس نے غزالہ کو انگلینڈ میں نہ دیکھا ہو۔ وہ خاصی مردمار عورت ہے۔ یہاں مسکین بنی رہتی ہے تو اس سے دھوکے میں نہ پڑو۔ عورت

Downloaded from https://paksociety.com

کی یہی ادائیں مرد کو فنا کر دیتی ہیں۔ وہ جانتی ہے کہ اس کا مرد کیا پسند کرتا ہے۔ وہ تم لوگوں کے سامنے ہر وقت وہی روپ دھارے رہتی ہے۔''

''اس کے جاتے ہی تم نے اس کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیا'' میں نے خفگی سے کہا'' انگلینڈ میں تمہارے آدمی اس کی عزت اور جان کے دشمن بنے ہوئے تھے۔ یہ نہ بھولو کہ پیر کے نیچے آئی چیونٹی بھی زچ ہو کر کاٹ لیتی ہے۔ دوسری صورت میں وہ بے ضرر چیونٹی ہی بنی رہتی ہے۔ اس کی فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔''

سلطان شاہ کی موجودگی میں مجھے کبھی غزالہ کی حمایت کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ وہ خود ہی پنجے جھاڑ کر دیرا کے پیچھے پڑ جاتا تھا اسے عاجز کر دیتا تھا۔ ان دونوں کے درمیان نئی تکرار کی ابتداء ہوئی تو میں کچھ دیر خاموشی سے بیٹھا دونوں کی تر کی بہ تر کی گفتگو سنتا رہا پھر اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ دونوں میں سے کسی نے مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

غزالہ اپنے بیڈروم کا دروازہ بند کر کے صبح روانگی کی تیاری میں مصروف تھی۔ اس نے ایک مختصر سے سوٹ کیس میں میرے اور اپنے چند جوڑے ڈال لیے تھے۔ دیگر ضروری اشیاء ایک دستی بیگ میں رکھ لی تھیں۔ اس کے حساب سے وہ تیاری مکمل تھی۔

بنکاک کے لیے ہمیں کسی آتشین ہتھیار کی ضرورت نہیں تھی۔ میری معلومات کے مطابق وہ بھی کراچی کی طرح کھلا شہر تھا جہاں پیسے کے زور پر دنیا کی ہر شے آسانی سے دستیاب ہو سکتی تھی۔ اپنی ضرورت کے مطابق ہم وہاں سے کوئی بھی ہتھیار خرید سکتے تھے۔

تین چیزیں ایسی تھیں جو ہمارے لیے ناگزیر تھیں اور دنیا کی کسی کھلی منڈی میں میسر نہیں تھیں۔ ان میں سے زہریلی انگوٹھیاں میری انگلیوں میں موجود تھیں۔ غزالہ نے سی ایس ڈی سوٹ کیس میں ڈال دی تھی مگر بیم گن باقی رہ گئی تھی۔

غزالہ کو خوف تھا کہ مشین پر سامان کی اسکیننگ میں وہ ہتھیار کسی کی نظروں میں آ گیا تو نہ صرف ہم اس نادر الوجود سے محروم ہو جائیں گے بلکہ دوسری سنگین مشکلات سے بھی دوچار ہو سکتے تھے۔ اس کے وہ اندیشے بے بنیاد نہیں تھے۔

بیم گن کو ساتھ لے جانے اور خطرات سے بچنے کی صرف ایک ہی ممکنہ صورت تھی کہ اسے کسی مضبوط آہنی بکس میں بند کر دیا جائے تاکہ اسکرین پر بیم گن کے بجائے بکس نظر آئے۔

اس مسئلے کو صبح تک التوا میں ڈال کر میں بستر پر دراز ہو گیا۔ میرا خیال تھا کہ اس بارے میں اول خان بھی کوئی بہتر مشورہ دے سکتا تھا۔

☆☆☆

نو بجے سے پہلے اول خان ہمیں ہماری سفید کرولا میں لے کر ائرپورٹ پہنچ گیا۔ ہماری روانگی کے لیے کوئی اہتمام نہیں کیا گیا تھا۔ ہم چاروں کو دو الگ الگ پروازوں پر عام مسافروں کی طرح روانہ ہونا تھا اس لیے اس نے اپنی سرکاری گاڑی کا استعمال موزوں نہیں سمجھا تھا۔

اس نے ہمیں قائداعظم انٹرنیشنل ائرپورٹ کی بالائی منزل پر انٹرنیشنل ڈپارچر لاؤنج کے سامنے اتارا اور ایک ٹریفک کانسٹیبل کی ہدایت پر گاڑی کو پارکنگ کے لیے آگے نکال لے گیا۔

گاڑی سے اترتے ہی دیرا اور سلطان شاہ ہم سے الگ ہو گئے۔ ان کے پاس زیادہ سامان تھا نہ ہمارے پاس' دونوں پارٹیوں کی منزلیں ایسی تھیں جہاں ضرورت کی ہر چیز آسانی سے دستیاب ہو سکتی تھی۔ کراچی سے غیر ضروری سامان لاد کر اس سفر پر نکلنا حماقت کے مترادف ہوتا۔

میں غزالہ کے ساتھ برآمدے کے ایک گوشے میں ستون کی اوٹ میں چلا گیا۔ وہ دونوں ریلنگ کے سہارے جا کھڑے ہوئے۔ ان کے رخ اندرونی لاؤنج کی طرف تھے۔ باہر گھومنے پھرنے والے ان کے پورے چہرے نہیں دیکھ سکتے تھے۔

پارکنگ لاٹ سے اول خان کی واپسی میں تاخیر ہوئی تھی کیونکہ فاصلہ زیادہ تھا۔ میں نے وقت گزاری کے لیے سگریٹ سلگالی۔

اول خان کے مشورے سے بیم گن کا مسئلہ بڑی حد تک حل ہو گیا تھا۔ اسے جیومیٹری بکس جیسے ایک ڈبے میں بند کرنے کے بعد غزالہ کے ایک خالص ریشمی سوٹ میں لپیٹ کر سوٹ کیس میں رکھ دیا گیا تھا۔ اول خان کی رائے تھی کہ اس طرح جستی ڈبے کی واضح تصویر بہت مشکل سے اسکرین پر دیکھی جا سکتی تھی۔ سرسری دیکھ بھال میں اس کا پکڑا جانا ممکن نہیں تھا۔

میرے ذہن پر دوسرا مسئلہ جو سوار تھا' اس خطیر رقم کے تحفظ کا تھا جو جہانگیر کے دیران فلیٹ میں بند تھی۔ اس فلیٹ کی بھی نگرانی ہو رہی تھی لیکن فول پروف بندوبست کے لیے اول خان نے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ جہانگیر کی اجازت سے کسی کو وہاں بسا دے گا۔

Downloaded from https://paksociety.com

اس عمارت کا حفاظتی نظام بہت مضبوط تھا۔ اس کے باوجود ہمارے دشمن دو مرتبہ ہر ایک کو چکما دے کر جہانگیر تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ایک بار وہ اپنی حاضر دماغی اور شراب کی خالی بوتل کی وجہ سے بال بال بچ گیا تھا جب کہ دوسری بار اسے بہت کامیابی سے اغوا کر لیا گیا تھا۔ فلیٹ خالی رہتا تو عین ممکن تھا کہ وہاں کوئی تیسری واردات بھی ہو جاتی۔ وہاں کسی ہوشیار اور اسلحہ بند آدمی کی ہمہ وقت موجودگی ایسے ہر خطرے کا سدِ باب کر سکتی تھی۔

میری سگریٹ ختم ہونے سے پہلے اول خان خود کار زینوں سے اوپری منزل پر نمودار ہوا۔ اس وقت تک سب کچھ پروگرام کے مطابق ہو رہا تھا۔ ٹریفک کا ٹیبل اسے نہ ٹوکتا تب بھی گاڑی کو پارکنگ ہی میں کھڑا کرنا تھا۔

متحرک زینوں سے فلور پر آتے ہی اول خان نے ادھر ادھر دیکھا۔ مجھ سے نگاہیں چار ہوتے ہی اس نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی اور لاؤنج کے داخلی دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ میں نے اس کی تقلید میں اپنی جگہ چھوڑ دی۔

وہ موٹے پائیوں کی ریلنگ سے آگے بڑھا تو ویرا اور سلطان شاہ نے بھی اسے دیکھ لیا۔ وہ دونوں ہمارے پیچھے لاؤنج میں داخل ہوئے۔

ان دنوں اعلان شدہ پرواز کے ٹکٹ یا خصوصی پاس کے بغیر ائرپورٹ کی عمارت میں کسی غیر متعلقہ شخص کا داخلہ ناممکن تھا لیکن اول خان کا ایس ٹی ایف کا کارڈ ایک ایسا شعبدہ تھا جس کے سامنے ہر بند راستہ کھل جاتا تھا۔ وہ تقریباً رکے بغیر ہال میں داخل ہوا تھا۔

روشن اور کشادہ ہال میں داخل ہو کر اول خان اطمینان سے ایک ایسے خالی صوفے پر جا بیٹھا جہاں سے وہ تقریباً ہر طرف نظر رکھ سکتا تھا۔

میں نے سامنے رکھے ہوئے کنویر پر سوٹ کیس اور بیگ رکھ دیا اور خود دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ گھوم کر آگے پہنچا تو دونوں عدد اسکیننگ کے بعد مشین سے نکل آئے۔ اسکرین پر سامان کی پڑتال کرنے والے کو سوٹ کیس پر کوئی شبہ نہیں ہوا تھا۔

اگلا مرحلہ چیک اِن کا تھا۔ میں نے سامنے قطار سے بنے ہوئے کاؤنٹر پر نگاہ ڈالی۔ بیشتر مصروف تھے اور ان پر متعلقہ پرواز کے نمبر جلی ہندسوں میں روشن تھے۔ بعض کاؤنٹر خالی اور تاریک پڑے ہوئے تھے جو کسی بھی وقت فعال ہو سکتے تھے۔

اپنی پرواز کا نمبر دیکھ کر میں کاؤنٹر کی طرف بڑھا تو اس وقت تک وہاں بھیڑ نہیں ہوئی تھی۔ بروقت پہنچ جانے کی وجہ سے وہاں چند مسافر قطار میں کھڑے ہوئے تھے۔ وہاں پہنچنے تک میری نگاہیں ویرا اور سلطان شاہ کی پرواز کے نمبروں کی تلاش میں سرگرداں رہیں لیکن وہ حروف اور ہندسے کہیں نظر نہیں آئے۔ وہ دونوں ہماری وجہ سے قبل از وقت وہاں آ گئے تھے۔ انہیں اپنا کاؤنٹر کھلنے کا انتظار کرنا تھا۔

میں نے مڑ کر ہال سے داخلی گیٹ تک کا جائزہ لے ڈالا لیکن ان دونوں کا کہیں پتا نہیں تھا۔ اول خان بدستور اپنی جگہ پر براجمان تھا اور گردوپیش سے بظاہر بے پروا نظر آ رہا تھا۔

ہم چاروں نے گھر سے نکلنے سے پہلے اپنے بالوں کے اسٹائل میں تبدیلی اور چشموں کے استعمال سے اپنے حلیوں کو اس حد تک بدل لیا تھا کہ ہمیں ایک بار دیکھنے والا سرسری نظر میں دوبارہ نہیں پہچان سکتا تھا۔ ان تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود ہم محتاط تھے۔ مجھے خوشی ہوئی کہ ان دونوں نے وقت گزارنے کے لیے اس کھلے ہال کے کسی ایسے حصے کا انتخاب کیا تھا جہاں وہ میری نظروں سے بھی بچے ہوئے تھے۔

اول خان کو اپنی جگہ پر دیکھنے کے باعث مجھے یہ اطمینان تھا کہ ان دونوں کو ابتدائی مرحلے پر نہیں روکا گیا ہوگا۔ انہیں کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو اول خان فوری طور پر ان کی مدد کے لیے پہنچ جاتا۔

قطار سرکتی رہی اور آخرکار ہمارا نمبر بھی آ گیا۔ کمپیوٹر پر پاسپورٹ اور ٹکٹ کے کوائف ڈالتے ہی ہمارے بورڈنگ کارڈز پرنٹر سے چھپ کر باہر آ گئے۔

سوٹ کیس وزن کرنے کی مشین سے ہوتا ہوا پہلے ہی لوڈنگ کے لیے روانہ ہو چکا تھا۔ ہم نے بورڈنگ کارڈز لے کر اپنے دستی سامان پر ٹیگ لگائے اور امیگریشن کاؤنٹر کی طرف ہو لیے۔

چیک ان کاؤنٹر پروازوں اور درجوں کی وجہ سے بٹے ہوئے تھے لیکن وہاں سے فارغ ہونے والوں کے لیے امیگریشن کے صرف تین کاؤنٹر کام کر رہے تھے جن میں سے ایک خواتین کے لیے مخصوص تھا۔ دو پر مردوں کی قطاریں تھیں۔

میری باری آئی تو ترش رو امیگریشن افسر نے پاسپورٹ پر لگی ہوئی تصویر پر ایک نظر ڈال کر مشکوک نظروں سے میری طرف دیکھا اور دوبارہ پاسپورٹ کی ورق گردانی میں مصروف ہو گیا۔

''پہلی بار باہر جا رہے ہو؟'' اس نے مجھے گھورتے ہوئے خشک لہجے میں پوچھا ''اس کے تیور دیکھ کر میرے فرشتے کوچ کر گئے۔

Downloaded from https://paksociety.com

میں پہلے بھی باہر جاتا رہا تھا مگر اس وقت مجھے وہی کہنا تھا جو میرا پاسپورٹ بتا رہا تھا ''ہاں! یہ میرا پہلا سفر ہے۔'' میرے حلق سے پھنسی پھنسی آواز برآمد ہوئی۔

''ادھر آجاؤ۔'' اس نے پاسپورٹ اپنے پاس رکھ کر برابر والی خالی ڈیسک کی طرف اشارہ کیا۔ اس کا فقرہ مکمل ہوتے ہی ایک باوردی شخص وہاں نمودار ہو چکا تھا۔

میں نے قطار سے الگ ہوتے ہوئے قرب وجوار کا جائزہ لیا۔ اول خان میری نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ غزالہ عورتوں کی قطار میں اپنی باری آنے پر پہلے ہی اندر جا چکی تھی۔

مجھے اپنے بدن کے مساموں سے پسینہ پھوٹتا ہوا محسوس ہوا۔ پیٹ بھی عجیب سی گرہیں پڑ رہی تھیں۔ مجھے یقین ہو گیا کہ میرا جعلی پاسپورٹ پکڑا گیا تھا۔ پرواز سے پہلے میرے پر قینچ ہونے والے تھے اور کسی مددگار کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

میں قطار سے نکل کر دوسرے کاؤنٹر پر پہنچا تو وہاں موجود شخص نے میری طرف جھک کر دھیمی آواز میں کہا ''تمہارا پاسپورٹ ضبط ہو گیا ہے۔ تمہیں بورڈنگ کارڈ لوٹانا ہوگا۔''

''مگر کیوں.....؟ میرے پاسپورٹ پر کیا اعتراض ہے؟'' میں نے ڈرتے ڈرتے اس سے سوال کیا۔ وہ پہلے افسر کے مقابلے میں ذرا نرم مزاج کا مالک نظر آرہا تھا۔

''یہ سب ضابطے کی کارروائی کے بعد بتایا جائے گا۔ ابھی تم سفر نہیں کر سکتے۔''

''اس پابندی کا سبب جاننا میرا حق ہے۔'' میں نے دبی آواز میں احتجاج کیا۔

''میرا افسر ہوشیار آدمی ہے اور غصے والا ہے۔'' اس بار اس کا لہجہ رازدارانہ ہو گیا ''تم کو نہیں معلوم کہ ہم لوگوں کو کتنے اختیارات حاصل ہیں۔ اس سے حق اور قانون کی بات کرو گے تو وہ تمہیں آف لوڈ کرا کے لاک اپ کرا دے گا۔ جانا ہے تو دو سو ڈالر دو اور اپنی جان چھڑاؤ۔ اس نے تمہارے پاسپورٹ میں کچھ دیکھ کر تم کو روکا ہے۔''

بات میری سمجھ میں آگئی۔ وہ اختیارات بیان کر کے مجھے ڈرا رہا تھا۔ میرا قصور صرف اتنا تھا کہ کاغذات کے مطابق میں پہلی بار کسی غیر ملکی سفر پر جا رہا تھا۔ وہ دونوں مجھے ڈرا دھمکا کر ڈالر وصول کرنا چاہ رہے تھے۔ وہ دھندا کھلے بندوں ہو رہا تھا اور کوئی ان سے باز پرس کرنے والا نہیں تھا۔

میرا مسئلہ یہ تھا کہ غزالہ اندر جا چکی تھی۔ میں اس سے اَڑنے کی کوشش کرتا تو میرا اس پرواز سے روانہ ہونا محال تھا۔ غزالہ پریشان ہو جاتی۔ سارا منصوبہ درہم برہم ہو جاتا۔

اس کی نیت ظاہر ہونے کے بعد میرے اندر ابھرنے والا خوف ماند پڑ چکا تھا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا ''کیوں تنگ کرتے ہو کوئی ڈھنگ کی بات کرو تو میں تیار ہوں۔ دو سو ڈالر بہت زیادہ ہوتے ہیں۔''

''چلو! جلدی سے سو ڈالر کا نوٹ نکالو!'' وہ بھی جھٹ پٹ معاملہ نمٹانے کے موڈ میں تھا۔

میں نے دل ہی دل میں سو ڈالروں کو مقامی کرنسی میں تبدیل کیا اور رقم نکالنے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ اسی لمحے عقب سے اول خان کی آواز آئی ''کیا بات ہے؟ تمہیں کیوں روکا گیا ہے؟'' اس کی تحکم آمیز اور اونچی آواز سن کر مجھ سے مک مکا کرنے والے کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

اول خان کی بے جا مداخلت پہلے ترش رو افسر کو بہت گراں گزری۔ وہ اپنے سامنے موجود قطار کو بھول کر خطرناک تیوروں کے ساتھ اپنی کرسی سے اترا اور اول خان سے بھی زیادہ دبنگ آواز میں بولا ''تم کون ہوتے ہو سرکاری کام میں مداخلت کرنے والے؟''

اول خان میرے قریب آچکا تھا۔ میں نے اس کے کان میں سرگوشی کی ''بات مت بڑھاؤ۔ صرف سو ڈالر کا معاملہ ہے۔''

''سو ڈالر!'' اول خان دہاڑا ''میں ان حرام خوروں کو ایک پیسہ نہیں دوں گا۔ ایسی کالی بھیڑوں نے سارے سرکاری اہل کاروں کو بدنام کیا ہوا ہے۔''

قطاروں میں اضطراب کی حالت میں کھڑے ہوئے مسافر وہ تماشا دیکھ کر حیران تھے۔ قریب سے گزرتے ہوئے پورٹرز وغیرہ بھی اونچی آوازیں سن کر رک گئے۔ اس بار اول خان کے الفاظ اور لب و لہجے نے ان دونوں راشیوں کو ہراساں کر دیا۔

''سس.....سر! آپ کون ہیں؟'' نرم خو افسر نے خوشامدانہ لہجے میں اول خان سے پوچھا۔ اس کا ترش رو ساتھی تشویش زدہ نظروں سے اول خان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اول خان نے اپنی جیب سے اپنا شناختی کارڈ نکال کر اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا اور اس نے بوکھلا کر ڈیسک کے پیچھے کھڑے کھڑے اسے سلیوٹ جھاڑ دیا۔

اول خان نے بڑے افسر کو منہ لگانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ نخوت کے ساتھ کارڈ دوبارہ اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اس کی خشمناک نگاہیں سلیوٹ کرنے والے پر مرکوز تھیں۔

Downloaded from https://paksociety.com

''سر! فیڈرل اتھارٹی!'' نرم خو افسر نے اپنے ترش روساتھی کی طرف متوجہ ہوکر رود ینے والی آواز میں انکشاف کیا۔

دوسرے نے وہیں کھڑے کھڑے میرے پاسپورٹ میں سے روانگی کا کارڈ نکالا' ایک صفحے پر مہر لگائی اور پاسپورٹ مجھے لوٹاتے ہوئے بولا ''سر! آپ ادھر سے نکل جائیں۔''

ہر رشوت خور کی طرح وہ بھی بہت بزدل اور بے ضمیر تھا۔ ذرا سی دیر پہلے مجھ سے توہین آمیز لہجے میں بات کررہا تھا۔ اول خان کے دخل انداز ہوتے ہی آپ جناب پر آگیا۔

میں ملک اور قوم کے ان دشمنوں سے لڑ رہا تھا جو باہر سے آکر ہمارے مفادات کو نقصان پہنچانے کی کوششیں کررہے تھے۔ کوئی ہیروئن فروشی میں مصروف تھا اور کوئی دہشت گردی کی کارروائیاں کررہا تھا۔ ان سب سے بڑے ملک دشمن وہ تھے جنہیں اپنے لوگوں کی خدمات کا مقدس فریضہ سونپ کر کرسیوں پر بٹھایا گیا تھا۔ انہیں شہریوں کے ٹیکسوں کی رقوم سے بھاری تنخواہیں اور سہولیات دی جاتی تھیں۔ اس کے باوجود وہ اپنے ہم وطنوں کو سستا کردونوں ہاتھوں سے رشوتیں بٹور رہے تھے۔ دولت کی ہولناک چمک نے ان کے دماغوں کو مفلوج' ضمیر کو مردہ اور دلوں کو تاریک کردیا تھا۔ سو بھراج اور چھوٹا راجن سے پہلے ان کے سروں کو کچلنا ضروری تھا۔

اس وقت میں جس ڈیسک پر موجود تھا وہ ویران پڑی ہوئی تھی۔ مشینی آلات بند تھے۔ اس تند خو ترش رو اور بد دماغ افسر نے میرے دستی سامان کی کسی مشینی دیکھ بھال کے بغیر مجھے بند مقناطیسی چوکھٹ سے گزرنے کا اشارہ کیا تھا۔

میں نے پلٹ کر اول خان کی طرف دیکھا۔ اس کے تیور ہی بدلے ہوئے تھے۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر تیزی سے کہا ''تم اپنا وقت خراب نہ کرو۔ اندر جاؤ میں انہیں ڈالر دلواتا ہوں۔''

''مشینی انداز میں میرے قدم بڑھ گئے۔ میں نے آگے جاکر آخری بار پیچھے نظر دوڑائی تو وہ دونوں ہکا بکا کھڑے ہوئے تھے۔ اول خان ان سے بحث میں الجھنے کے بجائے مڑ کر تیزی سے واپس جارہا تھا۔ مجھے اندازہ ہوگیا کہ وہ میرا معاملے ان کے بڑے افسر سے طے کرے گا۔

رشوت ایک ناسور بن کر معاشرے کی ہر رگ میں سرایت کرچکی ہے۔ اس کے بغیر بجلی کا کنکشن ملتا ہے نہ ریل کا ٹکٹ۔ چھوٹے سے بڑے تک سرکاری ملازم ریٹائر ہوتے ہیں تو برسرکار افسر اور کلرک ان کے واجبات ادا کرنے سے پہلے انہیں دفتروں کے دھکے کھلواتے ہیں' فائل جگہ جگہ رکتی ہے' اعتراضات ہوتے ہیں' رشوت کے پہیے لگتے ہیں تو فائل چلتی رہتی ہے ورنہ اس کے گم ہونے کے امکانات ہر وقت ایک تلوار بن کر حق دار کے سر پر سوار رہتے ہیں۔

میں اس لعنت کے سدباب کے بارے میں سوچتا ہوا دوسری طرف نکلا تو غزالہ پریشانی کے عالم میں میرا انتظار کررہی تھی۔ ان جانے اندیشوں سے اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ مجھے دیکھتے ہی وہ بے تابی سے لپک کر میری طرف آئی۔

''آپ کہاں رہ گئے تھے..... وسوسوں سے مجھے ہول آنے لگے تھے۔'' اس نے آتے ہی اضطراری لہجے میں شکایت کی۔

اپنی روداد سنا کر اسے پریشان کرنا بے سود تھا۔ میں نے ہنس کر کہا ''ایک شخص جعلی ویزا پر جاپان جانے کی کوشش کررہا تھا۔ اس کی وجہ سے میری باری آنے میں دیر ہوگئی۔ بس اتنی سی بات تھی تم بلاوجہ پریشان ہورہی تھیں۔''

''جب تک ہمارا جہاز فضا میں بلند نہیں ہوجاتا مجھے دھڑکا لگا رہے گا۔ ابھی تو پونے دس بھی نہیں بجے۔ ہمیں کافی دیر انتظار کرنا ہوگا۔'' وہ میرے ساتھ چلتے ہوئے منمنائی۔

''حوصلہ رکھو' اب کچھ نہیں ہوگا۔ تم یوں ہی ہراساں ہوتی رہیں تو تمہیں دیکھ کر کوئی بھی شک و شبے میں پڑ سکتا ہے۔''

ہم طویل راہ داری طے کرکے اس ویٹنگ روم میں پہنچ گئے جہاں ہمارے طیارے تک جانے والے گیٹنگ دے کا دروازہ کھلتا تھا۔ اس دروازے پر ائرلائن کے عملے کے دو باوردی افراد وا کی ٹا کی سمیت موجود تھے۔ ان میں سے ایک مرد اور دوسری خاتون تھی۔

ائرپورٹ کی وسیع و عریض عمارت کے مقابلے میں وہ ویٹنگ روم چھوٹا تھا لیکن اس کا سائز بھی کسی ہال سے کم نہیں تھا۔ وہاں نشستوں کی تعداد زیادہ تھی جن میں سے بیشتر خالی تھیں۔ ہم دونوں پہلی قطار کے سرے پر بیٹھ گئے۔

رفتہ رفتہ مسافروں کی آمد کی رفتار تیز ہوگئی۔ نشستیں بھرتی جارہی تھیں۔ اسی دوران میں پیجنگ سسٹم پر ہماری پرواز پر بورڈنگ کے آغاز کا اعلان ہوا اور گیٹنگ دے کا بند دروازہ کھول دیا گیا۔

اس سفر میں میری مرضی اور انتخاب کا سرے سے کوئی دخل نہیں تھا۔ میں نے جلال کے ایک مشورے پر عمل کرنے کی رضامندی ظاہر کی تھی۔ فرضی نام پر شناخت نامے کی تیاری سے لے کر سیٹ کی بکنگ تک کے سارے مراحل جلال نے اپنی مرضی سے طے کئے تھے۔

میں طیارے میں پہنچا تو میرا دل خوش ہوگیا۔ وہ بڑا جہاز

Downloaded from https://paksociety.com

تھا جس میں بیٹھنے کے بعد گھٹن کا ذرا بھی احساس نہیں ہو رہا تھا۔

خوش رد عملے کی استقبالیہ مسکراہٹوں سے گزرنے کے بعد میں نے اخبارات ورسائل کی ٹرالی سے بے اختیار دو بڑے مقامی اخبار اٹھا لیے۔

وہ عجیب اتفاق تھا کہ اس روز ہماری روانگی تک ہاکر ہمارے گھر نہیں پہنچا تھا۔ ہمارے ذہنوں پر سفر کے مضمرات کا اتنا بوجھ تھا کہ کسی کو اخبارات کا خیال نہیں آیا۔ طیارے میں اس ٹرالی پر نظر پڑتے ہی سوبھراج کے بارے میں میرے ذہن میں سویا ہوا تجسس جاگ اٹھا۔ میں یہ جاننے کے لیے بے چین ہوگیا کہ اس کے بھیجے ہوئے سات بدمعاشوں کے بارے میں اخبارات کیا کہہ رہے تھے۔

دستی بیگ جہاز کے کیبن ریک میں اڑسنے کے بعد میں نے غزالہ کے ساتھ اپنی سیٹ سنبھالی اور پھر ایک اخبار اس کی گود میں ڈال کر دوسرا خود کھول لیا۔

انگریزی اخبار کے پہلے صفحے پر رات کے واقعے کی تین کالمی سرخی دیکھ کر میرا دل خوش ہوگیا۔

غیر ملکی دہشت گردوں سے خون ریز مقابلہ' چار ہلاک تین گرفتار وہ جلی سرخی تھی۔ ذیلی سرخی میں سوبھراج کے بچ جانے کے اطلاع تھی۔

ہم سب اپنے گھر کے بند کمرے میں بیٹھ کر جو کچھ سوچ رہے تھے' جلال بے خوفی سے اس پر عمل کر گزرا تھا۔ بروقت اور صحیح فیصلے اس کے کردار کی خاص پہچان بنتے جا رہے تھے۔

''جلال بہت تیز اور ذہین آدمی ہے۔'' غزالہ اردو اخبار دیکھ کر دبی آواز میں کہہ رہی تھی ''وہ اپنے دشمن سے نفسیاتی جنگ لڑنا جانتا ہے۔''

میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا' آس پاس نظریں دوڑائیں پھر آہستہ سے کہا ''میں بھی وہی خبر پڑھ رہا ہوں' اس پر کوئی تبصرہ مت کرو۔ دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔''

''او کے سر!'' غزالہ نے ایک ادا سے اپنے سر کو خم دے کر کہا ''میں بھی محتاط ہوں۔ ابھی ہمارے آس پاس کی بیشتر نشستیں خالی ہیں۔''

وہ خاصی طویل خبر تھی۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر اخبار نے اس واقعے کی پوری تفصیل رپورٹ کی تھی۔

خبر میں سب کچھ وہی تھا جو جائے واردات پر پیش آیا تھا۔ اس میں صرف اتنا اضافہ کیا گیا تھا کہ سرکاری ایجنسیاں اپنے بھرپور وسائل کے ساتھ سوبھراج کا پیچھا کر رہی تھیں۔ انہیں باوثوق ذرائع سے خبر ملی تھی کہ سوبھراج بھارت سے آئے ہوئے پانچ خطرناک دہشت گردوں کے ساتھ ان کے دو مقامی ساتھیوں کو شہر میں دہشت گردی کی نئی وارداتوں کے بارے میں ہدایات دینے کے لیے نو بجے حب ریور روڈ پر واقع مزار والی پہاڑی کے دامن میں آئے گا۔ ایک ایجنسی کی پارٹی نے اسے وہاں گھیرنے کی پوری تیاری کر لی تھی۔ ساتوں افراد مقررہ وقت تک وہاں پہنچ گئے لیکن سوبھراج نہیں آیا۔ اس کے طویل انتظار کے بعد ساتوں مجرموں نے وہاں سے لوٹنا چاہا تو انہیں للکارا گیا۔ انہوں نے اچانک اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ ایجنسی کے مشاق عملے نے اپنے دفاع میں جوابی فائر کھولا اور کچھ دیر کی خوفناک فائرنگ کے بعد مجرموں کے ہتھیار خاموش ہوگئے۔

ان تک پہنچنے کے بعد پتا چلا کہ ساتوں میں سے چار افراد ہلاک ہو چکے تھے جن میں بھارتی گجرات کے شہر' سورت کا بدنام زمانہ اسمگلر اور دہشت گرد' وجے بھی شامل تھا۔ اس کے بقیہ تین ساتھی بری طرح زخمی ہوئے تھے۔

زخمی حالت میں گرفتار ہونے والوں میں رتن سیٹھ نامی ایک بھارتی مجرم بھی شامل تھا جس نے کچھ اہم انکشافات کیے تھے۔ قیدیوں سے تفتیش کے نتیجے میں مزید اہم معلومات حاصل ہونے کی توقع تھی جس کے بعد سوبھراج کے گرد گھیرا تنگ ہو جاتا۔ خبر میں سرکاری ایجنسی کا نام ظاہر نہیں کیا گیا تھا۔

واقعے کی ابتدا اور انتہا کے بارے میں مصلحت کے تحت مبالغے سے کام لیا گیا تھا جس کے نتیجے میں اس خون آشام واقعے کی ذمے داری سوبھراج کے سر جاتی تھی اور وہی ہمارا اصل ہدف تھا۔ خبر کا اختتامی حصہ بہت بھرپور تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ سب پڑھ لینے کے بعد سوبھراج ایک لمحے کے لیے بھی کراچی میں رکنے کی ہمت نہیں کر سکے گا۔

خبر تفصیلی تھی لیکن اسے پڑھ کر میری تسلی نہیں ہوئی۔ میں نے غزالہ سے اخبار بدل لیا۔ اس انگریزی اخبار کا سپاٹ اور پھیکا انداز مجھے کبھی پسند نہیں آسکا تھا۔ اپنی رپورٹنگ میں وہ حقائق بیان کر کے نتیجہ اخذ کرنے کی ذمے داری اپنے قاری پر چھوڑ دیتا تھا جبکہ اردو اخبار خبر کے حقائق کے ساتھ اپنے رپورٹرز کی تحقیق وتفتیش کو خبر کا ایک حصہ بنا کر تاثر کو بھرپور بنا دیتا تھا۔

دوسرے اخبار میں وہی خبر پڑھ کر مجھے واقعی مزہ آ گیا۔ اس کے مطابق سوبھراج کو کسی طرح عین وقت پر یہ بھنک مل گئی تھی کہ وہ ان ساتوں سے ملنے کے لیے گیا تو اس کی آزادی کے دن پورے ہو سکتے ہیں۔ اس نے وہاں جانے کا ارادہ منسوخ کر دیا۔ اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ

Downloaded from https://paksociety.com

وجے اور اس کے ساتھیوں کو مزار والی پہاڑی تک پہنچنے سے روکتا۔ اس نے سفاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے' اپنی جان بچا کران ساتوں کو سرکاری ایجنسی کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا۔

دونوں اخبارات پڑھ لینے کے بعد اندازہ ہوا کہ اس واقعے پر اخبارات کو بھرپور بریفنگ دی گئی تھی۔ جو باتیں کھل کر نہیں کہی جاسکتی تھیں۔ وہ بین السطور میں بیان کردی گئی تھیں۔ ان مستور نکات کو دوسروں نے نظر انداز کردیا۔ اردو رپورٹر نے انہیں شامل کر کے خبر میں جان ڈال دی تھی۔

اردو اخبار میں سوبھراج کے ماضی کے بارے میں کئی چھوٹی چھوٹی خبریں تھیں جو اس کے گھناؤنے کردار کو اجاگر کررہی تھیں۔ میں نے وہ سب چاٹ کر اخبار اگلی نشست کی عقبی جیب میں ڈالا تو جہاز میں مسافروں کی تعداد میں کافی اضافہ ہو چکا تھا۔ جہاز کی دونوں راہداریوں میں مسافر اپنی اپنی نشستوں کی تلاش میں بڑھ رہے تھے۔

میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ پرواز کی روانگی میں صرف پندرہ منٹ باقی رہ گئے تھے۔ بے اختیار مجھے سلطان شاہ اور ویرا کا خیال آیا۔ ان کی پرواز پون گھنٹے بعد روانہ ہونے والی تھی۔ شاید وہ اپنے جہاز پر سوار ہو چکے تھے۔ جہاز میں حفاظتی بند باندھنے اور موبائل فون بند کرنے کی ہدایات جاری کی گئیں۔ تمباکو نوشی کی ممانعت کی ہدایات پہلے سے روشن تھیں۔

چند ثانیوں کی تاخیر سے مجھے یاد آیا کہ میری جیب میں موبائل فون موجود تھا۔ میں نے عجلت میں اسے نکال کر بند کردیا۔

اول خان نے وہ موبائل فون اس وعدے کے ساتھ سفر پر لے جانے پر اصرار کیا تھا کہ وہ فوری طور پر اس پر بین الاقوامی رومنگ جاری کرادے گا۔ اس صورت میں واجبی اضافی نرخ ادا کرکے میں ہر وقت اسی نمبر پر کراچی سے رابطہ کرسکتا تھا۔ دوسری طرف اول خان کو مقامی نرخوں پر مجھ سے رابطے کی سہولت دستیاب ہوتی' رومنگ میرے بل میں ڈال دی جاتی۔

دونوں صورتوں میں خسارہ اول خان کا تھا کیونکہ فون اسی کے نام پر تھا اور بل بھی اسی کو ادا کرنا پڑتا تھا۔ وہ ایس ٹی ایف کی طرف سے مجھے ملی ہوئی ایک اعزازی سہولت تھی جس کے برقرار رہنے سے مجھے بنکاک میں بہت آسانی ہوسکتی تھی۔

جہاز کے انجن چل رہے تھے۔ گیارہ بجنے سے چند منٹ پہلے دروازہ بند کردیا گیا۔ مسافر اپنی جگہیں سنبھال چکے تھے۔ ہنگامی حالت پیش آنے کی صورت میں اختیار کی جانے والی تدابیر پر ایک مختصر تقریر اور عملے کے عملی مظاہرے ساتھ جہاز رن وے پر حرکت میں آ گیا۔

دھیمی رفتار سے رن وے کے سرے پر پہنچنے کے بعد طیارہ لمحہ بھر کے لیے رکا۔ اس کے انجنوں کی رفتار تیز ہوئی اور رن وے پر بڑھتی ہوئی رفتار سے دوڑ لگانے کے بعد جہاز تیزی سے فضا میں اٹھتا چلا گیا۔

غزالہ کی سیٹ جہاز کی کھڑکی کے ساتھ تھی۔ وہ مسلسل اس سے باہر دیکھے جارہی تھی۔ چند منٹ بعد جہاز بادلوں کی چادر سے اوپر نکلا اور نیچے پھیلے ہوئے شہر کے گھٹتے ہوئے مناظر نظر آنا بند ہوگئے تو وہ میری طرف متوجہ ہوگئی۔

''اللہ کا شکر ہے کہ ہم کچھ دنوں کے لیے حالات کے گرداب سے نکل آئے ہیں۔'' اس نے آسودہ لہجے میں کہا۔

''سرکاری سطح پر میری تلاش شروع ہوجانے کے بعد حالات واقعی بہت خراب ہوگئے تھے۔ اب دیکھنا ہوگا کہ بنکاک میں کیا ہوتا ہے۔'' میں نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''وہاں جو کچھ ہوگا' سامنے ہوگا۔ آپ نے خاموشی اختیار کی تو کچھ بھی نہیں ہوگا مگر یہ ممکن نہیں ہے پھر بھی وہاں یہ ڈر نہیں ہوگا کہ راستے میں کوئی بھی آپ کو پہچان کر ٹوٹ پڑے اور پکڑوا دے۔ ان لوگوں نے بدمعاشی کی انتہا کی ہوئی ہے۔ ایسے حربے استعمال کررہے ہیں کہ کراچی کی انتظامیہ ان کے اشاروں پر ناچنے پر مجبور ہوگئی تھی۔''

''اب کراچی کے تذکرے بے سود ہیں۔ وہاں رہ جانے والے وہاں کے مسائل حل کرنے کے لیے کافی ہیں۔ ہمیں آگے کے بارے میں سوچنا چاہیے۔''

دائیں بائیں گھومتے ہوئے اونچی اڑان لینے کے بعد طیارہ اپنی مقررہ بلندی پر پہنچنے کے بعد سیدھا ہوا تو مسافروں کو ہلکے پھلکے مشروبات فراہم کرنے کے لیے کیبن کا عملہ حرکت میں آ گیا۔ میں نے طیارے میں موجود مسافروں کا جائزہ لینے کے لیے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

اپنی جگہ سے اٹھتے ہی مجھے ہر سیٹ کی پشت گاہ سے لگے ہوئے انسانی سر ہی سر نظر آئے۔ ان میں ہر رنگ اور قومیت کے لوگ نظر آرہے تھے لیکن سفر کرنے والوں میں اکثریت مقامیوں کی تھی۔ خاص بات یہ تھی کہ ان میں سب ہی مردانہ اور نوجوان چہرے تھے۔ کوئی مقامی عورت مسافروں کی بھیڑ میں شامل نہیں تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ان دنوں دنیا بھر میں تھائی لینڈ اور اور خاص طور پر بنکاک کی شہرت اچھی نہیں تھی۔ وہاں عیاشی کی سستی سہولیات میسر آنے کا شہرہ ہر طرف پھیلا ہوا تھا۔ کہا جاتا تھا کہ تھائی لینڈ کی معیشت صنعتوں یا

Downloaded from https://paksociety.com

زراعت کے بجائے سیاحت سے ہونے والی قومی آمدنی پر چل رہی تھی۔ اس میں سے بیشتر زرمبادلہ وہ منظم گروہ کمار ہے تھے جو آمدنی اور ملازمت کے لالچ میں دیہی علاقوں سے بنکاک کا رخ کرنے والی نوخیز مقامی لڑکیوں کو گھیر کر گناہوں کی دلدل میں اترنے پر مجبور کرتے تھے۔ ان لڑکیوں کی رفاقت میں رنگین لمحات گزارنے کے سہانے سپنوں کے ساتھ عیاش طبع مقامی جوق در جوق ادھر جاتے تھے۔ ان کے ایسے پروگراموں میں کسی عورت کا ساتھ نہ ہونا قابلِ فہم تھا۔

دوسری قوموں کے مسافروں میں خال خال عورتیں نظر آرہی تھیں۔ راہداری سے گزر کر عقبی باتھ روم کی طرف جاتے ہوئے میری نظر چند حسین اور شاداب سفید فام نسوانی چہروں پر پڑی تو میرے ذہن میں غیر ملکی چینل سے نشر ہونے والا ایک انٹرویو تازہ ہوگیا جو بنکاک کی معاشرت کے ساتھ مغرب کی بے راہ روی کا کھلا اشتہار تھا۔

وہ ایک جرمن جوڑے کی کہانی تھی۔ دونوں کسی اولاد کے بغیر خوش وخرم زندگی گزار رہے تھے اور ایک دوسرے کی خفیہ سرگرمیوں سے یکسر بے خبر تھے۔ دس برس گزار لینے کے بعد دونوں کو تھائی لینڈ کی سیاحت کی سوجھی۔ بنکاک پہنچنے کے پانچویں دن عورت نے ایک قریبی ہوٹل میں اپنے شوہر کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا۔ وہ ہوٹل میں ایک سترہ سالہ مقامی لڑکے سے کئی روز سے ملاقاتیں کررہا تھا۔ بیوی کی لاعلمی میں اس نے ایک کمرا اس ہوٹل میں بھی لیا ہوا تھا۔

شوہر دہل گیا۔ اس کی ازدواجی زندگی یکا یک تباہی کے دہانے پر پہنچ گئی تھی۔ دونوں میں علیحدگی کی نوبت آتی تو وہ بدترین مالی بحران کا شکار ہوجاتا مگر اس کی بیوی سمجھ دار تھی۔ اس نے صاف الفاظ میں اپنے شوہر کو بتایا کہ پچھلے کئی سالوں سے وہ اس سے مطمئن نہیں تھی۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ کسی کم عمر نوجوان سے مراسم استوار کرے۔ اس مقصد کے لیے اسے اپنے شوہر کا مقامی دوست پسند آیا تھا۔ دونوں میں سمجھوتا ہوگیا۔ شوہر نے دوسرے ہوٹل کا کمرا چھوڑ دیا اور وہ مقامی لڑکا ان دونوں کی خلوت کا تیسرا شریک بن گیا۔

انہوں نے لڑکے کو اپنے ساتھ جرمنی چلنے کی پیشکش کی۔ اس نے مقامی مافیا کے چنگل سے نکلنے کے لیے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور چوری چھپے سفر کی تیاری کرلی۔ وہ تینوں روانگی کے ارادے سے ائرپورٹ پہنچے تو جرمن جوڑے کو اس نابالغ لڑکے کو ورغلا کر بیرون ملک اسمگل کرنے کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا۔ سترہ سالہ لڑکا بلوغت کی قانونی عمر سے ایک برس چھوٹا تھا۔ بنکاک کی جنسی مافیا کے کارندے خود کو اس کا سرپرست ظاہر کرکے لڑکے کو اپنے ساتھ لے گئے۔ جرمن جوڑا اپنے مقدر کا لکھا بھگتنے کے لیے مقدمے کا سامنا کررہا تھا۔

میں بنکاک جارہا تھا۔ اس شہر کے بارے میں سنے سنائے واقعات یکے بعد دیگرے میرے ذہن میں سر ابھار رہے تھے۔ میں یہ بات جانتا تھا کہ سارا شہر اور سارا ملک ایسا نہیں تھا لیکن وہاں اخلاقی بگاڑ کی جڑیں خاصی گہری ہوچکی تھیں۔ بے راہ روی کے واقعات عام تھے۔ میرے لیے اس کیچڑ سے اپنا دامن بچائے رکھنا ضروری تھا۔

میں واش روم سے ہوکر اپنی سیٹ پر واپس لوٹا تو غزالہ سنگتروں کے ٹھنڈے رس سے لطف اندوز ہورہی تھی۔

''آپ نے مسافروں کا جائزہ لے لیا.....!'' اس نے مسکرا کر پوچھا۔

''مطلع صاف ہے۔ اس طرف کوئی مشتبہ چہرہ نظر نہیں آیا۔ سب شرفا ہیں۔''

بنکاک تک کا سفر کم وبیش ساڑھے چار گھنٹے کا تھا۔ ہم مشرق کی سمت میں سفر کررہے تھے اس لیے وقت لمحہ بہ لمحہ بڑھتا جارہا تھا۔ ہمارے بنکاک پہنچنے پر وقت ہماری گھڑیوں سے دو گھنٹے آگے ہوچکا ہوتا۔ وقت کے اس زیاں کو پورا کرنے کے لیے جہاز میں کچھ دیر بعد ہی دوپہر کے کھانے کی فراہمی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

کھانے کے بعد میرے ذہن پر ہلکی سی غنودگی طاری ہونے لگی اور میں نے اپنی آنکھیں موند لیں۔ غزالہ کھڑکی سے باہر جھانک رہی تھی۔ جہاز ابر آلود فضاؤں سے نکل کر شفاف فضا میں اڑ رہا تھا جس کے نتیجے میں زمینی مناظر صاف نظر آرہے تھے۔

پرواز موسمی زیرو بم سے آزاد اور بہت ہموار تھی۔ میں اپنی سیٹ میں کافی دیر تک اونگھتا رہا۔ چائے اور کافی کا دور شروع ہوا تو میں سنبھل کر سیدھا ہوگیا۔

جہاز کے پیچنگ سسٹم پر بنکاک کے موسم وغیرہ کے بارے میں معلومات فراہم کی گئیں پھر گلی بندھی احتیاطی پیش بندیوں کے ساتھ لینڈنگ کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔

اس پرواز کے لیے بنکاک آخری منزل نہیں تھی۔ کچھ دیر رک کر طیارے کو ہانگ کانگ کے لیے روانہ جانا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ جہاز میں نظر آنے والے بیشتر پاکستانیوں کا سفر بنکاک میں ختم ہوجانا تھا۔

ہم بنکاک پہنچے تو فضا روشن تھی۔ سورج غروب ہونے میں خاصی دیر باقی تھی۔ امیگریشن اور کسٹم کے رسمی مراحل سے

Downloaded from https://paksociety.com

گزر کر ہم باہر نکلے تو زرمبادلہ کا کاؤنٹر نظر آیا۔ میں نے سوٹ کیس غزالہ کے پاس چھوڑ کر فوری ضروریات کے لیے سوڈالر کا ایک چیک بھات میں منتقل کرایا پھر ہم دونوں گردوپیش سے لطف اندوز ہوتے ہوئے خراماں خراماں عمارت سے نکاس کے راستے پر چل پڑے۔ بنکاک میں کسی نے ہمارا سوٹ کیس کھلوانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی اور بیم گن آرام سے نکل آئی تھی۔

بیرونی ہال میں تھائی لینڈ کے کئی محکموں کے اسٹال وہاں آنے والے سیاحوں کی رہنمائی کے لیے موجود تھے۔ میں نے ہوٹل میں کمرے کے حصول کے لیے ایک کاؤنٹر کا رخ کیا جہاں ایک متبسم خاتون سیاحوں کی میزبانی کے لیے موجود تھی۔

میں تنہا ہوتا تو تیسرے درجے کے ہوٹل میں بھی قیام کرسکتا تھا لیکن غزالہ کے ساتھ اس شہر خرابات میں کوئی رسک نہیں لیا جاسکتا تھا۔ خوش شکل سفید فام خواتین پر نظر پڑنے کے بعد یاد آنے والے انٹرویو کی وجہ سے میں اس بارے میں زیادہ محتاط ہوگیا تھا۔

ڈبل روم کی فرمائش پر اس خاتون نے اپنے کمپیوٹر کے کی بورڈ پر تیزی سے انگلیاں چلائیں پھر یکے بعد دیگرے کئی ہوٹلوں کے نام لیے جہاں معیاری کمرے دستیاب تھے۔ میرے استفسار پر اس نے بہت تحمل کے ساتھ ان ہوٹلوں کے کرائے بھی بتائے اور میں نے اسی وقت ہلٹن ہوٹل کا انتخاب کرلیا۔

اس عورت نے ہم دونوں کے نام اور پاسپورٹ نمبر کمپیوٹر میں ڈالے اور پرنٹر سے ایک سلپ نکال کر مجھے تھمادی جسے دکھا کر میں ہوٹل میں کمرا حاصل کرسکتا تھا۔

بیرونی ہال سے نکلتے ہی ٹیکسیوں کی قطار ہمارے سامنے تھی۔ اگلی ٹیکسی کا ڈرائیور ہماری طرف لپکا۔ اسے توقع تھی کہ میں اپنے معیار کے کسی ہوٹل تک رسائی کے لیے اس کی مدد لوں گا۔ یوں اسے ہوٹل سے کمیشن کی صورت میں اضافی آمدنی ہوسکتی تھی۔

میں نے ہلٹن ہوٹل کا نام لے کر اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اس نے وہاں تک پہنچانے کے لیے سات سو بھات طلب کیے جو میری دانست میں بہت زیادہ تھے۔ دوسرے ایشیائی ملکوں کی طرح تھائی لینڈ بھی مول تول کے لیے بدنام ہے۔ ٹیکسی کے کرائے سے چیزوں کے دام تک بڑھا چڑھا کر بتانا وہاں کا رواج ہے۔ بھاؤ طے ہونے کا انحصار خریدار کے حوصلے پر ہوتا ہے کہ وہ اپنی بات کہاں سے شروع کرتا ہے۔ میں نے ٹوٹی پھوٹی انگریزی بولنے والے تھائی ڈرائیور کی آنکھوں میں حریصانہ چمک دیکھ کر اسے دوسو بھات کی پیشکش کی۔

اس نے یوں برا سا منہ بنایا جیسے میں نے اس کی شان میں کوئی گستاخی کی ہو۔ وہ اس کا ایک انداز تھا۔ میرے بجائے کوئی نرم دل اور مہذب سیاح ہوتا تو شرمندہ ہوکر فوری طور پر اپنی پیشکش میں خاطر خواہ اضافہ کردیتا جسے مول تول کے ذریعے مزید بڑھایا جاسکتا تھا۔ میرے لیے وہ شہر نیا نہیں تھا۔ میں خاموشی سے اس کے جواب کا منتظر رہا۔ اس نے منہ بنانے کے نفسیاتی حربے کے استعمال کے بعد کچھ دیر توقف کیا۔ مجھے خاموش پاکر وہ یکا یک چار سو پر آگیا۔

ان لوگوں میں اچھی بات یہ ہوتی ہے کہ اپنا اور خریدار کا زیادہ وقت برباد نہیں کرتے۔ ہر حجت کے جواب میں اپنی مانگ میں ڈرامائی کمی کرتے ہیں اور پھر ایک مقام پر اٹک جاتے ہیں۔

وہ تین سو پر اٹک گیا اور میں نے اپنی رضامندی ظاہر کردی۔

اپنی نگرانی میں ہلکا پھلکا سوٹ کیس ٹیکسی کی ڈکی میں رکھوانے کے بعد ہم دونوں گاڑی میں سوار ہوگئے۔ ڈرائیور نے اپنی نشست سنبھالی اور ٹیکسی تیزی کے ساتھ چل پڑی۔

غزالہ کے لیے وہ مول تول بہت دلچسپ ثابت ہوا۔ وہ اس کے لیے بنکاک کا پہلا سبق تھا۔ ٹیکسی کچھ دیر تک باغات یا کھیتوں کے درمیان سے گزرتی رہی۔ سڑک کشادہ تھی اور اس پر ٹریفک بہت زیادہ نہیں تھا۔ شاید وہ سڑک ائرپورٹ تک آنے جانے کے لیے ہی بنائی گئی تھی۔

رفتہ رفتہ آبادی کے آثار نظر آنا شروع ہوگئے۔ غزالہ حیرت اور دلچسپی سے ان اجنبی مناظر کا نظارہ کررہی تھی۔

گنجان اور بارونق شہری علاقے میں داخل ہوتے ہی غزالہ رکشے نما' عجیب سی سواری کو سڑک پر دوڑتا ہوا دیکھ کر چونک پڑی ''رکشوں کی دوبیہاں بھی پھیلی ہوئی ہے!''

''یہ یہاں کی سب سے مقبول پبلک ٹرانسپورٹ ہے۔ اسے ٹک ٹک کہا جاتا ہے۔''

''کہنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ ہمارے آٹو رکشا کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔''

شہر میں ہر طرف گندمی رنگت کے پستہ قامت تھائی باشندوں کے ہجوم رواں دواں تھے۔ ان میں کثرت سے غیر ملکی چہرے نظر آرہے تھے۔

بنکاک کے ٹیکسی ڈرائیوروں کے بارے میں میرے پرانے تجربات خوشگوار نہیں تھے۔ وہ غیر ملکی سیاحوں پر

Downloaded from https://paksociety.com

ضرورت سے زیادہ مہربان ہونے کی کوشش کرتے تھے۔ موقع ملتے ہی اپنی سیٹ کے قرب و جوار میں کسی پوشیدہ جگہ سے تصویری البم نکال کر سواری کو دکھانا وہ اپنا فرض تصور کرتے تھے۔

میں راستے بھر ڈرتا رہا کہ کہیں وہ مجھے بھی البم نہ تھما دے۔ وہ یک طرفہ طور پر ہمیں راستے میں آنے والے مشہور مقامات کے بارے میں بتاتا جا رہا تھا۔ ایک طرف اس کا لہجہ صاف نہیں تھا۔ دوسری طرف وہ تھائی نام اور الفاظ ایک دوسرے سے اتنے ملتے جلتے تھے کہ مجھے ان میں کوئی فرق محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ اس کی حوصلہ شکنی کرنے کے لیے میں نے خاموشی اختیار کی ہوئی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ میں نے اسے ذرا بھی منہ لگایا تو وہ مجھے کوئی شرمناک البم تھما دے گا۔

وہ معاملہ فہم ثابت ہوا۔ اس کی ٹیکسی ہوٹل کے ڈرائیو وے میں داخل ہوگئی لیکن اس نے راستے بھر مجھے کوئی البم وغیرہ نہیں دی۔ اپنے تجربات کی بنا پر وہ جانتا تھا کہ اپنی عورتوں کے ساتھ بیرون ملک سے آنے والے لوگ عیاشی کے معاملے میں اتنے بے حوصلہ ہوتے ہیں کہ ان پر محنت کرنا کبھی بار آور ثابت نہیں ہوسکتا۔

ائر پورٹ سے ہوٹل کا فاصلہ خاصا طویل ثابت ہوا۔ مجھے محسوس ہوا کہ میں نے تین سو بھات پر اپنی رضامندی ظاہر کر کے کوئی غلط فیصلہ نہیں کیا تھا۔

ہوٹل کے باوردی پورٹر نے ٹیکسی سے ہمارا سوٹ کیس اتارا اور ہم ہوٹل کے بکنگ کاؤنٹر پر پہنچ گئے۔

میں نے اپنے پاس موجود رسید دی جس کا اندراج ہوٹل کے کمپیوٹر میں موجود تھا۔ کچھ لیے دیے بغیر ائر پورٹ سے ہی کمرا محفوظ ہو چکا تھا۔ ہم دونوں کے پاسپورٹ لے کر ہوٹل والے نے اپنے اندراجات مکمل کیے اور ذرا سی دیر میں ہم ہوٹل کی چوتھی منزل پر اپنے کمرے میں موجود تھے۔ جو آنے والے دنوں میں ہماری پناہ گاہ ثابت ہونے والا تھا۔

''آخر کار ہم اس گرداب سے نکل ہی آئے!'' پورٹر کے چلے جانے کے بعد غزالہ نے آرام دہ بستر پر گر کر مسرت کے ساتھ کہا۔

''ابھی ان خوش فہمیوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ اتنا کافی ہے کہ ہم کراچی سے نکل آئے۔ ہوسکتا ہے کہ یہاں کے حالات وہاں سے زیادہ گمبھیر ثابت ہوں۔'' میں نے اس کے قریب بیٹھ کر مسکراتے ہوئے جواب دیا ''یہاں تمہارے کہنے کے مطابق ایک اچھائی ہے کہ امریکیوں کا سازشی عنصر ہم پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔''

کمرے میں ضرورت کی بنیادی چیزیں موجود تھیں۔ منی بار میں مختلف مشروبات کے ساتھ شراب کی کئی چھوٹی بوتلیں بھی موجود تھیں جن سے مجھے کوئی سروکار نہیں تھا۔ غزالہ کی خواہش تھی کہ روم سروس والوں سے کہہ کر وہ بوتلیں وہاں سے ہٹوا دی جائیں۔ چھوٹے ریفریجریٹر میں ان کی جگہ دوسری چیزیں رکھی جاسکتی تھیں۔

میرے پاس بنکاک کے دو اہم فون نمبر موجود تھے۔ ان میں سے ایک نمبر آئی بی کے مقامی بیورو چیف اسد خان کا تھا۔ جلال کے اندازے کے مطابق وہ شخص چھوٹا راجن تک میری رسائی کے سلسلے میں مددگار ثابت ہوسکتا تھا۔

دوسرا فون نمبر راجن کا تھا۔ کراچی میں رہ کر اسے چھیڑنا ہوتا تو میں وہ نمبر استعمال کرسکتا تھا۔ میں نے یہی سوچ کر وہ نمبر حاصل کیا تھا۔ بنکاک پہنچنے کے بعد چھوٹا راجن سے رابطہ کرنا غیر ضروری تھا۔ بہتر یہی تھا کہ میں خاموشی سے اس تک پہنچنے کی کوشش کروں۔

کمرے میں کچھ دیر تک ستانے کے بعد میں نے اسد خان سے رابطہ کرنے کا ارادہ کرلیا۔

میں نے چیک کرنے کے لیے جیب سے اپنا موبائل فون نکالا تو اس پر کوئی سگنل نہیں آرہا تھا۔ دستیاب نیٹ ورک کی حدود سے ہزاروں میل دور نکل آنے کی وجہ سے فون نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔ جب تک اس پر رومنگ بحال نہ ہوتی' فون بے کار تھا۔

ہوٹل کے کمرے میں براہِ راست ڈائلنگ کی سہولت دستیاب تھی۔ میں آپریٹر کو درمیان میں لائے بغیر اسد کو فون کرسکتا تھا۔ میں نے ذرا سی دیر کے لیے سوچا۔ ہوٹل سے فون کرنے کی سہولت مفت میں فراہم نہیں کی جاتی تھی۔ دنیا کے ہر حصے میں ہوٹل والے فون کے اصل بل کے ساتھ ہر کال پر اپنے اضافی سروس چارجز بھی وصول کرتے تھے۔ اس مقصد کے لیے ہر کال کا کہیں نہ کہیں ریکارڈ ہونا ضرور تھا۔

میں نے وہ نکتہ ذہن نشین کرلیا۔ اس سسٹم کے تحت اسد سے رابطہ کرنے میں کوئی ہرج نہیں تھا۔ وہ بنکاک میں آئی بی کا اکلوتا افسر ہونے کے ساتھ ایک عام پاکستانی بھی تھا۔ اس کے برعکس میں راجن کے لیے ہوٹل کا فون استعمال نہیں کرسکتا تھا۔

''یہاں قدم رکھتے ہی آپ کی مصروفیات شروع ہوگئیں!'' غزالہ نے مجھے فون کی طرف بڑھتا ہوا دیکھ کر کہا۔

''زندگی حرکت کا نام ہے۔ جمود آدمی کو لے ڈوبتا ہے۔'' اسے جواب دے کر میں نے اسد کا نمبر ملا لیا۔

دوسری طرف گھنٹی بجی اور بجتی ہی رہی۔ تیسری گھنٹی پر

Downloaded from https://paksociety.com

مجھے شبہ ہوا کہ اس نمبر پر کوئی موجود نہیں تھا۔ جلال نے مجھے اس کا فون نمبر دے دیا تھا مگر مجھے اس سے یہ پوچھنا یاد نہیں رہا تھا کہ وہ نمبر اس کے دفتر کا تھا یا گھر کا۔

اگر وہ دفتر کا نمبر تھا تو دفتری اوقات ختم ہو چکے تھے۔ اس سے اگلے دن رابطہ ہو سکتا تھا۔ میں فون بند کرنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ اچانک میرے کانوں میں ہیلو کی ایک بھاری مردانہ آواز گونجی۔

''اسد خان؟'' میں نے استفسار طلب لہجے میں دھیرے سے کہا۔

''بول رہا ہوں!'' میرے سوال کا جواب شستہ اردو میں آیا تھا۔

''میں علی احمد بول رہا ہوں۔ تھوڑی دیر.....'' میں نے اپنا تعارف کرانا شروع کیا تھا کہ اس نے گرمجوشی کے ساتھ میری بات درمیان سے اچک لی۔

''ویری گڈ..... میں نے ائرپورٹ سے فلائٹ کی آمد کنفرم کر لی تھی اور تمہاری کال کا انتظار کر رہا تھا۔ مجھے ائرپورٹ جانے سے منع کر دیا گیا تھا ورنہ تم سے وہیں ملاقات ہوتی۔ یہ بتاؤ کہ سفر کیسا گزرا۔ اس وقت تم کہاں ہو۔''

وہ ایک سانس میں بولتا چلا گیا۔ اس کے لب و لہجے سے یہ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی تھے۔ وہ یوں بات کر رہا تھا جیسے برسوں سے میرا شناسا ہو۔

''سفر خوشگوار گزرا۔ میں اپنے ہوٹل میں ہوں۔ تم کو معلوم ہوگا کہ صدف میرے ساتھ آئی ہے۔''

''سب معلوم ہے۔ اگر تم نکان محسوس نہ کر رہے ہو تو ہم رات کے کھانے پر کہیں مل سکتے ہیں۔'' میں نے محسوس کیا کہ وہ فون پر تفصیلی بات کرنے سے گریز کر رہا تھا۔

''یہیں آ جاؤ۔ نو بجے لابی میں ملاقات ہوگی پھر ہم ریستوران میں کھانا کھائیں گے۔'' میں نے سوچتے ہوئے اسے پیشکش کی۔

''یہی بہتر رہے گا۔ ابھی یہ شہر تمہارے لیے اجنبی ہے۔ تمہارے لیے کہیں اور پہنچنا مشکل ہو جائے گا۔ تم برا نہ مانو تو صدف کو کمرے میں چھوڑ سکتے ہو۔''

''میں دیکھوں گا۔ یہ بتاؤ کہ یہ فون نمبر تمہارے دفتر کا ہے گھر کا۔''

''دونوں ایک ہیں۔ میں نے گھر کو دفتر بھی بنایا ہوا ہے۔ تم کو یہ خیال کیوں آیا؟''

''تم نے کافی دیر بعد فون اٹھایا تھا۔'' میں نے اسے یاد دلایا۔

ہنسی کے ساتھ اس کی بے تکلفانہ آواز آئی ''اکیلے مرد کے یہی مسائل ہوتے ہیں۔ میں کچن میں اپنے لیے چائے اور سینڈوچ بنا رہا تھا۔''

وہ بے تکلفی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ میرے لیے احتیاط غیر ضروری تھی۔ میں نے پوچھا ''تمہارے گھر میں کچن کے لیے کوئی ملازمہ نہیں ہے۔''

''یہ ایک پیچیدہ مسئلہ ہے۔ وہ جملہ خدمات انجام دینے کے لیے زیادہ تنخواہیں مانگتی ہیں۔ میں اتنے پیسے دے سکتا ہوں نہ مجھے ان کی دوسری خوبیوں سے دلچسپی ہے۔ تنخواہ کے مطابق اپنی اوقات میں رہتا ہوں۔ کچن کے تھوڑے سے کام اپنے ہاتھوں سے کر کے ڈیڑھ دو ہزار ماہانہ بچا لیتا ہوں۔ یہاں کی یہ کہانیاں عجیب ہیں۔ ملو گے تو سناؤں گا۔ میں نو بجے وہاں پہنچ جاؤں گا۔''

میں نے خوش دلی سے الوداعی فقرے کہہ کر فون بند کر دیا۔

بنکاک میں وہ میرا پہلا رابطہ تھا۔ اس سے بات کر کے مجھے خوشی ہوئی تھی۔ اپنی باتوں سے وہ کھلے دل و دماغ کا آدمی معلوم ہو رہا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ آئی بی جیسے حساس ادارے میں ایک غیر ملکی محاذ پر تن تنہا کام کرنے والا شخص اس قدر خوش مزاج کیسے تھا!

اس سے بات ہونے سے پہلے میرے ذہن میں اس کا جو خاکہ تھا' اس کے مطابق اسے خشک مزاج اور روکھا پھیکا ہونا چاہیے تھا۔ سرکاری ایجنسیوں میں طویل مدت تک کام کرنے والے عام طور پر اپنے کام سے کام رکھنے والے محتاط' سرد مہر اور جذبات سے عاری ہو جاتے ہیں۔ اسد اس سے مختلف محسوس ہوا تھا۔

فائیو اسٹار ہوٹل میں قیام کی وجہ سے مجھے غزالہ کی کوئی فکر نہیں تھی۔ میں نے ائرپورٹ سے ہوٹل تک کے طویل سفر میں کہیں دنگا فساد ہوتا ہوا نہیں دیکھا تھا۔ اپنی بہت سی خرابیوں کے باوجود تھائی قوم مجھے صلح جو اور امن پرور محسوس ہوئی تھی۔ کم از کم بنکاک میں ایسا ہی تھا۔

ہمارے پاس جلال کے دیے ہوئے بیس ہزار ڈالروں کے علاوہ وہ خطیر رقم بھی موجود تھی جو میں روزمرہ اخراجات کے لیے آخری بار سلمٰی سے لایا تھا۔ غزالہ نے چالاکی بلکہ بڑی حد تک خودغرضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ویرا اور سلطان شاہ سے اس بچی ہوئی رقم کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ خاموشی سے سب کچھ سمیٹ کر اپنے ساتھ لے آئی تھی۔ اس رقم کی

Downloaded from https://paksociety.com

موجودگی میں ہم بے فکر ہو کر بنکاک میں ایک طویل عرصہ گزار سکتے تھے۔

پونے نو بجے میں نے غزالہ کے ساتھ کمرا چھوڑ دیا۔ وہ بنکاک میں اس کا پہلا ڈنر تھا۔ بند کمرے میں تنہا بیٹھ کر کھانا کھانے کا تصور اس کے لیے تکلیف دہ ثابت ہوتا۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق وہ نچلے فلور پر پہنچتے ہی مجھ سے الگ ہو کر ہوٹل کے ریستوران کی طرف چل دی۔ میں مڑ کر لابی کی طرف ہولیا۔

میں ایک صوفے پر بیٹھا ہی تھا کہ قریبی صوفے سے ایک خوش شکل پاکستانی اٹھ کر مسکراتا ہوا میری طرف آیا۔ اس نے مقامی رواج کے مطابق شوخ کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ گلے میں ہلکا سا پھول دار اسکارف قرینے سے لگا ہوا تھا۔

میں نے کن انکھیوں سے اسے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ لیا تھا مگر اس کے قریب آنے تک میں انجان بنا بیٹھا رہا۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ میں نے اسد سے ملاقات کا وقت طے کرتے ہوئے باہمی شناخت کے بارے میں کچھ طے نہیں کیا تھا۔

''مجھے اسد کہتے ہیں۔'' اس شخص نے میرے قریب آ کر کہا ''کیا میں آپ کا نام جان سکتا ہوں؟''

میں نے اس کی آواز پہچان لی۔ میرے خدوخال کی بنا پر اس نے صحیح اندازہ لگایا تھا اور میرے قریب آ پہنچا تھا مگر وہ اس بارے میں پر یقین نہیں تھا۔ اسے اپنے اندازے پر سو فیصد یقین ہوتا تو وہ مجھے آپ جناب سے مخاطب نہ کرتا۔ فون والی بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بغل گیر ہو جاتا۔

میں نے ایک لمحے کے لیے سوچا کہ اجنبیت کا اظہار کر کے اسے ذہنی جھٹکا دوں مگر پھر وہ ارادہ منسوخ کر دیا اور علی احمد کہتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔

''میں وقت سے پہلے آ گیا تھا۔'' اس نے ہاتھ ملا کر بے تکلفی سے میرے قریب بیٹھتے ہوئے کہا ''میں نے اوپر سے آنے والوں پر نگاہ رکھی ہوئی تھی۔ شاید صدف بھی تمہارے ساتھ نیچے آئی تھی اور کھانے کے لیے ریستوران کی طرف نکل گئی۔''

''مجھے مرعوب کرنے کی کوشش نہ کرو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم کس محکمے کے لیے کام کرتے ہو۔''

''میں کیا مرعوب کروں گا!'' اس نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا ''مجھے بتایا گیا ہے کہ تم خاصی توپ چیز ہو۔ ہم لوگوں کے لیے اکثر کام کرتے رہتے ہو۔''

''اور کیا بتایا گیا ہے؟'' میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے اطمینان سے سوال کیا۔ یہ معلوم ہونا بہت ضروری تھا کہ اسے میرے بارے میں کیا بتایا گیا تھا۔ اصولی طور پر مجھے کراچی چھوڑنے سے پہلے جلال سے اس بارے میں سب کچھ معلوم کر لینا چاہیے تھا۔ عجلت اور شاید خود اعتمادی کی وجہ سے مجھ سے وہ چوک ہو گئی تھی جس کا تدارک مجھے خود کرنا تھا۔

''تم کو کسی مشن پر یہاں بھیجا گیا ہے'' اس نے نپی تلی آواز میں کہا ''اس میں چھوٹا راجن ایک اہم آدمی ہے۔ اس تک پہنچنے میں مجھے تمہاری مدد کرنا ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ یہ معاملہ راجن تک محدود نہ رہے۔ اس چکر میں کوئی اور اہم نام بھی ملوث ہوسکتا ہے۔''

''اس بارے میں تم کیا کر سکتے ہو؟'' میں نے سگریٹ کا گہرا کش لے کر پوچھا۔

''فی الحال انتظار کرنا ہوگا۔ ایک ہفتے سے راجن غائب ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی کام سے ممبئی چلا گیا ہو۔ اس کے کام وہاں بھی پھیلے ہوئے ہیں۔''

''وہ یہاں کیا کرتا ہے؟'' راجن کے بارے میں میرا تجسس بڑھتا جا رہا تھا۔

''بظاہر وہ ایک مال دار بھارتی ہے جو اپنا زیادہ وقت بنکاک میں گزارنا پسند کرتا ہے۔ پارٹیوں پر وہ پانی کی طرح پیسہ بہاتا ہے۔ یہاں کے بڑے سرکاری افسروں میں اس کا بہت اثر و رسوخ ہے۔ وہ بہت شوق سے راجن کی پارٹیوں میں شریک ہوتے ہیں۔''

''یہ راجن کی اپنی بنائی ہوئی تصویر ہے۔ دوسروں کے لیے یہ ڈھکی چھپی بات نہیں ہونی چاہیے کہ وہ دراصل بھارت کا ایک چھٹا ہوا بدمعاش ہے جس کی ساری دولت غیر قانونی ہے۔''

''اس کی قانونی آمدنی بھی بے حساب ہے۔ وہ ممبئی میں بڑی جائیدادوں کا لین دین کرتا ہے۔ بنکاک میں اس کے کئی نائٹ کلب اور کیسینو چل رہے ہیں۔ حال ہی میں اس نے وائٹ ہاک نامی ایک لگژری بوٹ خرید کر اس پر تیرتا ہوا کیسینو اور عیاشی کا اڈا قائم کیا ہے جہاں ہر کس و ناکس نہیں جا سکتا۔ وہ صرف ممبروں کے لیے مخصوص ہے۔ ان ذرائع سے وہ کروڑوں کماتا ہے۔ اس پر یہاں اور بھارت میں ٹیکس بھی دیتا ہے۔ لوگ جانتے ہیں کہ ایسے کاموں میں بدمعاشی ضروری ہوتی ہے اس لیے وہ راجن کے خلاف پھیلنے والی کہانیوں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔''

''اس وقت تم بھی اس کے مداح معلوم ہو رہے ہو'' میں نے ہنس کر کہا۔

Downloaded from https://paksociety.com

''یہ تصویر کا ایک رخ ہے، اس کا دوسرا رخ بہت بھیانک ہے۔ اس نے بنکاک سے ممبئی تک میں گنڈوں کی ایک فوج پالی ہوئی ہے۔ وہ راجن کے نام پر چھوٹے دھندے کرنے والوں سے بھتے لیتے ہیں۔ لاوارث جائدادوں پر جعلی کاغذوں کے ذریعے قبضہ کرلیتے ہیں۔ اسمگلنگ اور منشیات فروشی پر ان کا راج ہے۔ حریفوں سے سرکاری افسران تک جو کوئی ان کی راہ میں مزاحم ہوتا ہے اسے وہ خاموشی اور صفائی سے موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں'' اسد نے بتایا۔

''اس کے باوجود اسے معزز سمجھا جاتا ہے'' میں نے حیرت سے پوچھا۔

''اس کے آدمی بے داغ جرائم کرتے ہیں۔ کسی سے لغزش ہوجائے تو وہ اس کا بھی صفایا کرادیتا ہے۔ جب تک کوئی ثبوت نہ ہو، ان کہانیوں کی کوئی وقعت نہیں ہے۔''

''اس تک رسائی کی کیا صورت ممکن ہے؟'' میں نے غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''یہاں کی مہنگی آبادی میں اس کا گھر کسی قلعے سے کم نہیں ہے۔ مسلح بدمعاشوں کی ایک بڑی ٹولی گھریلو ملازموں کی صورت میں وہاں ہر وقت دندناتی رہتی ہے۔ وہاں اس کی مرضی کے خلاف اس تک پہنچنا ناممکنات میں سے ہے۔ وہ باہر نکلتا ہے تو اس وقت بھی محافظ اس کے ساتھ چلتے ہیں'' اس نے منفی نکتے بیان کردیے۔

''ملکوں کے حکمراں منصوبہ بندی کرکے مار دیے جاتے ہیں۔ راجن ایسا ناقابلِ تسخیر نہیں ہوسکتا۔'' میں نے بے یقینی سے کہا۔

''کوئی ناقابلِ تسخیر نہیں ہوتا۔ اگر تم اس تک پہنچنا چاہتے ہو تو کوئی نہ کوئی راہ نکال لی جائے گی۔ میں تمہیں اس کے معمولات بتا رہا تھا'' اسد نے کہا۔

اسد نے پوری گفتگو میں ایک بار بھی میرے اصل نام کا حوالہ نہیں دیا تھا۔ آثار بتا رہے تھے کہ جلال نے اسے میرے بارے میں محدود معلومات فراہم کی تھیں۔ اس سے آگے کا معاملہ میری صوابدید پر چھوڑ دیا گیا تھا۔

ہم دونوں وہاں سے اٹھ کر ہوٹل کے اس ریستوران کی طرف چل دیے جہاں خاص طور پر کئی ملکوں کے ایشیائی کھانے دستیاب تھے۔

ریستوران بھرنا شروع ہوگیا تھا۔ فضا میں تمباکو کے دھوئیں، الکحل اور کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبوؤں کے گہرے اثرات چھائے ہوئے تھے۔ میں نے وہاں داخل ہوتے ہی پورے ہال پر نگاہیں دوڑائیں۔ وہاں غزالہ کا نام ونشان نہیں تھا۔ شاید اس نے اپنی شکم پری کے لیے ہوٹل کے کسی اور حصے کا انتخاب کیا تھا۔

ہم ایک گوشے میں دیوار کے ساتھ لگی ہوئی، ایسی میز کے گرد جا بیٹھے جہاں صرف تین کرسیوں کی گنجائش تھی۔ اسی مناسبت سے وہ میز بھی چھوٹی تھی۔

ریستوران میں بیٹھنے کے بعد گفتگو کا رخ بدل گیا۔ وہ مجھے اپنے بارے میں بتا رہا تھا۔ اس کے بیوی بچے لاہور میں رہتے تھے۔ اپنی پیشہ ورانہ ذمے داریوں کی انجام دہی اور بچت کے لیے وہ تقریباً دو سال سے بنکاک میں تنہا رہ رہا تھا۔ اس کی بیرونِ ملک تعیناتی کی مدت پوری ہوچکی تھی۔ کسی بھی وقت اس کی پاکستان واپسی کے احکام آسکتے تھے۔

اس کے تجربے اور مشاہدے کے مطابق مشرق کا وہ شہر اپنی رنگارنگی اور حیات آفرینی کے باوجود گناہوں کی ایک خوشنما دلدل میں تبدیل ہوچکا تھا جہاں قدم قدم پر اس دلدل کی طرف بھٹکنے کے واضح امکان تھے لیکن وہ نہایت صبر وقناعت کے ساتھ وہاں اپنا وقت گزار رہا تھا۔ ہر قسم کے مقامی اور غیر مقامی لوگوں سے مراسم ہونے کے باوجود وہ شراب اور عورت کے سحر سے آزاد تھا۔

بنکاک میں پاکستانیوں کی ایک بڑی تعداد آباد تھی۔ وہ لوگ ملازمتوں اور چھوٹے موٹے کاروبار سے اپنی روزی کمارہے تھے۔ اسد کے لیے پوری پاکستانی برادری کی انفرادی سرگرمیوں پر نگاہ رکھنا ممکن نہیں تھا لیکن اپنے خصوصی مراسم کی وجہ سے اسے اہم واقعات سے بروقت آگاہی حاصل ہوجاتی تھی۔ اس کا کام کسی کارروائی میں ملوث ہونے کے بجائے اہم واقعات کی مانیٹرنگ تک محدود تھا۔ وہ اپنی ساری ماہانہ رپورٹیں اسلام آباد کو ارسال کرتا تھا۔

بنکاک میں اپنے قیام کے دو سالوں میں اسے اس وقت پہلا ذہنی جھٹکا پہنچا تھا جب اسے یہ پتا چلا کہ سوبھراج پاکستان میں غداری جیسے سنگین جرائم میں ملوث ہے۔ سوبھراج اپنے عروج کے زمانے میں اکثر نجی دوروں پر بنکاک آتا رہا تھا۔ سفارتی عملے کے علاوہ اسد بھی اسے اپنا بھرپور ذاتی تعاون فراہم کرتا تھا۔ میل جول کی وجہ سے اس کی سوبھراج سے خاصی شناسائی تھی۔

اسے سوبھراج کی صرف ایک بات ناپسند تھی۔ وہ پاکستان کا ایک معروف سیاست داں تھا لیکن بنکاک میں اس کی راجن سے گہری دوستی تھی۔

بنکاک میں اپنی موجودگی کے دوران میں وہ راجن کی کوئی پارٹی نہیں چھوڑتا تھا۔ عیاش طبع ہونے کی وجہ سے

Downloaded from https://paksociety.com

بنکاک کی بدنام عورتیں اکثر اس کے اردگرد منڈلاتی رہتی تھیں۔ وہ اس کی گندی دلچسپیاں تھیں۔ اسد کئی بار اپنی رپورٹوں میں ان کا ذکر کر چکا تھا۔

پاکستان سے سوبھراج کے خلاف چشم کشا خبریں آنے تک وہ اسے ایک بگڑا ہوا اور رنگین مزاج سیاست داں سمجھتا رہا تھا۔ وہ خبریں سننے کے بعد اسے صدمہ ہوا کہ وہ بے خبری کے عالم میں دو سال سے ملک و قوم کے ایک غدار کی خدمت کرتا رہا تھا۔

اسی دوران میں اسد نے ویٹر کو کھانے کا آرڈر دے دیا۔

کھانا شروع ہوا تو ہم دونوں کی گفتگو پھر پچھلے ڈھب پر آ گئی۔

''مجھے تمہارے بارے میں زیادہ تفصیلات کا علم نہیں ہے'' وہ کہہ رہا تھا ''مجھے ہر حال میں تمہاری مدد کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ میں حیران ہوں کہ تم راجن میں اتنی زیادہ دلچسپی کیوں لے رہے ہو۔ کیا تم کو اسی کے خلاف کسی مشن پر مامور کیا گیا ہے؟''

میں نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے کہا ''بنکاک میں اس جیسے نہ جانے کتنے بدمعاش پل رہے ہوں گے۔ فرق یہ ہے کہ وہ اپنی دولت کی وجہ سے مشہور ہو گیا ہے۔ مجھے اس سے ذرا بھی دلچسپی نہیں ہے۔ میرا ہدف سوبھراج ہے.....''

''اوہ خدا!'' وہ ایک گہرا سانس لے کر حیرت سے بولا ''راجن کی جڑ بنیاد کر ید کر تم نے میرا خون آدھا کر دیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ ہم دو بے بساط آدمی اس عفریت کو کیسے پچھاڑ سکیں گے۔ اس کے مقابلے میں سوبھراج چوہا ہے۔ اسے مارنا مشکل نہیں ہوگا۔''

''بنکاک آنے کے بعد وہ راجن کا مہمان ہوتا ہے۔ ہمیں دونوں کو نگاہ میں رکھنا ہوگا'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ہمارے آس پاس کی میزوں پر غیر ملکی بیٹھے ہوئے تھے پھر بھی ہم اردو میں نپی تلی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔

''کیا وہ یہاں آ گیا ہے؟'' اسد نے حیرت زدہ ہو کر سوال کیا۔

''نہیں، آیا تو آ جائے گا'' میں نے اطمینان سے جواب دیا ''معلوم ہوتا ہے کہ تم کو یہاں پاکستانی اخبار دستیاب نہیں ہوتے؟''

''پی آئی اے کی پرواز شام کو یہاں پہنچتی ہے۔ اسی وقت اخبار آتے ہیں۔ آج تمہاری فکر میں، میں اخبارات لینے کے لیے نہیں جا سکا۔ میں پاکستانی اخباروں کا مستقل خریدار ہوں۔ آج کی کاپی صبح جا کر لے لوں گا۔ کیا آج کوئی خاص خبر ہے؟''

''خبریں ہی خبریں ہیں۔ پچھلی رات سوبھراج کے چار آدمی مارے گئے ہیں، تین پکڑے گئے ہیں۔ ان میں وجے نام کا کوئی نامی گرامی بدمعاش بھی شامل تھا'' میں نے اسے بتایا۔

''پھر تو میں یہاں سے واپسی پر ہی اخبار لیتا ہوا جاؤں گا۔ کیا تمہاری آمد اسی سلسلے کی کڑی ہے؟'' وہ یکا یک ہیجان زدہ نظر آنے لگا۔

''اب اس کے لیے پاکستان میں رہنا ممکن نہیں رہا۔ وہ سیدھا اسی طرف آئے گا۔ ہم کو پہلے سے راجن پر نظر رکھنا ہوگی۔ جیسے ہی سوبھراج اس سے ملے، ہمارا کام شروع ہو جائے گا۔''

''پاکستان کے حوالے سے پچھلے دنوں دو ناموں نے بہت شہرت پائی ہے'' وہ لقمہ نگل کر بولا ''سوبھراج سے پہلے ڈینی کا قصہ چلا آ رہا ہے۔ امریکی اس کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ پتا نہیں اسے امریکیوں سے کیا پرخاش ہے۔ آئے دن ان کے کسی نہ کسی اہم آدمی کو مارتا رہتا ہے۔''

میری دانست میں اسد ایک باخبر آدمی تھا۔ اس کی زبان سے وہ فقرے سن کر مجھے صدمہ ہوا۔ اس کا وہ حال تھا تو عام پاکستانیوں کے بارے میں کیا کہا جا سکتا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں اپنے ملک کی نہیں، کوئی ذاتی لڑائی لڑ رہا ہوں جس سے گنے چنے لوگوں کے سوا کسی کو زیادہ دلچسپی نہیں تھی۔ عین ممکن تھا کہ بہت سے لوگ یہ بھی سوچتے ہوں کہ میں امریکیوں کو اشتعال دلا کر پاکستان کے لیے غیر ضروری طور پر مشکلات پیدا کر رہا تھا، میری سرزنش ضروری تھی۔

میں اس نکتے پر ہر ایک کو قائل نہیں کر سکتا تھا۔ مگر اسد کو بات سمجھانے کی کوشش کی جا سکتی تھی۔ میں نے کہا ''شاید تم اس مسئلے کے پورے پس منظر سے بے خبر ہو۔''

''میں سب کچھ جانتا ہوں'' اس نے سر ہلا کر کہا ''میری دانست میں کوئی شخص ریاست سے لڑ کر نہیں جیت سکتا اور پھر ریاست بھی وہ جو دنیا کی اکلوتی سپر پاور ہو۔ اس نے امریکیوں کی شی سے بغاوت کر کے ہیروئن کے خلاف علم اٹھایا تھا۔ اس کی کوششوں سے شی برباد ہو گئی۔ ڈینی کا مشن پورا ہو گیا، اب وہ خودکشی کے راستے پر بڑھ رہا ہے۔''

''شی کی تباہی سے پہلے امریکیوں نے اسے زندہ یا مردہ پکڑنے کے لیے اپنے سارے وسائل داؤ پر لگا دیے تھے۔'' میں نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد کہا ''وہاں سے لڑائی

Downloaded from https://paksociety.com

کا رخ بدل گیا۔ اب ڈینی خاموش ہو کر بیٹھ جائے، تب بھی وہ اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ وہ کسی بے گناہ کو نہیں مارتا۔ پاکستان کے خلاف سازشیں کرنے والوں کے خون کا پیاسا ہے۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ پاکستان میں سوبھراج کو کن قوتوں نے پالا ہوا تھا؟'' میں نے اپنی نظریں اس کے چہرے پر گاڑ دیں ''ڈینی کیا کر رہا ہے؟''

''محکمے میں ڈینی کے بارے میں کوئی زبان نہیں کھولتا'' اس نے مایوسی سے کہا ''مجھے یہ معلوم ہے کہ میرے محکمے کے لیے وہ ایک حسّاس نام ہے۔ میری اطلاعات ان خبروں تک محدود ہیں جو کبھی کبھی اخباروں میں آتی رہتی ہیں۔ یہی معاملہ سوبھراج کا ہے۔ یہاں رہ کر اس کے بارے میں زیادہ جاننا مشکل ہے۔''

''را اور سی آئی اے بیک وقت دونوں بدنام ایجنسیاں سوبھراج کی پشت پناہی کر رہی تھیں اور اس سے گھناؤنے کام لے رہی تھیں۔ اب امریکی ایجنسیاں اس کی بھی دشمن ہیں۔''

میرے بارے میں اسد کی معلومات محدود اور ناقص تھیں۔ یہ بات بھی کھل کر سامنے آ گئی کہ وہ میری اصلیت سے واقف نہیں تھا۔ اس کے لیے میں صرف علی احمد تھا۔

اپنے پیشے کی وجہ سے تجسس اس کے خمیر میں شامل ہو چکا تھا۔ ایک مرتبہ بات چھڑ گئی تو اس نے پے در پے سوالات کرنا شروع کر دیے۔ میں بہت مشکل سے اسے یہ سمجھانے میں کامیاب ہو سکا کہ سوبھراج اپنی کالی کمائی کے سہارے سیاسی قد کاٹھ نکالنے میں کامیاب ہوا تھا ورنہ بنیادی طور پر وہ گندی نالی کا کیڑا تھا جو صرف غلاظت میں پنپ سکتا تھا۔ جرائم سے کنارہ کش ہو کر وہ اپنا وجود تک برقرار نہیں رکھ سکتا تھا۔ اسے بے نقاب کرنے میں ڈینی نے کلیدی کردار ادا کیا تھا۔

''ڈینی کے بارے میں ریکارڈ پر ناقص اور ادھوری باتیں ہوں گی'' وہ بولا ''اسلام آباد میں سینہ بہ سینہ چلنے والی کہانیوں سے مجھے اندازہ ہوا تھا کہ وہ کوئی پاگل شخص یا پھر حد سے زیادہ بے خوف اور دلیر ہے۔ کاش کبھی اس سے سامنا ہو سکے۔ اس کے بارے میں تمہاری معلومات قابلِ رشک ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم کو اس کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا ہے۔''

''فری لانسر ہر شخص کے لیے کام کرتے ہیں'' میں نے ہنس کر اسے ٹال دیا۔

''اس کی آمدنی کے کیا ذرائع ہیں؟'' اسد آسانی سے میری جان چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھا ''اپنے ذاتی وسائل سے ایسی لڑائی لڑنا ناممکن ہے۔''

''ان سوالوں کے جواب وہی دے سکتا ہے یا پھر جلال کو کچھ معلوم ہوگا۔''

''جلال بہت ٹیڑھا اور خطرناک افسر ہے۔ ڈینی اور سوبھراج کے معاملات کسی اور کے پاس ہوتے تو کوئی نہ کوئی خبر لیک ہو جاتی۔ اب مکمل بلیک آؤٹ ہے۔ اسی لیے میں تم سے زیادہ سوالات کر رہا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تم نے برا نہیں مانا ہوگا؟''

''برا ماننے کی کوئی بات نہیں۔ جو کچھ مجھے معلوم تھا وہ میں نے تمہیں بتا دیا۔''

''سنا تھا کہ ڈینی کے ساتھ ویرا لائیڈ نامی کوئی لڑکی بھی ملی ہوئی ہے'' راہ پاتے ہی اسد نے اگلا سوال داغ دیا ''امریکیوں نے دونوں کی زندہ یا مردہ گرفتاری پر بڑے بڑے انعامات رکھے ہوئے ہیں؟''

''یہ بہت پرانی بات ہے۔ اس بارے میں ان کی طرف سے اخباروں میں بڑے بڑے اشتہارات آتے رہے ہیں'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔

''شبہ مجھے بھی ہے کہ ہماری کوئی نہ کوئی ایجنسی ڈینی کو بچا رہی ہے ورنہ وہ اب تک پکڑا گیا ہوتا۔ در پردہ وہ پاکستان کے لیے کام کر رہا ہوگا۔''

میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ آخر کار میں اسے اندر کی بات سمجھانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ میں نے اپنے غیر ضروری ذکر سے جان چھڑانے کے لیے کہا ''مجھے سوبھراج کے قصے کے خاتمے کے لیے تمہارے پاس بھیجا گیا ہے اور تم ڈینی کے قصوں میں الجھے ہوئے ہو۔''

اس کا ہاتھ پلیٹ میں رک کر رہ گیا۔ اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور نیچی آواز میں بولا ''کیا تم اسے مارنے کا مشن لے کر آئے ہو؟''

''یہاں اس کے خلاف اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔ یہاں ہمیں اس کی گرفتاری کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ مقامی انتظامیہ کی مدد لینے کا طریقہ کار اتنا طویل ہے کہ فیصلہ ہونے تک سوبھراج یہاں سے نکل جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ راجن کے اثر و رسوخ کی وجہ سے کوئی کامیابی نہ ہو۔''

''علی! مجھے افسوس ہے کہ میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکوں گا۔ دشمن کو مارنا ہماری پالیسی کے خلاف ہے۔ تصادم میں کوئی حریف اتفاق سے مارا جائے تو دوسری بات ہے۔ تم تو براہِ راست اسے مارنے کا ارادہ کر کے آئے ہو۔ مجھے اپنے افسرانِ بالا سے رجوع کرنا ہوگا۔''

''تمہیں کچھ نہیں کرنا۔ سارا کام میں خود کروں گا۔ تم

Downloaded from https://paksociety.com

مجھے راجن تک پہنچنے کا راستہ بتا دو۔ باقی کام میں خود کرلوں گا۔ تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔''

''میں اس بارے میں کل کوئی جواب دے سکوں گا'' اس نے فکرمندی سے کہا۔

جوش و خروش سے شروع ہونے والی وہ ملاقات آخرکار سرد مہری پر ختم ہوگئی۔ وہ مجھ سے ہوٹل کے کمرے کا نمبر لے کر رخصت ہوگیا۔ میں اپنے کمرے میں لوٹ آیا جہاں غزالہ مجھ سے پہلے فارغ ہوکر واپس آچکی تھی اور کپڑے بدل کا بستر پر آرام کررہی تھی۔

میرا لٹکا ہوا چہرہ دیکھتے ہی غزالہ نے گڑبڑ کا اندازہ لگالیا اور بولی ''معلوم ہوتا ہے کہ اسد سے آپ کی ملاقات کامیاب نہیں رہی؟''

''عجلت میں کیے جانے والے کاموں میں کہیں نہ کہیں گڑبڑ ضرور ہوتی ہے۔ جلال سے اسد کے بارے میں تفصیلی بات کرنے کا موقع نہیں ملا۔ وہ سوبھراج کو مارنے میں میرا ساتھ دینے سے گریز کررہا ہے۔'' میں نے افسردگی سے بتایا۔

''اسے کیسے پتا چلا کہ آپ اسے مارنے کا ارادہ لے کر آئے ہیں؟''

''مجھ سے غلطی ہوگئی۔ میں نے خود ہی ذکر کردیا تھا'' میں نے اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا ''وہ جلال سے بہت جونیئر ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اپنا قاعدہ قانون لے کر بیٹھ جائے گا۔ جلال سے ایک بات طے ہوچکی تھی، سوبھراج کو زندہ یا مردہ زیر کرنا ہے۔ اس کے ہر ماتحت کو اس فیصلے پر سر جھکا کر عمل کرنا چاہیے۔''

''کسی کو زندہ یا مردہ پکڑنے اور گھیر کر مار دینے میں بہت فرق ہے۔ آپ خود اس غلطی کو مان چکے ہیں پھر بے چارے اسد کو الزام کیوں دے رہے ہیں؟ سوبھراج کے خلاف الزامات کی فہرست کتنی ہی گندی اور طویل کیوں نہ ہو، یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ ماضی قریب میں وہ ممتاز سیاسی حیثیت کا حامل تھا۔ ایسے مجرموں پر ہاتھ ڈالنے سے ہر ایک گھبراتا ہے۔''

''غلطی کسی کی بھی ہو، گڑبڑ ہوچکی ہے۔ اسد کو یہاں آئے دو سال سے زیادہ عرصہ ہوچکا ہے۔ کسی بھی وقت اسے پاکستان واپس بلایا جاسکتا ہے۔ اس مرحلے پر وہ از خود کوئی بڑا فیصلہ نہیں کرے گا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ جلال یا کسی اور افسر سے ہدایات لینے کے بعد مجھے اس معاملے میں اپنے فیصلے سے آگاہ کرے گا۔''

''اس سے پہلے آپ جلال کو فون کرکے بریف کیوں نہیں کردیتے؟'' غزالہ نے سوال کیا۔

''اس کی ضرورت نہیں۔ جلال پوری بات سمجھ لے گا۔ اس کا فیصلہ برقرار رہے گا۔'' میں نے کہا ''رہی سہی کسر آج کے اخبارات پوری کردیں گے۔''

غزالہ نے حسب عادت بحث نہیں کی، خاموشی اختیار کرلی۔

اس وقت ساڑھے دس بجے تھے۔ کراچی کا وقت دو گھنٹے پیچھے تھا اور ہم وہاں سے تازہ وارد ہوئے تھے۔ میرے اعصاب پوری طرح تروتازہ تھے۔ نیند کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ میں نے بنکاک کی جاگتی ہوئی راتوں کا سرسری نظارہ کرنے کا ارادہ کیا اور غزالہ کی طرف دیکھتے ہی ترک کردیا۔ اس نے سونے کا لباس پہن کر بزبان خاموشی یہ اعلان کردیا تھا کہ وہ باہر نہیں جائے گی۔

میں نے کمرے میں موجود ٹیلی وژن آن کیا اور لی لی سی لگا کر ایک آرام کرسی پر نیم دراز ہوگیا۔ میں نے روشنی گل کرکے ہلکی روشنی والا بیڈ لیمپ روشن کردیا تھا۔

میں دیر تک ٹیلی وژن کے سامنے جما رہا۔ نگاہیں روشن اسکرین پر مرکوز تھیں، ذہن سوبھراج اور راجن میں الجھا ہوا تھا۔

اسد نے راجن کے سلسلے میں جو کچھ بتایا تھا، وہ میرے لیے حیران کن تھا۔ بدمعاش کتنا ہی دولت مند ہوجائے، ہمیشہ بدمعاش رہتا ہے۔ لوگ اس سے ڈرتے اور خوف کھاتے ہیں۔ اس کی عزت نہیں کرتے۔ ان کے دلوں میں اس کے لیے نفرت کے جذبات موجزن رہتے ہیں لیکن راجن کے معاملے میں وہاں الٹی گنگا بہہ رہی تھی۔ تھائی حکام نے اس کی بدمعاشیوں سے صرف نظر کرتے ہوئے اسے ایک معزز سیاح کا درجہ دیا ہوا تھا۔

مجھے صاف نظر آرہا تھا کہ مجھے راجن اور سوبھراج کے خلاف کہیں سے کوئی مدد نہیں مل سکے گی۔ مجھے جو کچھ کرنا تھا، اپنے طور پر کرنا تھا۔

میری دلی خواہش تھی کہ ان دونوں کے خلاف میری پہلی کارروائی اتنی سخت اور بھرپور ہو کہ ان کے ہوش اڑ جائیں۔ اس خواہش کے باوجود مجھے اپنے کام کے آغاز کے لیے کوئی سرا نظر نہیں آرہا تھا۔

بارہ بجے کے قریب فون کی گھنٹی بجی تو میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ بنکاک میں ایسا کون تھا جو اتنی دیر سے مجھے فون کرسکتا تھا؟

میں نے غزالہ پر نظر ڈالی تو وہ گہری نیند سو رہی تھی۔ اس

Downloaded from https://www.paksociety.com

کی نیند خراب ہونے کے خوف سے میں نے لپک کر فون اٹھالیا۔

ریسیور کان سے لگتے ہی میرے کانوں میں ایک رسیلی نسوانی آواز آئی ''گڈ ایوننگ سر! میرا نام سیفل ہے، عمر بائیس سال ہے۔ کسی کام کے لیے میری ضرورت ہو تو میں ذرا سی دیر میں آپ کے دروازے پر آسکتی ہوں'' وہ مقامی لہجے میں صاف ستھری انگریزی بول رہی تھی۔

''شاید تم کو علم نہیں کہ میں اپنی بیوی کے ساتھ مقیم ہوں'' میں نے غزالہ کی طرف دیکھ کر خاصے تیکھے بلکہ ترش لہجے میں کہا۔

''مجھے معلوم ہے سر!'' نہایت سعادت مندی سے کہا گیا ''میں بہترین مساج کرتی ہوں۔ آپ کی مسز کو لطف آجائے گا۔ میری فیس بھی بہت کم ہے.....''

''فیس پر لعنت بھیجو۔ میں ابھی آپریٹر سے پوچھتا ہوں کہ اس وقت اس نے میرے کمرے سے تمہاری کال کیوں ملائی۔''

''سر! کال میں نے خود ملائی ہے۔ ہوٹل کا نمبر ملانے کے بعد اب کمرے کا نمبر ڈائل کرنا ہوتا ہے۔ آپریٹر کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب کمرے کا نمبر معلوم نہ ہو۔ آپ چاہیں تو مجھے کل وقت دے سکتے ہیں۔ میں پہنچ جاؤں گی'' اس نے میری برہمی کو سرے سے نظر انداز کر دیا تھا۔

''مجھے کسی مساج کی ضرورت نہیں ہے۔ دوبارہ مجھے فون نہ کرنا'' میں نے غصے سے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔

ریسیور رکھتے ہی دوبارہ فون کی گھنٹی بجی اور میں نے بھنّا کر ریسیور اٹھالیا۔ میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ اس بار میں سیفل کو ایسی کھری کھری سناؤں گا کہ وہ تیسری بار مجھے فون کرنے کی ہمت نہیں کرسکے گی ''اب کیا مصیبت ہے؟''

''کیا بات ہے..... اس وقت تم بہت غصے میں ہو؟'' اسد کی آواز سن کر میرا غصہ صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گیا ''کیا کسی سے لڑ رہے تھے؟''

''ابھی ابھی کوئی عورت کان کھا رہی تھی۔ وہ میرا اور صدف کا مساج کرنا چاہتی تھی'' میں نے بے بسی کی ہنسی کے ساتھ اسے بتایا ''میں سمجھا کہ اس نے دوبارہ فون کیا ہے۔''

''یہاں یہ ہوتا رہتا ہے۔ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر تاؤ کھاؤ گے تو بنکاک میں رہنا دشوار ہوجائے گا۔'' اس نے ہمدردانہ مشورہ دینے کے بعد اپنی بات جاری رکھی ''وہ معاملہ صاف ہوگیا ہے۔ جیسا تم چاہو گے، وہی ہوگا۔ آج کے پاکستانی اخبارات نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ یہ رحم کھانے کے قابل نہیں ہیں۔''

مجھے خوشی ہوئی کہ اس نے وقت کی پروا کیے بغیر مجھے فوری طور پر اپنے فیصلے سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا تھا۔

''آنے والے پر نگاہ رکھو، مجھے فوری طور پر اس کی آمد کی خبر ملنی چاہیے'' میں نے فون پر سوبھراج کا نام لینے سے گریز کرتے ہوئے اسے ہدایت دی۔

''تم بے فکر رہو۔ مجھے بتا دیا گیا ہے کہ اس بار وہ کراچی کے بجائے تہران سے آئے گا۔ ادھر سے روزانہ صرف ایک پرواز آتی ہے۔ اسے میں خود دیکھوں گا۔''

اسد سے بات ہونے کے بعد مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے سر سے ایک بڑا بوجھ ہٹ گیا ہو۔ اس کے ابتدائی تذبذب نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا، میں کسی قریبی معاون کے بغیر اس اجنبی شہر میں ایک بڑا معرکہ کیسے سر کرسکوں گا۔

نیند اس وقت بھی میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ ٹیلی وژن میں مجھے کوئی دلچسپی نظر نہیں آرہی تھی۔ اسے آف کرکے میں بستر پر غزالہ کے پہلو میں دراز ہوگیا۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ میں اپنے ذہن میں کوئی حکمتِ عملی بنانے کی کوشش کررہا تھا لیکن کامیابی نہیں ہورہی تھی۔ یکا یک میرے ذہن میں راجن کی وائٹ ہاک نامی بوٹ کا نام ابھرا۔ وہ بنکاک میں راجن کی تازہ ترین سرمایہ کاری تھی۔ شاید اسد کو بھی اس بوٹ پر جانے کا موقع نہیں مل سکا تھا لیکن اس نے سنی سنائی باتوں کی بنا پر جو کچھ بتایا تھا وہ میرے لیے دلچسپ تھا۔

شہر کے گنے چنے لوگوں اور ان کے مہمانوں کے لیے وہ تیرتا ہوا عشرت کدہ بنا کر راجن نے ایک منفرد اعزاز حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اسے وائٹ ہاک پر ناز ہونا چاہیے تھا۔ یہ امکان قوی نظر آرہا تھا کہ بنکاک کے ممتاز شہریوں میں اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کے لیے وہ اپنی بیشتر شامیں اسی پرشکوہ بوٹ پر گزارتا ہو۔ اس تک پہنچنے کے لیے وہ بہترین راستہ تھا۔

اسد کی معلومات کے مطابق راجن ان دنوں شہر میں نہیں تھا۔ میں اس کی غیر موجودگی سے فائدہ اٹھا کر وائٹ ہاک کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرسکتا تھا۔ راجن اور اس کے بعد سوبھراج شہر آجاتا تو میں تیزی کے ساتھ اپنے منصوبے پر عمل کرسکتا تھا۔

کمرے میں پھیلی ہوئی ناکافی سبز روشنی میں میرے ذہن میں نت نئے امکانات ابھر رہے تھے۔ خاکے بننے اور بگڑنے کا سلسلہ جاری تھا۔ اس دوران میں کسی وقت میری

Downloaded from https://paksociety.com

آنکھ لگ گئی۔

اگلی صبح ہم دونوں کمرے میں ناشتا کررہے تھے تو اچانک میرے موبائل فون میں جان پڑ گئی اور اس کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ میرے لیے خوشی کا موقع تھا۔ میں نے ناشتا چھوڑ کر وہ کال وصول کرلی۔

''کیا حال ہیں۔ میں نے تمہیں نیند سے تو نہیں اٹھایا'' موبائل فون پر جلال چہک رہا تھا۔

''ہم ناشتا کررہے ہیں۔ تم نے اتنے سویرے کیسے فون کرلیا۔ اس وقت وہاں سات بجے ہوں گے'' میں نے کمرے میں لگے ہوئے خوبصورت وال کلاک پر نظر ڈال کر کہا۔

''تمہارے فون پر ایمرجنسی میں رومنگ کھلوائی گئی ہے۔ میں ہوٹل کے فون پر تم سے بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ تم یہاں سے اتنی افراتفری کے عالم میں روانہ ہوئے کہ کئی باتیں ہونے سے رہ گئیں۔ رات کو میرے پاس اسد کا فون آیا تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم وہاں پہنچتے ہی اس سے کھل کر بات کرو گے، وہ سخت تذبذب میں مبتلا تھا۔''

''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ وہ میری بات کا اتنا اثر لے گا۔ وہی بات میں دوسرے پیرائے میں بھی کہہ سکتا تھا۔ یہ غلطی ہونا تھی اور ہوگئی۔''

''ہر آدمی جلال نہیں ہوتا۔ کل کے اخباروں نے اسے بہت متاثر کیا ہوا تھا۔ میں نے بہت تحمل سے کام لے کر اسے سمجھا دیا ہے۔ تمہیں اس سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ میں اس غلط فہمی پر تم سے معذرت خواہ ہوں۔ تمہارے وہاں جانے سے پہلے مجھے تم کو اور اسد کو بریف کردینا چاہیے تھا۔''

''رات بارہ بجے کے بعد اس کا فون آ گیا تھا۔ بات صاف ہوگئی ہے۔ یہ سناؤ کہ وہاں کیا ہورہا ہے۔ اسے کب تک ادھر ہانک رہے ہو؟''

''تمہیں اس کی وجہ سے وہاں نہیں بھیجا گیا۔ یہ بات ذہن میں رکھو کہ یہاں کے حالات تمہارے لیے بہت مخدوش ہوگئے تھے۔ آج انہوں نے ممتاز مقامی اخبارات میں پہلے صفحے پر تمہارے اور ویرا کے خلاف پھر انعامی اشتہار چھپوائے ہیں۔ یہاں تمہاری تلاش کی مہم میں بھی تیزی آ گئی ہے۔''

''اس وقت پورے زور وشور سے ہم دونوں کو تلاش کرکے انہیں باور کرایا جاسکتا ہے کہ پاکستان میں کوئی ہمارا ساتھ نہیں دے رہا۔ اس مہم میں ہمارے مکان پر کارروائی بھی کی جاسکتی ہے۔''

''نہ، نہ! یہ ہرگز نہیں ہوگا۔'' فقرہ پورا ہوتے ہی اس نے میری بات کاٹ دی ''انہیں یہ علم ہوگیا کہ تم دونوں نے کچھ عرصہ اس گھر میں گزارا ہے تو وہ اپنے جدید ترین آلات کے ساتھ وہیں ڈیرے ڈال دیں گے اور تمہارے خلاف خاصا مواد حاصل کرلیں گے، جن میں تمہارے فنگر پرنٹس بھی شامل ہوسکتے ہیں۔ ہم انہیں ایسا کوئی موقع نہیں دیں گے۔''

''یہ باتیں تم بہتر سمجھ سکتے ہو۔ میری طرف سے تمہیں کھلی اجازت ہے۔''

''تم بے فکر رہو۔ منظر سے تم دونوں کے ہٹ جانے کے بعد ان کے ذہنوں سے ہر شک وشبہ مٹا دیا جائے گا۔'' جلال نے کاٹ دار آواز میں کہا ''وہ سوچنے پر مجبور ہوجائیں گے کہ اب تم دونوں کراچی میں نہیں ہو۔ ایک بار یہ ثابت کردیا جائے تو وہ مہینوں کے لیے خاموش ہوکر چین سے بیٹھ جائیں گے۔''

''یہ یاد رکھنا کہ میرے لیے خالی رہ کر وقت گزارنا بہت مشکل ہوگا۔''

''مجھے یقین ہے کہ اب تک وہ پاکستان سے نکل چکا ہوگا۔ وہ پڑوسی ملک میں زیادہ دیر تک نہیں رکے گا۔ جلد از جلد تمہاری طرف آئے گا۔ اس دوران میں تم راجن کے بارے میں اپنا ہوم ورک مکمل کرلو۔ وہ زیر ہوگیا تو تمہارا مسئلہ حل ہوجائے گا۔''

''رتن سیٹھ کیا کہانی سنا رہا ہے؟'' جلال کی آواز سن کر میں ناشتے کو بھول چکا تھا اور اس سے جلد از جلد پچھلے چوبیس گھنٹوں کی روداد جاننے کے لیے مضطرب ہوگیا تھا۔

''وجے کی سرگرمیوں کی ہولناک داستانوں کے سوا اس کے پاس کچھ نہیں ہے'' اس نے بتایا ''وہ ہر کام میں وجے کے ساتھ شریک ہوتا تھا۔ سوبھراج اور وجے کے گٹھ جوڑ کے بارے میں وہ اندھیرے میں ہے۔ مقامیوں کو بھی کچھ پتا نہیں ہے۔ وہ صرف وجے کو جانتے تھے اور اسی کے ایما پر آخری مہم میں شریک ہوئے تھے۔ وجے کی موت سے معلومات کا ہر دروازہ بند ہوگیا۔''

اس مہم میں چار پاکستانی ماہی گیروں کی شمولیت کے بارے میں کوئی سوال کرنا بے سود تھا۔ اس بارے میں صرف قیاس کیا جاسکتا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ سوبھراج نے مجھے گھیرنے کا کام وجے کو سونپا تھا۔ اس کا کراچی آنا جانا رہا ہوگا مگر وہ کراچی کے مضافات سے اتنا واقف نہیں ہوسکتا تھا کہ ایک خوں ریز ڈراما اسٹیج کرنے کے لیے کسی موزوں ویرانے کا انتخاب کرسکے۔ اس کام کے لیے اسے مقامیوں کی مدد درکار تھی۔ اس نے اپنے لیے کام کرنے والے چار پاکستانیوں سے مشورہ کرکے مزار والی پہاڑی کا انتخاب کیا اور سوبھراج کو

Downloaded from https://paksociety.com

گرین سگنل دے دیا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ سب کے سامنے تھا۔

''تم نے بہت اچھا کیا کہ وقت ضائع کیے بغیر ساری تفصیلات اخبارات کو جاری کرادیں'' میں نے تعریفی لہجے میں کہا ''کراچی چھوڑنے سے پہلے میں یہی سوچ رہا تھا کہ اس معاملے میں تاخیر ہمارے مقاصد کے لیے نقصان دہ ثابت ہوگی۔''

''یہ سامنے کی بات تھی۔ سوبھراج کو جلد از جلد پتا چلنا چاہیے تھا کہ اس کے آدمیوں کا کیا حشر ہوا ہے۔ اس کے لیے اخبارات بہترین ذریعہ تھے۔''

''وہ میری زبان سے وجے کا نام سن کر ہراساں ہوگیا تھا'' میں نے ہنس کر کہا۔

''مجھے معلوم ہے۔ اول خان نے بتایا تھا کہ تم نے فون پر اسے بہت سلگایا تھا۔''

''وہ یہ ماننے کے لیے آمادہ نہیں تھا کہ اس کے آدمی برے حشر سے دوچار ہوئے ہیں۔ میری آواز سن کر اسے شدید مایوسی ہوئی تھی۔''

''وہ تم سے خوف زدہ ہو چکا ہے۔ اسے بری خبر کا انتظار تھا۔ اسے وہی خبر ملی جو اس کے اپنے آدمیوں کے بارے میں تھی۔ سوبھراج جانتا ہے کہ وہ سارا چکر تمہیں گھیرنے کے لیے چلایا گیا تھا۔ تم اس واقعے میں شریک تھے لیکن اخبارات میں کہیں بھی تمہارا نام نہیں ہے۔ امریکی اپنے شبہات کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔ سوبھراج پر یہ بات کھل گئی ہے کہ کوئی ایجنسی تمہارا ساتھ دے رہی ہے۔ اب وہ تمہارے سائے سے بھی دور رہنے کی کوشش کرے گا۔''

''کہیں تم یہ تو نہیں کہہ رہے کہ اسے بنکاک میں میری موجودگی کا علم نہیں ہونا چاہیے۔''

''یہ میرا بہترین مشورہ ہے۔ اسے تمہاری موجودگی کا علم ہوگیا تو وہ وہاں سے کہیں اور نکل جائے گا۔ تم کو خاموشی سے اپنا کام کرنا چاہیے۔''

میں نے جلال کے مشورے پر کوئی اعتراض نہیں کیا مگر میری رائے اس سے مختلف تھی۔

پاکستان میں سوبھراج تنہا رہ گیا تھا جبکہ میرے ہاتھ بہت مضبوط تھے۔ اپنے ساتھ پیش آنے والے پے در پے واقعات سے اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ میں اکیلا نہیں تھا۔ بہت سے لوگ میرے دست و بازو بنے ہوئے تھے۔ جو دشمن سے لڑائی میں میری بھرپور مدد کر رہے تھے۔

جلال کے کہنے کے مطابق وجے والے واقعے کی رپورٹنگ نے سوبھراج کو یہ بھی باور کرادیا ہوگا کہ پاکستان کی کوئی ایجنسی میرا بھرپور ساتھ دے رہی ہے۔ یہ اطلاعات سوبھراج کے حق میں نہیں تھیں۔ اس نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ مجھ سے لڑنے کے لیے پاکستان اس کے لیے سازگار میدان نہیں تھا۔

بنکاک سوبھراج کے لیے اس کا اپنا شہر تھا جہاں اسے راجن جیسے مضبوط گروہ بند کی پوری حمایت اور سرپرستی حاصل تھی۔ اسے یہ جان کر خوشی ہوتی کہ میں پاکستان چھوڑ کر بنکاک میں اس کے مضبوط چنگل میں آ پھنسا تھا۔ وہ اپنے بلکہ راجن کے پورے وسائل کے ساتھ میری تلاش شروع کردیتا۔ اس کے بنکاک سے فرار کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔

وہ بعد کا مسئلہ تھا جس کے بارے میں ضرورت کے تحت کوئی بھی فیصلہ کیا جاسکتا، میں اس نکتے پر قبل از وقت بحث کر کے جلال کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔

''یہ سب زندگی کے بکھیڑے ہیں۔ ساتھ ساتھ چلتے رہیں گے۔ یہ بتاؤ کہ وجے اینڈ پارٹی کے انجام پر بھارتیوں کا کیا ردعمل ہے؟''

''وہ بہت محتاط ہیں۔ میرا خیال ہے کہ سوبھراج اور وجے کے گٹھ جوڑ کی کہانی نے انہیں پریشان کردیا ہے۔ اخباروں میں تین مجرموں کی قومیت کے بارے میں کھل کر لکھا گیا ہے اس لیے اسلام آباد سے ان کا ایک سفارتی افسر کراچی آ گیا ہے۔ وہ قیدی سے ملاقات کے ساتھ دونوں لاشوں کو دیکھنے کا خواہاں ہے۔''

''تم ان تینوں کی قومیت کے بارے میں اتنے پُریقین کیوں ہو؟''

''ہمارے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ اس پہاڑی کے دامن میں بھارتی بدمعاش گھات لگائے بیٹھے ہوں گے۔ اگر رتن بھی مارا جاتا تو ان تینوں کی شناخت بہت دشوار ہوتی۔ اس کی زندہ گرفتاری کی وجہ سے وہ کام بہت آسان ہوگیا۔''

''اور امریکی کیا کہتے ہیں؟'' میں نے سوال کیا۔

''تمہاری تلاش جاری ہے اس لیے ان سے رابطے چل رہے ہیں، انہیں کراچی میں امن و امان کے حالات پر تشویش ہے۔ اس واقعے سے ٹام اور تین کمانڈوز کی موت کا زخم تازہ ہوگیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ کراچی رفتہ رفتہ بین الاقوامی بدمعاشوں کا گڑھ بنتا جارہا ہے۔''

''کاش! انہیں یہ بتایا جاسکے کہ سب سے بڑے بدمعاش وہ خود ہیں۔''

Downloaded from https://paksociety.com

''تم ان کو یہ بات بتاتے رہے ہو۔ سرکاری سطح پر ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔''

''مجھے خوشی ہے کہ میرا موبائل فون کھل گیا۔ اب تم لوگوں سے بات ہوتی رہے گی۔ ویرا اور سلطان شاہ کی کیا خیر خبر ہے؟''

''ان کی پرواز تم سے لمبی تھی۔ دوپہر میں لندن پہنچنے کے بعد اب وہ ٹرانزٹ ہوٹل میں رات گزار رہے ہوں گے۔ وہاں کے وقت کے مطابق صبح وہ نیویارک کے لیے روانہ ہو جائیں گے۔''

جلال سے وقت کی کمی کی وجہ سے جو باتیں کراچی میں نہیں ہو سکی تھیں، وہ فون پر ہوگئیں۔ اس نے غزالہ کی خیر خیریت معلوم کرنے کے بعد فون بند کر دیا۔

ناشتے کے بعد ہم دونوں تیار ہو کر ہوٹل سے نکل گئے۔ ہر طرف زندگی کے معمولات بھرپور توانائیوں کے ساتھ رواں تھے۔ پرہجوم راستوں پر ٹہلتے ہوئے ہم قریبی بازار کی طرف نکل گئے جہاں مقامی دستکاری کی بہت سی اشیا غزالہ کی توجہ کا مرکز بنیں لیکن وہ خریداری سے گریز کرتی رہی۔

ہمیں کچھ معلوم نہیں تھا کہ ہمیں کتنے دنوں تک وہاں رہنا تھا۔ اتنی مدت تک ان چیزوں کو سنبھالنا ممکن نہیں تھا۔ غزالہ نے وہ خریداریاں آخری ایام کے لیے التوا میں ڈال دیں۔

بازار گھوم کر ہم واپس اپنے ہوٹل پہنچے تو اسد لابی میں بیٹھا ہماری واپسی کا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے صدف کے نام سے غزالہ کو اس سے متعارف کرایا۔ اس نے روایتی ادب واحترام سے غزالہ کو سلام کیا پھر ہم لابی کے اندرونی حصے میں ایسی جگہ جا بیٹھے جہاں زیادہ روشنی کا گزر نہیں تھا۔

ہم دونوں بازار سے تھک کر آئے تھے۔ میں نے بیٹھتے ہی چائے کا آرڈر دیا اور اسد کی طرف متوجہ ہو گیا۔

وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ جن میں غزالہ کے لیے مقامی مصروفیات اور دلچسپیوں کا ذکر بھی شامل تھا۔ چائے آئی اور ختم کر لی گئی لیکن اسد نے کوئی کام کی بات نہیں چھیڑی تو مجھے الجھن ہونے لگی۔ کچھ پتا نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیوں آیا تھا اور کیا چاہتا تھا۔

اس نے دو مرتبہ اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی لیکن اپنی جگہ جما رہا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ طے شدہ وقت پر کہیں جانا چاہتا تھا لیکن کسی وجہ سے میرے پاس سے نہیں اٹھ رہا تھا۔

''اگر تم کو کہیں جانا ہے تو چلے جاؤ۔'' اس نے تیسری مرتبہ اپنی رسٹ واچ کی طرف دیکھا تو میں خاموش نہ رہ سکا۔

''جانا ہے لیکن اس سے پہلے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں۔'' اسد نے جھجکتے ہوئے کہا۔ اس نے خاموش ہو کر ایک لحظے کے لیے غزالہ کی طرف دیکھا پھر اس سے نظریں چرا کر بات جاری رکھی ''میں تم سے تخلیے میں بات کروں گا۔''

وہ مہذب اور شائستہ آدمی تھا۔ اس نے غزالہ کے منہ پر وہ بات کہہ کر اچھے قرینے کا ثبوت نہیں دیا تھا۔ میں نے رسانیت سے کہا ''میاں بیوی میں مفاہمت ہو تو وہ ایک دوسرے کے بہترین معاون اور مددگار ثابت ہوتے ہیں صدف میری رازدار بھی ہے اور دستِ راست بھی۔ تم بے فکر ہو کر اس کے سامنے ہر بات کر سکتے ہو۔''

اسد کے ہونٹوں پر خفت آمیز مسکراہٹ تیر گئی۔ اسے اندازہ ہو گیا کہ اس سے غلطی ہو گئی تھی۔ اسی وقت غزالہ نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہ واپسی کا ارادہ کر رہی تھی۔

''ارے بھابی!'' اسد بوکھلا کر احتراماً کھڑا ہو گیا ''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ علی کی خواہش ہے تو تم بیٹھی رہو۔ مجھے اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ میں تمہارے سامنے لڑائی جھگڑے اور بدمعاشی کی باتیں کروں میں انہیں مردانہ کھیل سمجھتا ہوں۔''

میری آنکھ کا اشارہ پا کر غزالہ نے اپنا ہینڈ بیگ اٹھایا اور خندہ پیشانی سے بولی ''میں برا مان کر نہیں جا رہی۔ مجھے ابھی ابھی یاد آیا ہے کہ مجھے اپنے کمرے سے کسی کو فون کرنا ہے۔ تم سے مل کر مجھے خوشی ہوئی ہے پھر کبھی ملاقات ہوگی۔''

وہ اسد کی طرف دیکھ کر الوداعی انداز میں مسکرائی اور پھر لابی سے چل دی۔

''یار! مجھے ندامت ہو رہی ہے۔'' غزالہ کے چلے جانے کے بعد اسد متاسفانہ لہجے میں بولا ''بھابی کو میری بات ضرور بری لگی ہوگی۔ میں مجبور تھا۔ میں نے کسی کو ملاقات کا وقت دیا ہوا ہے۔ اسے میرا گھر بند ملا تو اسے تلاش کرنا دشوار ہو جائے گا۔''

''اب تم وقت ضائع کر رہے ہو۔ اپنی بات شروع کیوں نہیں کرتے؟''

''تم سوبھراج سے پہلے راجن پر ہاتھ صاف کرنا چاہتے ہو؟'' دھیمی آواز میں وہ فقرہ ادا کرتے ہوئے اس نے اپنی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کر دیں۔

''ہاتھ صاف ہو یا نہ ہو میں اس تک پہنچنے کی کوئی سبیل ضرور نکالنا چاہتا ہوں۔''

''میرے نزدیک بات ایک ہی ہے۔ دراصل یہاں میرا کام کسی آپریشن کے بجائے صرف مانیٹرنگ کا رہا

Downloaded from https://paksociety.com

ہے۔'' اس نے پُرخیال انداز میں تمہید باندھتے ہوئے کہا ''میں نے کبھی کسی کے بارے میں تحریری انداز میں نہیں سوچا لیکن تمہارے یہاں آتے ہی حالات نے ایک نئی کروٹ لی ہے۔ تمہاری زبان سے راجن کے بارے میں سخت کلمات سن کر مجھے ذہنی جھٹکا لگا تھا۔ مجھے تمہارے آنے کی خبر مل گئی تھی مگر یہ معلوم نہیں تھا کہ تمہارے کام کا اسکوپ کیا ہے۔ یہ بات مجھے پہلے سے معلوم ہونی چاہیے تھی۔ بہرحال میں تمہارا ممنون ہوں کہ تم نے اس گڑبڑ کا برا نہیں مانا اور میری مجبوری کو سمجھ لیا۔ رات کو میں نے یہاں سے واپس جاتے ہوئے کراچی کے اخبار اپنے بک اسٹال سے لے لیے تھے۔ ان میں سوبھراج اور وجے کے بارے میں چھپنے والی خبریں پڑھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ اب پانی سر سے گزرتا جارہا ہے۔ اس سے پہلے ہاکس بے کے سنی ہٹ کے قریب وجوار میں امریکیوں سے ڈینی کا تصادم ہوا تھا جس میں دو امریکی کمانڈو ڈینی کی زہریلی سوئیوں کا شکار ہوئے تھے' تیسرا گولی سے مارا گیا تھا اور ٹام نامی افسر کی گردن توڑ دی گئی تھی۔ آثار یہ بتا رہے کہ سنی ہٹ کے واقعے کا انتقام لینے کے لیے وجے کی پارٹی کو کراچی بلایا گیا تھا۔ ان کے کچھ کرنے سے پہلے انہیں چل دیا گیا۔ اب سوبھراج کے بارے میں بھی اسی بے رحمی کی ضرورت ہے۔ اس کے بارے میں تم نے کسی مبالغے سے کام نہیں لیا۔''

میں خاموشی سے اس کی وہ تقریر سنتا رہا۔ تناج اس کے اپنے اخذ کردہ تھے۔ میں نے ان کی تصحیح کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ خاموش ہوا تو میں نے زبان کھولی ''تمہیں یہ سب بتانے کی ضرورت نہیں تھی۔ میرے لیے اتنا کافی ہے کہ تمہارے بڑوں نے میری بات کی توثیق کی ہے۔ اب تم میرے ساتھ مل کر سکون سے کام کرسکو گے۔''

''دیار غیر میں کسی خطرناک مشن پر ایک ساتھ کام کرنے والوں کے درمیان ذہنی ہم آہنگی ضروری ہوتی ہے اس لیے یہ صفائی پیش کرنی ضروری ہے۔ مجھے خوب اندازہ ہے کہ کل رات میرے انکار سے تمہارے جذبات کو ٹھیس پہنچی ہوگی۔''

اس کے آخری فقرے نے میرا دل ٹھنڈا کردیا۔ مجھے اس سے کوئی پرخاش نہیں تھی۔ اس نے اپنی حدود میں رہنے کی کوشش کی تھی جس پر برا نہیں ماننا چاہیے تھا۔ مجھے ہر حال میں اس کے ساتھ مل کر کام کرنا تھا۔ وہ اتنی بھی تقریر نہ کرتا تب بھی میں اس سے مدد لینے پر مجبور تھا۔ یہ خوشی کی بات تھی کہ اس نے اپنی حدود و قیود کے ساتھ میرے جذبات کا بھی احترام کیا تھا اور کھلے دل سے اپنی غلطی تسلیم کرکے میرا دل صاف کردیا تھا۔

''یہ باتیں تم صدف کے سامنے بھی کرسکتے تھے۔'' میں نے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے خوش دلی سے کہا ''تم نے ابھی تک مار دھاڑ یا بدمعاشی کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔''

''میں اسی طرف آرہا ہوں۔'' وہ بولا ''کام کی نوعیت بدل جانے کے بعد میں نے بہت غور سے سارے نکات کا جائزہ لیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ڈان برنارڈ سے تمہاری ملاقات بہت سودمند رہے گی۔''

''یہ کون ہے؟'' اس کی زبان سے وہ نیا نام سن کر میں نے حیرت سے پوچھا۔

''دو سال پہلے تک وہ بنکاک کی زیرزمین دنیا کا بے تاج بادشاہ تھا۔'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''میری یہاں پوسٹنگ ہوئی تو یہاں اس کے نام کا ڈنکا بج رہا تھا۔ بڑے بڑے سورما اس کے نام سے تھراتے تھے۔ راجن یہاں قدم جمارہا تھا لیکن اسے ڈان اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑرہا تھا۔ آئے دن راجن کے آدمی ہلاک اور زخمی ہورہے تھے۔ شاید یہاں سے اس کے قدم اکھڑ جاتے لیکن ایک بائیس سالہ عورت نے یکا یک سب کچھ بدل دیا۔ ڈان گوشہ نشین ہوگیا۔ اور چھوٹا راجن ہر طرف چھاتا چلا گیا۔''

''وہ بائیس سالہ عورت کون تھی۔ اس کا ہمارے کام سے کیا تعلق ہے؟''

''ڈان برنارڈ پختہ عمر کا آدمی ہے۔ اس نے ایک بائیس سالہ لڑکی کے عشق میں مبتلا ہوکر اس سے شادی کرلی۔ ایک دن اس لڑکی نے کسی بات پر مشتعل ہوکر بھرے بازار میں جوتی سے ڈان کی پٹائی کردی۔ وہ اپنے بچاؤ کی کوششوں میں لڑکی سے پٹتا رہا۔ پلٹ کر اس پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ تھک کر لڑکی نے وہیں بیٹھ کر رونا شروع کردیا۔ ڈان اسے چھوڑ کر سر جھکائے واپس لوٹ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس ذلت آمیز واقعے نے ڈان کے دل پر گہرا اثر ڈالا۔ کئی دنوں تک وہ منہ چھپائے اپنے گھر میں چھپا رہا۔ اس کے بعد وہ سیلز زبار میں نمودار ہوا تو بالکل بدل چکا تھا۔ اپنی روزی کمانے کے لیے وہ خاموشی سے اپنا بار چلاتا ہے۔ بدمعاشی سے تائب ہوچکا ہے۔ بنکاک والوں کے لیے وہ عبرت کا ایک مرقع ہے۔''

''کم سن بیوی کی جوتیوں نے اسے یکا یک شرافت کی راہ پر ڈال دیا۔''

''یہی کہا جاتا ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے میرے مزاحیہ تبصرے کی تائید کی ''وہ واقعہ کمزور عورت کی طاقت کا مظہر سمجھا جاتا ہے۔''

Downloaded from https://paksociety.com

''ڈان میرے لیے کس طرح سودمند ثابت ہوسکتا ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''اس کی پسپائی کے بعد یہاں چھوٹا راجن کی راہ روکنے والا کوئی نہیں تھا۔ اس نے بہت تیزی سے ڈان کی خالی کی ہوئی جگہ پر قبضہ کرلیا۔ ڈان آج بھی کڑھتا رہتا ہے اور بنکاک کے بدمعاشوں کو گالیاں دیتا ہے کہ وہ اپنی سلطنت نہیں بچا سکے اس کے ہٹتے ہی چھوٹا راجن کے باج گزار بن گئے۔ اب اس کی غلامی کررہے ہیں۔''

وہ دوسال سے عملی زندگی سے کنارہ کش ہے تو میرے یا تمہارے لیے کیا کرسکے گا؟''

''اس کے دل میں راجن کے خلاف نفرت کی چنگاریاں سلگ رہی ہیں۔ اسے ذرا سے تیل کی ضرورت ہے وہ تمہارے ساتھ میدان میں آئے یا نہ آئے' تمہارے لیے مددگار ثابت ہوسکتا ہے۔''

''ڈان اس کے نام کا حصہ ہے یا وہ واقعی مافیا کا ڈان تھا؟''

''اس کی بدمعاشی کے اعتراف میں زیرزمین دنیا کے لوگوں نے خود ہی اسے اپنا ڈان تسلیم کرلیا تھا۔ ان کے آپس کے جھگڑوں میں برنارڈ کا فیصلہ آخری ہوتا تھا جسے تسلیم کرنا ہر فریق کے لیے ضروری ہوتا تھا۔ یہاں اس کا بہت رعب اور دبدبہ تھا۔''

''اور اب وہ سیلرز بار کی آمدنی پر گزارا کررہا تھا!'' میں نے تائید چاہی۔

اسد اثبات میں سرہلا کر رہ گیا۔ وہ ڈان سے خاصا متاثر نظر آرہا تھا۔

''تم اس سے مل چکے ہو؟'' میں نے اس کی تجویز کے عملی امکانات پر غور کرتے ہوئے سوال کیا۔

''باقاعدہ ملاقات نہیں ہوئی لیکن سیلرز بار میں کئی بار اسے دیکھا ہے۔ اب بھی اس کی صورت دیکھ کر لوگوں کا دم نکلتا ہے۔ وہ کسی بات میں دخل دیتا ہے نہ کسی کو کچھ کہتا ہے۔ اس کے باوجود اس کے بار میں لوگ نشے میں دھت ہوکر آپس میں نہیں لڑتے۔ نشے کی حالت میں بھی ڈان کی موجودگی کا احترام کرتے ہیں۔''

''عجیب وغریب کہانی ہے اس کی!'' میں نے اپنے سینے سے گہرا سانس خارج کرکے کہا ''کام ہو یا نہ ہو اس سے ملنا ضروری ہوگیا ہے۔ اس کی کایا پلٹ کی ذمے دار لڑکی کہاں ہے؟''

''اس کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں معلوم۔ بعض لوگ

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز کا منفرد ماہنامہ

سرگزشت

✡ اہم قومی اور بین الاقوامی شخصیات کی سوانح
✡ شکاریات اور مہم جوئی کے کارنامے
✡ قانون، جرم وسزا اور تاریخ عالم پر دلچسپ معلوماتی اور سنسنی خیز تحاریر
✡ فلم، ادب و صحافت کی ان کہی کہانیوں پر مشتمل علی سفیان آفاقی کی یادداشتیں
✡ شہر شہر اور ملک ملک کی سیر

معاشرے کی دلچسپ اور سبق آموز سچ بیانیوں کے ساتھ اشاعت کے سفر میں انتہائی کامیاب ماہنامہ

مارچ 2005ء کے شمارے میں پڑھیے

★ حکیم محمد سعید کی سوانح
★ سید سعید عالم کا بیجنگ کا سفرنامہ
★ نامور قلمکار حجی الدین نواب کا "مقدر" اور
★ حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات اور فلسفہ تثلیث

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز
63-C PHASE II EXTENSION,
D.H.A., MAIN KORANGI ROAD,
KARACHI 75500
PHONES: (92) (21) 5802552,
5804200 FAX: 5802551,
E-MAIL. jasoosi@attglobal.net

Downloaded from https://paksociety.com

کہتے ہیں کہ بھرے بازار میں ڈان کی بے عزتی کرنے کے بعد اس نے خودکشی کرلی۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ خاموشی سے شمال میں اپنے گاؤں چلی گئی۔ صحیح بات کا کچھ پتا نہیں چلتا۔''

''یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ بنکاک سے نکل کر کہیں اور دھندے سے لگ گئی ہو۔''

''اس پر بھی قیاس آرائیاں ہوئی تھیں۔ ڈان نے اسے طلاق نہیں دی تھی۔ وہ ایسا کرتی تو ڈان اسے چیر کر رکھ دیتا۔ وہ کم بولتا ہے لیکن ہر بات کی خبر رکھتا ہے۔''

''ڈان برنارڈ.....'' میں نے کہا ''کیا تمہیں یہ نام عجیب نہیں لگتا؟''

''یہاں دوغلی نسل کے لوگوں میں ایسے نام عام ہیں۔'' اس نے بتایا۔

''تو کیا ڈان تھائی نہیں ہے؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''وہ دوغلا ہے۔ ماں کمبوڈین تھی۔ باپ امریکن سپاہی تھا۔''

وہ ڈان کی ذات کا ایک نیا پہلو تھا جو غیر متوقع طور پر سامنے آیا تھا۔ میں نے کہا ''امریکا اور کمبوڈیا میں دور دور تک کوئی تال میل نہیں ملتا۔ یہ شادی کیسے ہوگئی۔''

''یہ اس علاقے کا بہت بڑا المیہ ہے۔ امریکا نے ویت نام کی جنگ میں اندھا دھند فوج جھونکی تھی۔ اس کی طرف سے لڑنے والوں میں کنوارے لڑکوں کی کثرت تھی۔ ویت کانگ گوریلوں نے ان پر زمین تنگ کی ہوئی تھی۔ ان کو محاذ پر ہر طرف موت کے سائے لہراتے ہوئے نظر آتے تھے۔ ویت نام میں لڑنے والے امریکی سپاہی مختصر چھٹیوں پر لاؤس' کمبوڈیا اور تھائی لینڈ آتے تھے تو اپنی چھٹیوں کو زندگی کے آخری جشن کے طور پر مناتے تھے۔ بہت سے سپاہی جذبات کی رو میں بہہ کر کھڑے کھڑے ایک رات کی ساتھیوں سے شادی کرلیتے تھے تاکہ ویت کانگ گوریلوں کے ہاتھوں ان کی موت کے بعد اولاد ان کے نام کو زندہ رکھ سکے۔ وہ جنگ اور موت کی وحشت میں ڈوبے ہوئے رشتے ہوتے تھے جو اکثر ایک ملاقات سے زیادہ قائم نہیں رہتے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ برنارڈ کے والدین کی شادی بھی ایسے ہی کسی واقعے کا شاخسانہ ہو۔''

''بڑی گہری نظر ہے تمہاری ان باریکیوں پر!'' میں نے تعریفی لہجے میں کہا۔

''یہاں آتے ہی میں نے یہ سب جاننے کی کوشش کی تھی۔ کمبوڈیا اور لاؤس کی سرحدیں ویت نام سے ملی ہوئی تھیں۔ جنگ کے بھٹکے ہوئے بادل اکثر ان کے سرحدی علاقوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتے تھے۔ ان کے مقابلے میں تھائی لینڈ محفوظ ملک تھا۔ محاذ کے بھیانک ماحول سے نکلنے والے زیادہ تر سپاہی اس طرف آتے تھے۔ انہیں صرف اور صرف زندگی کی رعنائیوں سے پیار تھا۔ وہ اندھا دھند ڈالر لٹاتے تھے۔ یہ اسی دور میں پروان چڑھنے والی خرابیاں ہیں جو آج بھی تھائی معاشرے پر چھائی ہوئی ہیں۔''

''جنگ سب سے پہلے اخلاق کو تباہ کرتی ہے اور یہ تباہی برسوں پیچھا نہیں چھوڑتی۔'' میں نے اس کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا ''یہ معاشرتی ماہروں کے سوچنے کی بات ہے۔ میری خواہش صرف اتنی تھی کہ ڈان برنارڈ سے ملاقات سے پہلے مجھے اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل ہوجائیں۔ یہ بتاؤ کہ سیلز یارکہاں ہے اور ڈان وہاں کن اوقات میں بیٹھتا ہے۔''

''تم پروگرام طے کرلو۔ میں خود تمہیں وہاں تک پہنچادوں گا۔'' اس نے پیشکش کی۔'' برنارڈ شام چھ بجے سے رات کے بارہ بجے تک خود کاؤنٹر پر موجود ہوتا ہے۔ بار بند ہونے کے بعد وہ حساب کتاب کرکے سونے کے لیے اوپر چلا جاتا ہے۔''

''تو کیا وہ وہیں رہتا ہے؟''

''اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعے کے بعد اس نے سب کچھ بدل ڈالا ہے۔'' اسد نے بتایا'' گھر چھوڑ کر اپنے بار کی اوپری منزل پر رہنا شروع کردیا ہے۔''

''کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ اس سے بار کے بجائے فرصت کے اوقات میں گھر پر مل لیا جائے۔''

''یہ ناممکن ہے۔'' اسد نے اپنے سر کو مایوسی سے جنبش دیتے ہوئے کہا ''وہ گھر پر کسی سے نہیں ملتا ایک بار اس نے انکار کردیا تو بار میں بھی اس سے بات نہیں ہوسکے گی۔''

''ضدی اور انا پرست آدمی معلوم ہوتا ہے۔'' میں نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا ''ایک کام کرنا ہے تو اس میں وقت ضائع کرنا بے سود ہے ہمیں آج شام کو اس سے مل لینا چاہیے۔''

''اوکے میں پانچ بجے یہاں پہنچ جاؤں گا۔'' اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

اسے رخصت کرکے میں اپنے کمرے کی طرف ہولیا۔ مجھے محسوس ہورہا تھا کہ راجن اور سوبھراج کے معاملے میں برنارڈ بہت کارآمد ثابت ہوسکتا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

Downloaded from https://paksociety.com

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بھیانک عالمی تنظیم شی کے شکنجے میں پھنس گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو سپر پاور کی دہاسے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر تخریبی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ اس ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آ ٹکرایا اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی تخریبی اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا لگایا ہوا ہر زخم ان لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ میں مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دشمن کے کیمپ کی جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے انٹیلی جنس ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کی لونگ نو مائی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آ نرک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے انداز مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارز نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آ نرک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارز اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظر میں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں براسٹ گرم مٹھی تھی اور اس کی پشت پناہی کو برا گینم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سومبھراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی دوران ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں نقب لگا کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ یہ کام سنیل کے ذریعے سومبھراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سومبھراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ہانکا شروع ہو گیا تھا۔ اس موقع پر اس نے ملک سے فرار کی راہ اختیار کی۔ اس دوران سومبھراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر ناکام حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈو نکلے۔ میں نے سیٹلائٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ بک اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ میں نے سومبھراج کے سیکریٹری سنیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھلی کھیلی ہوئی عورت تھی نوراتی مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سومبھراج کو سنیل کے ساتھ اور محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سومبھراج نے راج محل کو راکھ کا ڈھیر بنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اسی دوران سومبھراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہوگا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سومبھراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سنیلی اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سومبھراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہو گئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اسی وقت سنیل کی خوب رو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سنیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سے سومبھراج کا پتا معلوم ہو گیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سومبھراج اپنی فطانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھوں سے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس ٹی ایف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران آپریشن فورز کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری کیری ہارٹ نے قبول کر لی۔ دوسری طرف سومبھراج نے بتایا کہ را کے دو ایجنٹ کراچی آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ سومبھراج نے بتایا تھا کہ شاید وہ اس کے مشورے کے مطابق کلفٹن کے علاقے میں تھے۔ ہم ریڈیائی لہروں کے ذریعے سراغ لگانے والی اسپیشل گاڑیوں کے ذریعے ان کا سراغ لگانے اس علاقے میں پہنچ گئے۔ خوش قسمتی سے ان میں سے چار ہی ایک جاں گسل معرکے کے بعد میرے ہاتھ آ گیا۔ اس سے تفتیش آئی بی کی ذمے داری تھی۔ اسی دوران سومبھراج کا سامنا ویرا سے ہو گیا۔ وہ ویرا کو نہیں دیکھ سکا مگر ویرا نے اسے پکڑنے کی کوشش میں اس کی گاڑی تباہ کر ڈالی اور اسے وہ کار سڑک پر چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے رابطہ کیا اور فرمائش کی کہ میں اس کے دوست کی کار اس کے گھر تک پہنچا دوں۔ میں رضامند ہو گیا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔ میں گاڑی پہنچانے اس کے دوست کے گھر پہنچا تو وہاں خود سومبھراج سے ملاقات ہو گئی۔ میں اس سے ذہنی کایہ کر کا بہ کر نہ کر سکا تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں اندازہ لگایا کہ میں ایجنسی وفاداریاں تبدیل کر سکتا ہوں تو وہ میرے ساتھ میرے ہی شکار پر راہ نما ہو گیا تاہم اسے میں شاید اسے کچھ عقل آ گئی اور وہ ہم پر فائرنگ کرتا ہوا فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے دوست کو بھی قتل کر دیا۔ اس دوران را کے دوسرے ایجنٹ کا بھی کچھ پتا نہیں چل سکا تھا۔ ہمیں توقع تھی کہ اکیلا ہونے کے باعث وہ کوئی کارروائی نہیں کر سکے گا مگر ہمارا یہ اندازہ غلط نکلا اور ایک اہم شخصیت پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ جائے واردات سے امریکن رائفل کی بازیابی ظاہر کر رہی تھی کہ را کے ایجنٹ نے امریکیوں سے مدد طلب کر لی تھی۔ دوسری طرف چند نامعلوم افراد جہانگیر کو اس کے گھر سے اغوا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ میرا خیال تھا کہ یہ مذموم حرکت سومبھراج نے کرائی ہوگی۔ اسی دوران نام نے مجھ سے رابطہ کیا اور میں نے اسے امریکی رائفل کے حوالے سے کھری کھری سنا دیں۔ اس کے بعد اس نے مجھے پراسرار انداز میں بلایا اور دوران ملاقات مجھے بتایا کہ اس کے ایک ایجنٹ نے مجھے شناخت کر لیا تھا۔ وہ ایجنٹ الفانا تھا جو مجھے مارنے کے لیے رائفل سے لیس اپنی کمین گاہ میں چھپا ہوا تھا۔ میں تن بہ تقدیر اس کی گاڑی سے اتر آیا جب ہی ایک فائر ہوا اور الفا کی بھی والوں کا نشانہ بن گیا۔ میں نے جلال کو اس کے بارے میں آگاہ کیا اور ایس ٹی ایف کے ہمراہ قاسم شریز پہنچ گیا۔ وہاں جہانگیر تو نہیں ملا البتہ سومبھراج کا ایک گرگا ہمارے ہاتھ لگ گیا۔ کچھ دیر بعد شریز کا مالک بھی وہیں تھا۔ اس نے بتایا کہ جہانگیر اس کے گھر میں قید تھا۔ ہم نے فوراً طور پر جہانگیر کو بازیاب کرا لیا۔ اب بازی سومبھراج کے ہاتھ سے نکلتی جا رہی تھی۔ میں نے اس سے رابطہ کیا تو اس نے بتایا کہ گرین کو برا نامی فائل اس کی تحویل میں تھی۔ یہ سن کر میری آنکھ کے نیچے اندھیرا چھانے لگا۔ بعد میں جلال نے اس دعوے کی تصدیق کر دی۔ اس کے مطابق نذکورہ فائل سومبھراج نے اپنے ایک دوست کے ذریعے حاصل کی تھی۔ سومبھراج کا کہنا تھا کہ وہ گرین کو برا الپا کی سلامتی کی ضمانت تھی۔ دوسری طرف امریکی بہت زیادہ پریشر نکال رہے تھے ان کا ایک سفارت کار کرنل داور کی تلاش میں اسٹیشن کے اوپر ہیلی کاپٹر میں چکر لگا رہا تھا۔ اب ان سے پیچھا چھڑانا ضروری تھا لہٰذا کرنل داور کی خود کشی کا ڈراما کھیلا گیا اور اس کی اطلاع مخالف کیمپ میں بھجوا دی گئی۔ اس خبر نے امریکیوں میں جشن کا سا ماں پیدا کر دیا اور اس خوشی کو منانے کے لیے وہ سمندر کی طرف روانہ ہو گئے۔ ان کو سبق سکھانے کا یہ سنہری موقع تھا۔ جس سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا۔ جلال نے اس مہم میں شرکت سے معذوری ظاہر کی تھی لہٰذا میں ایس ٹی ایف کے چند جانبازوں اور اپنی ٹیم کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے روانہ ہو گیا۔ خوش قسمتی سے تھوڑی سی جدوجہد کے بعد ان کے کمانڈوز کے بعد

Downloaded from https://paksociety.com

دیگرے میرے ہاتھوں ناکارہ ہوتے چلے گئے اور بالآخر ہم میرے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔ تین امریکی کمانڈوز اور ہم کی ہلاکت نے مخالفین کا جوش وخروش ٹھنڈا کر دیا۔ اسی وقت سوبھراج نے مجھ سے ملنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ میں نے اس سے ملاقات کی میں اسے گھیرنا چاہتا تھا مگر وہ بہت تیار تھا۔ گرین کو برا می فائل کے باعث مجھے اسے واپس جانے کی اجازت دینا پڑی۔ سلطان شاہ اس کے پیچھے تھا مگر وہ اسے بھی جل دے کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ جلال نے مجھ سے کہا کہ مجھے چند دنوں کے لیے تھائی لینڈ کا رخ کرنا چاہیے۔ میں اس کی تجویز پر بات چیت کر رہا تھا کہ میرے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ فون سوبھراج کا تھا۔ اس نے بلا توقف مجھے برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اس کے خیال میں، میں نے اسے پھنسوانے کے لیے اپنے کارندے پارک ہاورز کے آس پاس پھیلا رکھے تھے۔ میں نے سختی سے اس کی تردید کی تو وہ تذبذب کا شکار ہو گیا۔ اس کے ساتھ اس نے مجھے تجویز دی کہ یہ ملک میرے لیے ممنوعہ ہو گیا تھا لہٰذا مجھے یہاں سے باہر نکل جانا چاہیے تھا۔ اس نے پیش کش کی کہ وہ پاکستان سے باہر جانے میں میری مدد کر سکتا تھا۔ میں نے اس کی پیش کش قبول کر لی۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ مجھے ہر قیمت پر گھیرنا چاہتا تھا تاکہ امریکیوں سے اپنے بگڑے معاملات کو سیدھا کر سکے۔ اس نے مجھے ایک ویران مقام پر بلایا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ خود بھی وہاں ہوگا۔ اس کا منصوبہ شاندار تھا مگر جلال کی حکمت عملی کے باعث اسے ناکامی ہوئی۔ میں اس کے بلائے ہوئے مقام پر گیا مگر سوبھراج وہاں نہیں تھا البتہ اس کے گرگے مجھے گھیرنے کی پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے تاہم جلال کے باعث وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے اور کئی افراد آئی بی کے نشانہ بازوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ اس اثنا میں امریکیوں نے ہم کے قتل کی ذمے داری مجھ پر ڈالتے ہوئے قانونی مدد طلب کر لی تھی۔ میری گرفتاری کے وارنٹ جاری ہو گئے تھے۔ ان حالات میں جلال اور اولی خان دونوں نے مجھے ملک سے نکل جانے کا مشورہ دیا۔ میں نے تھائی لینڈ کا رخ کیا جبکہ حیرت انگیز طور پر ویرا اور سلطان شاہ کو ہمراہ لے کر امریکا عازم سفر ہوئی۔ ہمارے سفری اور دیگر اخراجات آئی بی نے ادا کیے۔ اس کا مطلب تھا کہ ہم لوگ آئی بی کے عارضی ایجنٹ قرار پائے تھے۔ اولی خان کا کہنا تھا کہ یہ ہم سب کے لیے اعزاز کی بات تھی۔ تھائی لینڈ کا سفر خوش گوار تھا۔ اس سے پہلے سوبھراج نے مجھ سے نون پراپنے فرستادوں کی خیر خبر معلوم کرنے کی کوشش کی تھی۔ تھائی لینڈ میں میرا اولین رابطہ آئی بی کے ایجنٹ اسد سے ہوا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ہمارے مشن میں ڈان برنارڈ اہم کردار ادا کر سکے گا۔

اب آپ قسط نمبر 244 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

غزالہ کمرے میں ٹیلی وژن آن کیے، بے چینی سے میرا انتظار کر رہی تھی۔ ہلکی سی دستک پر اس نے پھرتی سے دروازہ کھول دیا۔ اس کی تجسس میں ڈوبی ہوئی، گہری سیاہ آنکھیں میرے چہرے پر مرکوز تھیں۔

''آپ کے دوست نے آپ سے تخلیے میں بات کرنے کی خواہش ظاہر کر کے میری طبیعت مکدر کر دی تھی۔'' اس نے میرے ساتھ کمرے کے وسط کی طرف جاتے ہوئے کہا ''ایک لمحے کے لیے میں نے سوچ لیا تھا کہ ڈھیٹ بن کر وہیں بیٹھی رہوں گی مگر اس خیال سے اٹھ گئی کہ کہیں میری وجہ سے آپ کے مشن میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آ جائے۔''

میں نے ہنس کر ہولے سے اس کی پشت پر ہاتھ مارا اور جواب دیا ''وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ ہماری گفتگو میں بعض باتیں ایسی تھیں جو تمہاری موجودگی میں نہیں ہو سکتی تھیں۔ وہ غریب تم کو ایک شریف اور خانہ دار عورت سمجھ رہا ہے۔''

غزالہ چلتے چلتے وہیں رک گئی اور پلٹ کر مجھے شکایتی نظروں سے گھورتے ہوئے بولی ''وہ مجھے ایسا سمجھ رہا تھا لیکن میں درحقیقت ایسی نہیں ہوں..... آپ یہی کہنا چاہ رہے ہیں نا؟''

''تم ایسی ہی ہو۔'' میں نے اس کا ہاتھ تھام کر آگے کھینچتے ہوئے کہا ''لیکن ضرورت پیش آ جائے تو خاصا دھول دھپا بھی کر لیتی ہو۔ وہ اب تک اس بات سے بے خبر ہے۔ جلد ہی اس پر تمہارے جوہر کھل جائیں گے۔''

وہ اپنی مصنوعی خفگی کو بھول کر، کھلکھلاتی ہوئی، میرے ساتھ صوفے پر تقریباً گر گئی۔ میرے لیے وہ چند لمحات عجیب سی مسرت اور سنسنی سے بھرے ہوئے ثابت ہوئے۔

وہی غزالہ تھی اور وہی میں تھا۔ فرق یہ تھا کہ بنکاک کے ہوٹل کے کمرے میں ہم دونوں کے درمیان کوئی تیسرا نہیں تھا۔

گلشن اقبال میں ہمارا ذاتی گھر خاصا کشادہ تھا۔ وہاں ویرا اور سلطان شاہ کے لیے الگ کمرے مخصوص تھے۔ اس کے علاوہ گھر میں ایک فاضل خواب گاہ بھی موجود تھی لیکن وہاں ہم اپنے کمرے سے باہر ایک لمحے کے لیے بھی ایک دوسرے سے بے تکلف ہونے کا تصور نہیں کر سکتے تھے۔ خاص طور پر میرے ذہن کے کسی نہ کسی گوشے میں ہر وقت ویرا کا خوف بسا رہتا تھا۔ کچھ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے چوبیس گھنٹے میرے اور غزالہ کے سامنے نہ رہتے ہوئے بھی وہ چھپ کر ہماری سرگرمیوں پر گہری نظر رکھنے کی کوشش کرتی ہو۔

مجھے اعتراف ہے کہ ویرا ایسی گئی گزری عورت نہیں تھی۔ اپنے کردار کی تمام خامیوں کے باوجود وہ دوسروں کے ساتھ باوقار انداز میں رہنے کے فن میں طاق تھی۔ یہ اس کا قصور نہیں تھا۔ بس میرے ذہن میں گھسے ہوئے وسوسے تھے جو ویرا کی موجودگی میں مجھے کچھ مضطرب کیے رہتے تھے۔ بنکاک میں ویرا نہیں تھی۔ کمرے میں غزالہ کے سوا کسی تیسرے نفس کا وجود نہیں تھا۔ مجھے اس کی بے ساختہ اور فطری بے تکلفی بہت بھلی لگی تھی۔

''کراچی سے نکلنے کے بعد تم بہت تروتازہ نظر آ رہی ہو!'' میں نے بے تکلفی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر معنی خیز لہجے میں کہا۔

''میں کب سے آپ سے کہہ رہی تھی کہ کہیں سفر پر چلیں۔'' اس نے شوخی سے جواب دیا۔ ''وہاں رہتے رہتے

Downloaded from https://paksociety.com

مجھے گھٹن کا احساس ستانے لگا تھا۔ کبھی کبھی ایسا محسوس ہونے لگتا تھا جیسے ہم چاروں ایک دوسرے کے لیے آسیب بن گئے ہوں۔''

''کچھ دنوں پہلے تم میرے ساتھ بھارت گئی تھیں!'' میں نے اسے یاد دلایا۔

''وہاں پیش آنے والے واقعات کو کچھ دیر کے لیے فراموش کردیا جائے تو میرے لیے وہ سفر بہت خوش گوار تھا۔ اس کے بعد ہی مجھے احساس ہوا کہ ہمیں گھر میں محصور ہوکر بیٹھ جانے کے بجائے کبھی کبھی سیر وتفریح کے لیے بھی نکلنا چاہیے۔''

اس وقت مجھے غزالہ کی خاطر داری عزیز تھی۔ میں نے اس کی رائے سے اختلاف نہیں کیا لیکن حقیقت یہ تھی کہ اپنے درندہ صفت اور خون آشام دشمنوں سے جاری پیکار میں میرے لیے ذاتی آرام اور تفریح کا تصور ہی ممکن نہیں تھا۔ ایک چکر ختم ہوتے سے پہلے کوئی ایسا گمبھیر مسئلہ اٹھ کھڑا ہوتا تھا کہ میں حالات کے اس گرداب سے نکل ہی نہیں سکتا تھا۔

یہ غزالہ کی خوش گمانی تھی کہ ہم تفریح کے لیے بنکاک آئے تھے۔ وہ اتنی غافل اور بے خبر نہیں تھی کہ وقت کی سنگین حقیقتوں کو یکسر نظر انداز کردیتی۔ جذبات کی ایک وقتی رو میں بہہ کر اگر وہ کچھ دیر کے لیے ایسا سمجھ رہی تھی تو اس میں میرا کوئی نقصان نہیں تھا۔ دوسروں کی طرح اسے بھی اپنے تصورات کی جنت میں رہنے کا حق حاصل تھا۔

وہ کسی جواب کی توقع میں چند ثانیوں تک اپنی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کیے رہی۔ میری طرف سے ایک خاموش مسکراہٹ کے سوا کوئی جواب نہ پاکر اسے اچانک اسد خان یاد آگیا۔

''تخلیے میں اسد آپ کو کیا بتانا چاہ رہا تھا؟'' اس نے یکایک سنجیدہ ہوکر پوچھا۔

''چھوٹا راجن یہاں ایک بڑا نام ہے۔'' میں نے پرسکون ہوکر اپنی بات شروع کی ''اس کی کہانی سوبھراج سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہے۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ دنیا کا کوئی مجرم اپنے زور بازو اور ذہانت کے بل پر تا قابلِ تسخیر نہیں بنتا۔ اسے عیاش طبع اور کرپٹ افسران رفتہ رفتہ اتنا بڑا بنا دیتے ہیں کہ آخر کار وہ خود اس عفریت سے ڈرنے لگتے ہیں۔ راجن نے ناجائز ذرائع سے کمائی ہوئی بے حساب دولت کو بہت قرینے سے استعمال کیا ہے۔ بھارت سے کروڑوں کمانے کے بعد وہ کسی فیاض شہزادے کی طرح یہاں آیا ہے۔ اپنی پُرتعیش دعوتوں کے ذریعے اس نے بنکاک کے مقتدر حلقوں میں اس قدر اثر ونفوذ حاصل کرلیا ہے کہ اس کے جرائم کے بارے میں گردش کرنے والی کہانیوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ ثبوت کے بغیر پھیلنے والے قصوں کو راجن کے حاسدوں کی شرانگیزی قرار دے کر مسترد کردیا جاتا ہے۔ اس کے پالتو غنڈوں کے خوف سے ہر شخص اس کے سامنے آتے ہوئے ڈرتا ہے۔ وہ اپنے مخالفوں کو بہت صفائی اور سفاکی سے ہمیشہ کے لیے غائب کرادیتا ہے.....''

''اس کے یہ پالتو غنڈے بنکاک کی انتظامیہ کو نظر نہیں آتے؟'' غزالہ نے میری بات کاٹ کر حیرت سے سوال کیا۔

''وہ یہاں کاروبار کررہا ہے۔ کئی نائٹ کلب اور کیسینو اس کی ملکیت ہیں۔ ایسے کاموں کو چلانے کے لیے دادا گیر قسم کے چند تنومند اور جھگڑالو آدمی ضروری ہوتے ہیں۔ اس نے بہت چالاکی کے ساتھ اس نکتے سے فائدہ اٹھایا ہے اور اب یہاں کا سب سے بڑا گروہ بند بنا ہوا ہے۔ یہاں کی زیرِ زمین دنیا کے لوگ بھی شاید اس سے ڈرتے ہوں۔ اسد نے ان کی سرگرمیوں کی جو تصویر کشی کی ہے اس نے مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردیا ہے۔''

''آپ کی باتوں سے شبہ ہورہا ہے کہ آپ اس سے کچھ مرعوب ہوگئے ہیں!'' غزالہ نے شوخی سے ہنس کر مزاحیہ لہجے میں کہا۔

''تمہیں اچھی طرح علم ہے کہ ڈر اور خوف میری سرشت میں شامل نہیں ہے۔ دنیا کا بڑے سے بڑا بدمعاش بھی مجھے مرعوب نہیں کرسکتا۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ اس وقت ہم اپنی سرزمین پر نہیں ہیں اور دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے ہمارے وسائل بہت محدود ہیں۔ ہمیں ہر قدم بہت سوچ سمجھ کر اٹھانا ہوگا۔ اس وقت میری تمام امیدیں ڈان سے وابستہ ہیں!''

''ڈان!'' اس نے متحیر زدہ آواز میں وہ نام دہرایا اور بھڑکے ہوئے انداز میں میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا ڈان کو انگ فو مکاؤ سے یہاں آیا ہوا ہے۔''

میں بے ساختہ ہنسنے لگا۔ غزالہ کچھ سہمے ہوئے انداز میں مسلسل مجھے دیکھے جارہی تھی۔ میری ہنسی کم ہوئی تو میں نے اسے سمجھایا ''تمہارے ذہن پر وہی ایک ڈان سوار ہے۔ پھر وہ بے چارہ اتنا برا بھی نہیں تھا۔ اگر اس نے ہم دونوں کو رشتے کے بندھن میں باندھنے کے لیے چین سے ایک مسلمان نکاح خواں نہ بلوالیا ہوتا تو کیا پتا کہ ہم آج بھی ایک دوسرے کے لیے نامحرم ہوتے۔ اس کی ایک نیکی کے عوض اس کی ساری زیادتیاں معاف کی جاسکتی ہیں.....''

Downloaded from https://paksociety.com

''پھر آپ کس ڈان کا ذکر کررہے ہیں؟'' اس نے میری بات درمیان سے اچک کر مضطربانہ لہجے میں سوال کیا۔

''یہ بنکاک کا ڈان برنارڈ ہے، بہت انوکھا آدمی ہے۔'' میں نے اسے بتایا ''اگر وہ کسی طرح میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہوگیا تو پوری دنیا راجن اور سوبھراج کا تماشا دیکھے گی۔''

''ڈان برنارڈ اچانک کیسے دریافت ہوگیا؟''

''اسد نے اس کے بارے میں بہت کچھ بتایا ہے۔ وہ میرے کام کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔''

''کل اس نے آپ کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ اس سے مل کر آئے تو آپ کے چہرے پر مایوسی جھلک رہی تھی۔ اس کی موشگافیوں نے آپ کو پراگندہ خاطر کردیا تھا۔ آپ کا موڈ اتنا خراب تھا کہ میں نے اسد سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں زیادہ کریدنے کی کوشش نہیں کی۔ اب اٹھارہ بیس گھنٹوں میں اس میں ایسی کیا تبدیلی آگئی کہ وہ آپ کو نئے راستے بتارہا ہے؟''

''یہاں آکر تمہارا حافظہ خراب ہوگیا ہے۔ کل میں نے اسد کے پاس سے لوٹتے ہی تمہیں بتایا تھا کہ وہ اپنی تعیناتی کی مدت پوری کرنے کے بعد اپنی پاکستان واپسی کا انتظار کررہا ہے۔ اس مرحلے پر وہ اپنے افسران بالا سے ہدایات لیے بغیر کوئی بڑا فیصلہ نہیں کرے گا۔''

''اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ اپنے کسی بڑے سے بات کرنے کے بعد آپ سے دوبارہ ملنے کے لیے آیا تھا؟'' غزالہ نے تائید طلب لہجے میں کہا۔

''ان ہدایات کے ساتھ اسے کراچی کی اخباری اطلاعات نے بھی بہت متاثر کیا ہے۔'' میں نے اسے بتایا ''کل وہ یہاں سے واپسی پر اپنے اخبارات لیتا ہوا گیا تھا۔ حب ریور روڈ کے ویرانے میں دبے اور اس کے ساتھیوں کے انجام نے اس کی آنکھیں کھول دی ہیں۔ اب وہ راجن اور سوبھراج کے خلاف کھل کر میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہوچکا ہے۔ ڈان برنارڈ اسی کی دریافت ہے۔ وہ بنکاک کا ایک گوشہ نشین بدمعاش ہے۔ جس سے آج بھی ہر شخص تھرتھراتا ہے لیکن وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوکر اپنی گزر اوقات کے لیے ایک شراب خانہ چلا رہا ہے۔''

''بدمعاش اگر قانون کی گرفت سے بچے رہیں تب بھی ان کا انجام بہت عبرت ناک ہوتا ہے۔ یہ قدرت کا قانون ہے جس سے کسی کو مفر نہیں۔ اگر برنارڈ اپنا سارا دم خم کھودینے کے بعد تائب ہوچکا ہے تو وہ آپ کے لیے کیا کرسکے گا؟''

''اس کا دم خم ختم نہیں ہوا۔ دو سال پہلے تک وہ یہاں راجن کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ بنا ہوا تھا پھر یکایک ایک بائیس سالہ عورت نے سب کچھ بدل دیا'' ڈان گمنامی کے گوشے میں چلا گیا اور راجن بہت تیزی کے ساتھ یہاں اپنے قدم جماتا چلا گیا۔''

''بائیس سال کی عمر تو کچھ بھی نہیں ہوتی۔'' غزالہ نے حیرت سے کہا ''اس بے بساط لڑکی نے ڈان جیسے گھاگ آدمی کو ایسی پسپائی پر کیوں مجبور کردیا؟''

''وہ لڑکی نہیں، عورت تھی، عورت!'' میں نے زور دے کر جواب دیا ''وہ ڈان کی عورت تھی جو اس کی محبوبہ سے بیوی بنی تھی۔ ایک روز اس نے بھرے بازار میں ڈان پر جوتیاں برسانی شروع کردیں۔ ڈان اس سے پٹتا رہا اور جب وہ تھک کر رونے بیٹھ گئی تو ڈان سر جھکا کر اپنے گھر چلا گیا۔ اس کے بعد اس نے بدمعاشی ترک کردی۔''

''وہ چاہتا تو اس بے ہودہ عورت کے چیتھڑے اڑا سکتا تھا۔'' غزالہ کو اس کہانی پر فوری طور پر یقین نہیں آرہا تھا۔

''یہ اس کی شرافت تھی کہ شہر کا نامی گرامی بدمعاش ہونے کے باوجود اس نے اپنی گستاخ بیوی پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ اس معاملے میں دوسری کوئی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔''

''آخر اسے اپنے شوہر پر جوتی اٹھانے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟'' وہ ایک عورت کی سنگ دلی کا واقعہ تھا۔ اس کے بارے میں غزالہ کا تجسس بیدار ہوچکا تھا۔

''میں نے اس بارے میں اسد سے کوئی سوال نہیں کیا۔'' میں نے ایمان داری سے اعتراف کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی ''اسے سبب معلوم ہوتا تو وہ ضرور اس کا ذکر کرتا۔ میرا خیال ہے کہ یہ راز اب ہمیشہ برنارڈ کے سینے میں دفن رہے گا۔''

''کیوں؟ اس نے اپنی زبان بند کی ہوئی ہے تو اس کی بیوی لوگوں کو اصل حقیقت بتاسکتی تھی۔ وہ کہاں ہے؟'' غزالہ سب کچھ بھول کر ڈان اور اس کی بیوی کے پیچھے پڑگئی تھی۔

''اس واقعے کے بعد سے وہ غائب ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے خودکشی کرلی ہو۔''

''عورت کوئی بھی ہو، بہت ٹھنڈے دل و دماغ کی مالک ہوتی ہے، آسانی سے چراغ پا نہیں ہوتی۔ ان دونوں کے درمیان یقیناً کوئی بہت بڑی بات ہوئی ہوگی جس کے نتیجے میں ایک کی کایا پلٹ گئی اور دوسری ہمیشہ کے لیے روپوش ہوگئی۔'' وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوئی لیکن اس کی آنکھیں کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ وہ دوبارہ بولی تو اس کی آواز پُرخیال تھی ''ہوسکتا ہے کہ ڈان نے کسی راہ چلتی عورت

Downloaded from https://paksociety.com

کے مقابلے میں اس کی تذلیل کی ہو۔ کوئی عورت بلاوجہ اتنی مشتعل نہیں ہوسکتی کہ دیوانی ہوکر اپنے شوہر کو مارنا شروع کردے۔''

''مجھے افسوس ہے کہ میں مسئلے کے اس پہلو پر ریسرچ نہیں کرسکا۔'' میں نے ہلکی سی ترشی کے ساتھ جواب دیا ''اسد اس واقعے کا چشم دید گواہ نہیں تھا۔ اس نے مجھے سنی سنائی باتیں بتائی ہیں۔ یہ بات ہر شک وشبہے سے بالاتر ہے کہ تقریباً دو سال پہلے یہاں ایسا واقعہ رونما ہوا تھا اور اس کا ایک کردار میرے لیے کارآمد ثابت ہوسکتا ہے۔''

''اوہو..... آپ برا مان گئے!'' وہ ہنس کر بولی ''ہمیں اس عورت سے کیا لینا۔ ہمیں اپنی توجہ ڈان برنارڈ پر مرکوز رکھنی چاہیے۔ اگر وہ چھوٹا راجن کا پرانا حریف ہے تو اسے کسی نہ کسی طرح بہلا پھسلا کر راہ پر لایا جاسکتا ہے۔''

''میں تمہیں یہی بتا رہا تھا۔ میں اس پر کچھ محنت کرنا چاہتا ہوں۔ آج شام کو پانچ بجے اسد یہاں آئے گا اور مجھے سیکرز بار لے جائے گا۔''

''میرا خیال ہے کہ اس بار میں میرا جانا مناسب نہیں رہے گا۔'' وہ بولی ''نام ہی سے ظاہر ہورہا ہے کہ وہ اچھی جگہ نہیں ہوگی۔''

وہ معاملہ فہمی اور مزاج شناسی میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔ میرے چڑچڑے پن کا اندازہ کرتے ہی اس نے ڈان برنارڈ کے موضوع کو وہیں سمیٹ دیا۔

''بہتر یہی ہے کہ تم ہوٹل میں رکی رہو یا آس پاس کے بازار کی سیر کرلو۔'' میں نے نرمی سے مشورہ دیا ''یہ خیال رکھنا کہ ہوٹل سے زیادہ دور نہ نکل جانا۔ میں اپنی شدید ترین خواہش کے باوجود اس سے یہ نہ کہہ سکا کہ وہ بنکاک کی کسی ٹیکسی میں اکیلی لمبا سفر نہ کرے۔

میرا پچھلا تجربہ تھا کہ بنکاک کے ٹیکسی ڈرائیور عام طور پر لفنگے نہیں ہوتے۔ وہ اپنی سواریوں سے کرائے کے مول تول میں اپنے گر ضرور آزماتے ہیں لیکن اپنے بقیہ کام نہایت سپاٹ اور پیشہ ورانہ انداز میں سرانجام دیتے ہیں۔ کسی سواری سے جھگڑا کرتے ہیں نہ اکیلی دکیلی عورتوں کے ساتھ کوئی لوفرانہ رویہ اختیار کرتے ہیں۔ مجھے ڈر صرف اس بات کا تھا کہ وہ جس طرح مردانہ سواریوں کی مہمان داری کے لیے لڑکیوں کے تصویری البم ساتھ لیے پھرتے ہیں، اسی طرح زنانی سواریوں کی دلبستگی کے لیے کہیں مردانہ البم لیے نہ گھومتے ہوں۔ میرے اس شبہے کی تصدیق یا تردید کوئی اکیلی سیاح ہی کرسکتی تھی جو بنکاک کی ٹیکسیوں میں کثرت سے سفر کرتی رہی ہو۔ ایسی کسی عورت سے میرا رابطہ ہونا محال تھا۔

اپنے پہلے پھیرے میں، میں نے دیکھا تھا کہ بنکاک میں نظر آنے والے غیر ملکی سیاحوں میں یورپ سے افریقا تک کے مرد اور عورت شامل تھے۔ بیشتر خواتین اپنے اہل خانہ کے ساتھ یا گروپوں کی شکل میں گھومتی پھرتی نظر آتی تھیں لیکن ایک بڑی تعداد اکیلی عورتوں اور لڑکیوں کی بھی تھی۔ یہ کہنا دشوار تھا کہ ان کا مقصود صرف سیاحت تھا یا وہ اس مردم خیز خطے کے دوسرے اسرار و رموز سے بھی بہرہ ور ہونے کا ارادہ لے کر آئی تھیں۔ یورپ سے آنے والی کہانیوں سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ سیام کی سرزمین عیاش طبع مردوں اور عورتوں میں یکساں مقبول تھی۔

''میرے لیے ہوٹل کا وسیع شاپنگ آرکیڈ بہت کافی ہے۔'' غزالہ نے مسکراتے ہوئے وہ رائے ظاہر کرکے میرے ذہن کا بوجھ ہلکا کردیا ''یہاں نوادرات سے روزمرہ کی ضرورت کی اشیا تک بھری ہوئی ہیں۔ آپ کے بغیر دور جانے کے بجائے ان دکانوں کی سیر کو ترجیح دوں گی۔''

وہ بات ختم ہوتے ہی میرے ذہن پر خود ملامتی کی ایک رو سوار ہوگئی۔

تھائی لینڈ اور ان اطراف میں واقع دوسرے ممالک میں ہزاروں میل لمبے، صاف ستھرے ساحل، قدرتی جنگلات، چھوٹی چھوٹی جھیلوں، جھرنوں، حیوانی حیات اور نوادرات سمیت، سیاحوں کی دلچسپی کے بے شمار لوازم ہر طرف کثرت سے بکھرے ہوئے تھے اور دور دراز سے سیاحت کے لیے ان علاقوں میں آنے والے بیشتر افراد ان علاقوں میں اس قدرتی حسن اور فطری رنگینیوں کے مشاہدے سے لطف اندوز ہونے کی نیت سے آتے تھے۔ گھٹیا قسم کی شبینہ تفریحات کا جال صرف بنکاک اور اِکّا دُکّا قریبی مراکز میں پھیلا ہوا ہوسکتا تھا۔ اس غریب اور ترقی پذیر ملک کے دور افتادہ مقامات میں ایسی خرافات کا گزر نہیں ہوسکتا تھا مگر ساری خوبیوں کو نظر انداز کرکے میرے ذہن میں بنکاک کی زندگی کا صرف وہ پہلو جاگزیں ہوچکا تھا جس کی عکاسی رات گئے کمرے میں آنے والے سیفیل کے فون نے کی تھی۔

یہ کوئی اچھی بات نہیں تھی کہ میں بنکاک میں بسنے والے عزت دار شرفا کی اکثریت کو بھول کر صرف ان بگڑے ہوئے لوگوں کے حوالے سے فکرمند تھا جو عزت، انا اور خودداری جیسی ذاتی صفات کو بھول بھال کر، ہر قیمت پر غیر ملکی سیاحوں کی جیبیں خالی کرانے پر تلے رہتے تھے۔ دنیا کے بڑے بڑے شہر میں ایسے لوگوں کے چھوٹے چھوٹے گروہ پائے جاتے

Downloaded from https://paksociety.com

ہیں۔فرق صرف اتنا تھا کہ بنکاک میں شاید ایسے گروہ زیادہ بڑے تھے اور ان کی تعداد بھی زیادہ تھی۔ وہ نفس پرستوں کو لبھانے اور رجھانے کی کوششیں ضرور کر سکتے تھے، کسی کو زبردستی اس دلدل میں نہیں ڈال سکتے تھے۔

صبح بازار کا چکر لگاتے ہوئے ہم دونوں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس روز بنکاک کا موسم گرم اور کچھ مرطوب سا تھا۔ فضائی کے بڑھے ہوئے تناسب کی وجہ سے اس قدر بوجھل ہو رہی تھی کہ سانس لینا دوبھر ہو رہا تھا۔ کھانے کے بعد میں نے غزالہ کو سیر کے لیے نکلنے کی پیش کش کی لیکن اس نے حبس اور گرمی کی وجہ سے کسل مندی کا اظہار کیا اور ہم نے اپنا وقت ہوٹل کے خنک اور آرام دہ کمرے میں گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔

ٹھیک پانچ بجے فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو اسد ہوٹل کی لابی میں اپنی موجودگی کی اطلاع دے رہا تھا۔

میں پہلے سے روانگی کے لیے تیار تھا۔ صرف جوتے پہننے کی دیر تھی۔ میں دروازے کی طرف بڑھا تو غزالہ نے مجھے ٹوک دیا ''کیا آپ خالی ہاتھ وہاں جا رہے ہیں؟''

اول خان سے حاصل کی ہوئی زہریلی انگوٹھیاں ہر وقت میری انگلیوں میں موجود رہتی تھیں۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے دکھاتے ہوئے کہا ''میں وہاں لڑنے کے لیے نہیں جا رہا۔ پھر بھی یہ انگوٹھیاں موجود ہیں۔ کسی ہنگامی صورتِ حال میں کام آ سکتی ہیں۔''

''ڈان برنارڈ کوئی نیک انسان نہیں ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا ''اپنی بیوی سے پٹ کر گوشہ نشین ہوا ہے۔ اس کی خصلت وہی پرانی ہو گی۔ ہم بیم گن یہاں تک لانے میں کامیاب ہو گئے ہیں تو میرا مشورہ ہے کہ اسے ساتھ لیتے جائیں۔ اچھا ہے کہ اپنے بچاؤ کے لیے کوئی فالتو ہتھیار جیب میں پڑا رہے۔ وہ زیادہ بھاری نہیں ہے۔''

میری رضامندی پا کر غزالہ نے سوٹ کیس میں سے بیم گن نکال کر میرے حوالے کر دی۔

میں چوتھی رہائشی منزل سے لفٹ کے ذریعے گراؤنڈ فلور پر پہنچا تو سامنے ہی اسد ایک صوفے پر آرام سے بیٹھا، سگریٹ کے گہرے کش لیتا ہوا نظر آیا۔ اس کی نگاہیں لفٹ کی طرف مرکوز تھیں۔ مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر نرم سی دوستانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

میں سیدھا اس کی طرف ہو لیا۔ اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر پُرتپاک انداز میں میرا استقبال کیا۔ پھر میرا ہاتھ تھام کر لابی کے اندرونی حصے کی طرف چل دیا۔

''ادھر کہاں جا رہے ہو..... کیا ڈان کی طرف جانے کا ارادہ نہیں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ادھر بھی چلیں گے۔'' اس نے بے پروائی سے جواب دیا ''آج کل یہاں کے دن لمبے ہوتے ہیں۔ ابھی جھٹپٹا ہونے میں دیر ہے۔ چائے کی ایک پیالی پر کچھ باتیں کر کے نکل جائیں گے۔ اس سے ہمارا کوئی وقت طے نہیں ہے۔ بن بلائے مہمان کسی بھی وقت پہنچ سکتے ہیں۔''

اس کا جواب معقول تھا۔ میں مطمئن ہو گیا اور اس کی رہنمائی میں ایک الگ تھلگ صوفے پر جا بیٹھا۔

اس نے قریب ہی منڈلاتے ہوئے ویٹر کو کافی کا آرڈر دیا اور پھر میری طرف متوجہ ہو گیا۔

''مجھے میدان میں کوئی عملی کام کیے تقریباً دو سال گزر چکے ہیں۔'' اس نے دھیمی اور پُرخیال آواز میں کہنا شروع کیا ''جب سے یہاں آیا ہوں، اوپری دیکھ بھال اور مانیٹرنگ کا کام کر رہا ہوں۔ اب تمہارے آ جانے کے بعد ایک کام سامنے آیا ہے تو وہ بہت بڑا محسوس ہو رہا ہے۔''

''مجھے تمہاری پوزیشن کا اندازہ ہے۔'' میں نے ہمدردانہ لہجے میں کہا ''تم یہاں میری طرح خفیہ طور پر نہیں آئے۔ تمہاری باقاعدہ پوسٹنگ ہوئی ہے۔ تم بنکاک کے مقامی حکام کی نظروں میں آئے ہوئے ہو۔ عین ممکن ہے کہ تمہاری خفیہ نگرانی بھی ہوتی ہو۔ ان حالات میں تمہارے لیے کھل کر میدان میں آنا دشوار ہو سکتا ہے.....''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' اس نے میری قطع کلامی کرتے ہوئے جواب دیا ''ابتدا میں بہت سے چکر تھے۔ کئی ہفتوں تک میری نگرانی بھی ہوتی رہی۔ رفتہ رفتہ مقامی حکام میری سرگرمیوں سے مطمئن ہو گئے اور اب میں آزادی سے پورے شہر بلکہ ملک بھر میں گھومتا پھرتا ہوں۔ پتایا اور پھوکٹ سے چیانگ مائی تک میرے مرغوب ٹھکانے ہیں۔ کراچی سے ملنے والی اخباری اطلاعات سے مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ سوبھراج اب ایک زخم خوردہ ناگ بن چکا ہے۔ اسے چھوٹا راجن کی پناہ میں جانے سے پہلے مار لیا جائے تو کام آسان ہو سکتا ہے۔ ایک بار وہ اس تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تو ہمیں اسے زیر کرنے میں دانتوں پسینہ آ جائے گا۔''

اس کی زبان سے سوبھراج کو مار لینے کا ذکر سن کر مجھے خوشی ہوئی۔ اپنے کسی بڑے افسر سے رابطہ کرنے کے بعد اس کی سوچ میں نمایاں تبدیلی آئی تھی۔ میں نے دھیرے سے کہا ''اب اوکھلی میں سر دیا ہے تو موسلوں سے کیا ڈرنا۔ میں اس مشکل کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا بیڑا اٹھا کر یہاں آیا ہوں۔ کوئی میرا ساتھ دے یا نہ دے مجھے یہ کام پورا کرنا

Downloaded from https://paksociety.com

ہے۔''

''شاید میری طرف سے تمہارے ذہن میں کوئی گرہ پڑ گئی ہے۔'' اس نے مجروح لہجے میں کہا ''میں محسوس کر رہا ہوں، تم میری ہر بات کو غلط پیرائے میں لے رہے ہو۔''

''یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔'' میں نے اس کا بازو دبا کر کہا ''میں تمہاری مجبوریوں کو سمجھ رہا ہوں۔ میں اپنی سہولت کے لیے تمہیں کسی مشکل صورت حال میں پھنسانا پسند نہیں کروں گا۔''

اس نے خاموشی سے میری بات سنی پھر ایک گہرا سانس لے کر بولا ''میرا خیال ہے کہ غلطی میری ہے مجھے کبھی تمہید اٹھانے کے بجائے براہِ راست سیدھی بات کہنی چاہیے تھی۔ یہ کام آسان ہو یا مشکل میں گلے تک تمہارا ساتھ دوں گا۔ اس معاملے میں ڈان سے ہونے والی ملاقات بہت اہم ہے اگر تم اسے شیشے میں اتارنے میں کامیاب ہو گئے تو ہمارا کام بہت آسان ہو جائے گا۔ کسی وجہ سے ڈان نے تمہیں اپنے پیچھے پر ہاتھ نہ رکھنے دیا تو ہمیں اپنا کام خود پورا کرنا ہوگا۔''

''مجھے اس بات کا پورا ادراک ہے۔'' میں نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دے کر کہا ''میری کوشش ہوگی کہ میں ڈان کو رام کرنے میں کامیاب ہو جاؤں۔ میرا ارادہ ہے کہ میں اس سے اکیلا ملوں۔ تم مجھے دور سے سیلرز بار دکھا کر لوٹ آنا۔''

''یہ نہیں ہو سکتا۔'' اس نے تیزی سے کہا ''اس ملاقات میں ہم دونوں کا ساتھ رہنا ضروری ہے میں نے یہاں رہ کر اتنی تھائی سیکھ لی ہے کہ پوری بات سمجھ لیتا ہوں۔ تھوڑی سی دشواری سے بات بھی کر لیتا ہوں۔ مقامی زبان سے ناواقفیت کی وجہ سے تمہارا اکیلا جانا مناسب نہیں ہوگا۔''

''تو کیا ڈان صرف تھائی زبان میں بات کرتا ہے؟'' میں نے حیرت سے سوال کیا۔

''وہ روانی سے انگریزی بھی بولتا ہے لیکن اپنے آدمیوں سے مقامی زبان میں بات کرتا ہے۔ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ ہمارے بارے میں اپنے آدمیوں سے کیا کہتا ہے۔''

میں نے وہ پیشکش کر کے اسے دور رہنے کا ایک سنہرا موقع فراہم کیا تھا۔ اس نے مضبوط جواز کے ساتھ میری پیشکش مسترد کر کے یہ ثابت کر دیا کہ وہ پوری نیک نیتی کے ساتھ میرا شریکِ کار بننے کے لیے تیار تھا۔

میں نے خوش دلی سے کہا ''پھر تو معاملہ فہمی کے لیے تمہاری موجودگی ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ سیلرز بار میں الجھ جانے کی وجہ سے تم تہران سے بنکاک آنے والی آج کی پرواز کی دیکھ بھال نہ کر سکو۔ اس وقت وہ معاملہ سب سے زیادہ اہم ہے۔''

''وہ پرواز رات کو دیر سے آتی ہے میں اسے دیکھ لوں گا۔'' اس نے اپنے جواب سے مجھے مطمئن کر دیا۔

اس دوران میں کافی آئی اور ختم کر لی گئی۔ ویٹر کو بل ادا کر کے ہم دونوں وہاں سے اٹھے اور ہوٹل کی عمارت سے باہر نکل گئے۔

اسد اپنے خدوخال کے لحاظ سے اس شہر میں اجنبی تھا لیکن وہاں اپنی دو سالہ اقامت کے نتیجے میں وہ ہر طور طریقے سے پوری طرح باخبر تھا۔

باہر موجود ٹیکسی کی عقبی نشست پر سوار ہوتے ہوئے اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو مقامی زبان میں کچھ ہدایت دی جس میں صرف سیلرز بار کے دو الفاظ میرے پلے پڑ سکے۔ ڈرائیور نے ٹیکسی کا میٹر چلایا اور ہمارے سفر کا آغاز ہو گیا۔

ٹیکسی ہوٹل کے صاف ستھرے علاقے سے جوں ہی ایک مصروف شاہراہ پر آئی۔ مجھے بے اختیار اپنا شہر یاد آ گیا۔ سڑک پر ٹریفک کا زبردست ہجوم تھا۔ دفتری اور کاروباری اوقات ختم ہونے کے بعد ہر شخص سڑک پر آیا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

وہ دو طرفہ سڑک خاصی کشادہ تھی لیکن بسوں، ٹیکسیوں، نک نک اور بھانت بھانت کی سواریوں کی کثرت کی وجہ سے ٹریفک کی رفتار بہت سست تھی۔ ان گاڑیوں کے درمیان نوجوان اپنی موٹر سائیکلوں پر ڈرائیونگ کے کرتب دکھا کر سب سے پہلے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔

دونوں طرف بنی ہوئی فٹ پاتھوں پر ساز و سامان بیچنے والے خوانچہ فروشوں کا قبضہ تھا، پیدل چلنے والوں کے لیے فٹ پاتھ پر جگہ نہیں تھی تو وہ بچ بچا کر سڑک پر اپنی راہ بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔ مجموعی طور پر ایسی بدنظمی کا راج تھا کہ اپنا شہر کراچی یاد آ رہا تھا۔ فرق صرف ایک تھا۔ کراچی کے ڈرائیور عام طور پر بے صبرے ہوتے ہیں اپنے سے آگے والے کی مجبوری کا پورا اندازہ ہونے کے باوجود راستہ لینے کے لیے ہارن بجاتے رہتے ہیں۔ بسوں اور منی بسوں والے اس دوڑ میں سب سے آگے نظر آتے ہیں لیکن بنکاک کے ڈرائیور ان کے مقابلے میں بہت صابر و شاکر نظر آ رہے تھے، جو جہاں تھا اپنے حال میں مگن تھا۔ ہر قسم کے ملے جلے شور میں کسی ہارن کی اعصاب شکن آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔

آگے بڑھنے پر ایک اور تماشا نظر آیا۔ بازار کی گہما گہمی

Downloaded from https://pksociety.com

ذرا کم ہوئی اور فٹ پاتھ خوانچوں سے خالی نظر آئے تو ان پر موٹر سائیکلیں دوڑتی ہوئی دکھائی دیں۔ بے صبرے نوجوان سڑک پر رینگنے والے ٹریفک میں پھنس کر اپنا وقت برباد کرنے کے موڈ میں نہیں تھے جس کو جہاں راہ مل رہی تھی وہ اسی طرف دوڑا جارہا تھا۔ ان کے لیے آسان ترین ترکیب یہ تھی کہ سڑک کے کنارے آکر اپنی موٹر سائیکل کے اگلے ٹائر کو اچھال کر سڑک سے اٹھی ہوئی فٹ پاتھ پر چڑھیں اور جہاں تک راہ ملے سیدھے دوڑتے چلے جائیں۔ ان خطرناک موٹر سائیکلوں سے بچتا پیدل چلنے والوں کی اپنی ذمے داری تھی۔

''آرہا ہے اپنے لاہور کا سامزہ!'' مجھے اس بے ہنگم ٹریفک کے مشاہدے میں منہمک پاکر اسد نے میری طرف جھک کر سرگوشی کی۔

''لاہور!'' میں نے حیرت سے دہرایا'' مجھے تو کراچی یاد آرہا ہے' معلوم ہوتا ہے کہ یہاں آنے والے نوجوان واپسی پر فٹ پاتھوں کا صحیح استعمال سیکھ کر وہاں جاتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ پیدل چلنے والے حادثات سے کیسے بچتے ہیں۔''

''بس بچ ہی جاتے ہیں۔'' وہ ہنس کر بولا'' مقامی ان چیزوں کے عادی ہیں۔ باہر سے آنے والے دو چار دنوں میں سب سیکھ جاتے ہیں۔ تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ یہاں ٹریفک کے حادثات کی شرح بہت کم ہے۔'' وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش ہوا پھر کہنے لگا'' پہلے میں بھی کراچی کی بھیڑ بھاڑ دیکھ کر بہت حیران ہوتا تھا۔ اب لاہور اس کا مقابلہ کررہا ہے معلوم ہوتا ہے کہ تم بہت عرصے سے لاہور نہیں گئے۔ کراچی ہی میں پلے بڑھے ہو۔''

اس کے آخری تبصرے پر مجھے اپنے دل میں کسک سی محسوس ہوئی۔ وہ میری جائے پیدائش کو میرے لیے اجنبی قرار دے رہا تھا۔ لاہور میرا آبائی شہر تھا مگر اس شہر سے میرے ماضی کی بہت سی تلخ یادیں وابستہ تھیں۔ میں اسی شہر میں گھر سے بے گھر اور یتیم سے یسیر ہوا تھا۔ اپنے موروثی شہر کی زمین تنگ ہوجانے کے بعد میں نے اسے خیرباد کہا تھا۔ اس میں میری مرضی کا کوئی دخل نہیں تھا۔

''میں کافی دنوں سے لاہور نہیں گیا۔'' میں نے اس کے ساتھ مل کر اپنے دل کا غبار ہلکا کرنے کے بجائے مختصر سا جواب دیا۔

اسد سے ذکر شہر خوباں چھڑ جاتا تو بات بہت لمبی ہوسکتی تھی جب کہ میں اس وقت ہر جذباتی ابال سے الگ تھلگ رہ کر اپنی ساری توجہ ڈان برنارڈ کے معاملے پر مرکوز رکھنا چاہتا تھا۔

سورج مغرب کی طرف ڈھلتا جارہا تھا۔ شہر کی اونچی نیچی عمارتوں کے عقب میں سرخی گہری ہوتی جارہی تھی۔ شہر کے گنجان وسطی علاقے میں ہمارے سفر کی رفتار بہت سست رہی۔ اس ہجوم سے نکلنے کے بعد ٹیکسی کی رفتار تیز ہوگئی۔

منزل پر پہنچنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ ہمارے ہوٹل سے سیلز بار کا فاصلہ اتنا نہیں تھا جتنا وقت صرف ہوا۔ ہم ٹریفک کی بھیڑ بھاڑ میں نہ پھنسے ہوتے تو زیادہ سے زیادہ بیس منٹ میں وہاں پہنچ سکتے تھے۔

اسد نے ٹیکسی کچھ دور رکوالی مگر میں وہاں سے بڑے بڑے روشن حروف میں سیلز بار کا رنگ بدلتا ہوا نیون سائن دیکھ رہا تھا۔

وہ شہر کا خاصا قدیم اور پسماندہ علاقہ تھا۔ بیشتر مکانات سال خوردہ تھے لیکن ان کے درمیان کہیں کہیں کئی منزلہ شاندار مکانات بھی نظر آرہے تھے۔ ہوا میں رچی ہوئی مخصوص سیلن سے اندازہ ہورہا تھا کہ بندرگاہ وہاں سے زیادہ دور نہیں تھی۔

مکانوں کے درمیان اِکّا دُکّا دکانیں اور ہوٹل بھی موجود تھے۔ ان ہی میں سیلز بار بھی شامل تھا۔ ان دکانوں وغیرہ نے بازار کی صورت اختیار نہیں کی تھی البتہ ایک بات بہت نمایاں تھی کہ رہائشی مکانات کے مقابلے میں ہر تجارتی ٹھکانا بہت روشن اور پرکشش نظر آرہا تھا۔ دکانوں کی بیرونی آرائش اور گاہکوں کو متوجہ کرنے کے لیے مقامی انداز کے ساتھ شوخ رنگ استعمال کیے گئے تھے۔

سورج راستے میں ہی غروب ہوگیا تھا۔ اسٹریٹ لیمپس روشن ہوچکے تھے۔ اندھیرے کی گہری ہوتی ہوئی چادر میں دور تک روشن گھر نمایاں تھے۔

''چلو اب ہم کچھ دور پیدل چلیں گے۔'' اس نے ٹیکسی ڈرائیور کو نمٹانے کے بعد کہا۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ڈان نے شہر کے مرکز سے اتنی دور آکر بار کیوں کھولا ہے۔'' میں نے اس کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے اپنی الجھن کا اظہار کیا۔

''اس کے کاروبار کے لیے یہ علاقہ خاصا زرخیز ہے۔ یہ دیکھ رہے ہو۔'' اس نے فٹ پاتھوں پر چلتے ہوئے نوجوان اور معمر مرد وزن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا'' ان میں سے بیشتر اس کے مستقل گاہک ہوں گے۔ گودی سے آنے والوں کے لیے بھی سیلز بار سانس لینے کا اکلوتا ٹھکانا ہے۔ ڈان کے مقابلے میں آج تک کوئی شخص کئی کلومیٹر دور تک کوئی بار کھولنے کی ہمت نہیں کرسکا۔''

''حیرت ہے کہ تھائی معاشرہ ایک مردہ گھوڑے کا اتنا

Downloaded from https://paksociety.com

احترام کرتا ہے۔''

وہ بے ساختہ ہنس پڑا پھر بولا ''یہ احترام سے زیادہ روایت کی بات ہے۔ ڈان کا یہ بار اس وقت سے قائم ہے جب ہر طرف اس کے نام کا ڈنکا بجتا تھا۔ بعد میں وہ سمٹ کر اسی ایک ٹھکانے تک محدود ہو کر رہ گیا۔''

اس سے میں نے ڈان کے بارے میں جو کچھ سنا اس کی روشنی میں یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی تھی کہ وہ کچھ بھی ہوسکتا تھا مگر بے وقوف ہرگز نہیں تھا۔ اس نے کچھ نہ کچھ سوچ سمجھ کر بندرگاہ سے آنے والے راستے پر اپنا ٹھکانا بنایا تھا۔ وہ اس کے عروج کا زمانہ رہا ہوگا۔ وہ چاہتا تو سیلرز بار کے لیے شہر کے قلب میں کوئی جگہ لے سکتا تھا لیکن وہ شاید اس کے لیے موزوں ثابت نہ ہوتی۔

اس الگ تھلگ علاقے میں وہ شہری انتظامیہ کی نظروں سے دور رہ کر اسمگلنگ اور چوری کے مال کی خرید و فروخت سے لے کر نوادرات کے ہیر پھیر تک ہر کام اطمینان سے سرانجام دے سکتا تھا۔ کوئی ادھر کا رخ کرتا تو اس کے کارندے دور ہی سے اس ناپسندیدہ شخص کو تاڑ کر ڈان کو بروقت ہوشیار کرسکتے تھے۔ یہ اس کے مقدر کی بات تھی کہ زوال کی راہ اختیار کر لینے کے بعد بھی وہ وہیں پھنسا ہوا تھا۔

''سنو!'' چلتے چلتے میں نے ایک فوری خیال کے تحت اسد کو ٹوکا ''ہم سیلرز بار میں عام گاہکوں کی طرح داخل ہوں گے تم تھوڑی بہت توپی لیتے ہو نا؟''

''پہلے نہیں پیتا تھا۔ بال بچوں سے دوری کی وجہ سے میری راتوں کی نیندیں اڑ گئی ہیں۔ کسی دوست کے مشورے پر پینی شروع کردی۔''

''بس، بس یہ کافی ہے!'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا ''تم اسکاچ لوگے، میں فریش لیمن۔''

''یہ کیا بات ہوئی!'' اس نے چونک کر پوچھا ''تم فریش لیمن کیوں پیو گے؟''

''مجھے معدے کی ایک بیماری لاحق ہے۔'' میں نے اسے بہت سنجیدگی سے بتایا ''الکحل کی ایک بوند بھی میرے لیے زہر ثابت ہوسکتی ہے۔''

وہ تفہیمی انداز میں اپنا سر ہلا کر رہ گیا۔

وہ شام کے ابتدائی لمحات تھے پھر بھی سیلرز بار کے سامنے فٹ پاتھ کے کنارے دو گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔

گپوڑا جیسی ڈھلوان چھت والے مختصر سے داخلی برآمدے میں قدم رکھتے ہی وزنی چوبی فریم والے شیشے کے دروازے سے میں نے ایک نظر اندر ڈالی اور پھر دروازہ کھول کر بار میں داخل ہوگیا۔

باہر کی آرائش کے مقابلے میں اندر سے بار بہت خوب صورت تھا۔ میزوں کے گرد بید کی بنی ہوئی ہلکی اور آرام دہ کرسیاں قرینے سے سجی ہوئی تھیں۔ نیلے کپڑوں میں ملبوس ایک سبک اندام اور خوش رو لڑکی میزوں اور کرسیوں کی مزید دیکھ بھال میں مصروف تھی۔ نیچی چھت کے ساتھ جا بجا ایسی چھوٹی چھوٹی آرائشی اشیا جھول رہی تھیں جو شاید مقامی تہذیب کے بعض پہلوؤں کی عکاسی کرتی تھیں۔

عقبی حصے میں لکڑی کا منقش بار کاؤنٹر نیم دائرے کی صورت میں پھیلا ہوا تھا۔ چوڑی سطح والے کاؤنٹر کے سامنے کئی اونچے اسٹول رکھے ہوئے تھے۔ کاؤنٹر کے پیچھے کا حصہ مختصر سے ہال کے مقابلے میں زیادہ روشن تھا جہاں بھانت بھانت کی شرابوں کی بوتلیں سجی یا لٹکی ہوئی تھیں۔ وہاں دو لڑکیاں شیشے کے گلاسوں اور پیمانوں کو کپڑے سے رگڑ رگڑ کر چمکانے میں مصروف تھیں۔

میں نے ان جزئیات سے پہلے یہ دیکھ لیا تھا کہ بار کی صرف دو میزیں آباد تھیں جن پر کل پانچ نوجوان نظر آرہے تھے جن میں دو لڑکیاں تھیں جو ایک دوسرے سے قدرے فاصلے پر لگی ہوئی میزوں پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ دو الگ الگ ٹولیاں تھیں جو ظالم سماج کے چنگل سے بچ کر ڈان کے گوشہ عافیت میں آئی ہوئی تھیں۔

کاؤنٹر کے انتہائی عقبی داہنے سرے پر خطرناک صورت والا ایک تنومند اور دراز قامت شخص اونچی کرسی پر بیٹھا سگار پی رہا تھا۔ بار کا دروازہ کھلنے پر بجنے والی مترنم گھنٹیوں کی ہلکی سی آواز پر اس شخص نے اطمینان سے گردن گھما کر گہری نظروں سے ہماری طرف دیکھا تھا پھر بے فکر ہو کر دوبارہ اپنے سامنے رکھے ہوئے چھوٹے سے ٹی وی کی طرف متوجہ ہوگیا۔ جس کی اسکرین پر ہونے والی دھشیانہ کشتی ہمیں کئی لمحوں بعد نظر آسکی تھی۔

ہمارے کاؤنٹر پر پہنچتے ہی ایک وردی پوش لڑکی اپنے موتیوں جیسے دانتوں کی نمائش کرتی ہوئی ہماری طرف متوجہ ہوئی۔

لڑکی کی زبان سے یس سر کے الفاظ سن کر مجھے خوشی ہوئی۔ وہ پوری نہیں تو تھوڑی بہت انگریزی ضرور سمجھ سکتی تھی۔

ہوٹل، بار اور دکانوں میں آنے والے گاہکوں سے لین دین کرنے کے لیے انگریزی سے واقفیت تھائی باشندوں کی مجبوری تھی جس کا مشاہدہ شہروں اور سیاحتی مراکز میں کیا جاسکتا تھا۔ عام مقامیوں ـــــ سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ وہ کوئی

Downloaded from https://paksociety.com

دوسری زبان جانتے ہوں۔

ہم دونوں نے کاؤنٹر کے سامنے پڑے ہوئے اسٹول سنبھالے اور میں نے لڑکی کو آرڈر دے دیا۔ اس نے برق رفتاری سے اپنے بدن کو ہلکورے دیتے ہوئے چند لمحوں میں دونوں مطلوب مشروبات کے گلاس ہمارے سامنے سجا دیے۔ میں نے اسے سو بھات کا نوٹ دیا۔ وہ نوٹ لے کر مرد کی طرف گئی اور اس سے بقیہ رقم لے کر مجھے لوٹا دی۔ میں کن انکھیوں سے دیکھ رہا تھا کہ بار کے عقب میں بیٹھا ہوا دراز قامت شخص پوری توجہ سے ٹی وی پر خونی مقابلہ دیکھ رہا تھا۔ اس نے ٹی وی کی آواز بند کی ہوئی تھی۔

ہمیں سرد کرنے کے بعد وہ لڑکی دوبارہ اپنے کاموں میں مصروف ہوگئی۔ اس کی ہمراہی دوسری سمت میں اپنے کام میں لگی ہوئی تھی۔ اس وقت تک بار میں کام کرنے والوں میں کوئی مرد نظر نہیں آیا تھا۔ نیلی وردیوں میں ملبوس تینوں لڑکیاں پھرکی بنی ہوئی تھیں۔

''مس!'' میں نے قدرے بلند آواز میں لڑکی کو پکارا تاکہ میری آواز ریسلنگ کے شوقین کے کانوں تک پہنچ سکے۔ لڑکی اپنی جگہ کھڑے کھڑے میری طرف گھومی تو میں نے اپنی بات شروع کردی ''میں خاص طور پر ڈان برنارڈ کی زیارت کے لیے یہاں آیا ہوں۔''

مجھے اندازہ نہیں ہوسکا کہ لڑکی میری پوری بات سمجھ گئی تھی یا نہیں۔ اتنا ضرور ہوا کہ میری زبان سے ڈان کا نام سنتے ہی اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار عود کر آئے۔

لڑکی نے براہِ راست میری بات کا جواب دینے کے بجائے بے بسی سے ٹیلی وژن والے کی طرف دیکھا۔ وہ میری بات سن کر پہلے ہی میری طرف متوجہ ہو چکا تھا اور کینہ توز نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

میری اور ڈان کی نظریں چار ہوئیں۔ میں نے دوستانہ انداز میں مسکرانے کی کوشش کی لیکن ڈان کے چہرے کی کرختگی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

ہمیں سرد کرنے والی لڑکی اس صورت حال سے سراسیمہ ہوگئی اور تیزی کے ساتھ کاؤنٹر کی گولائی کے دوسرے حصے کی طرف چلی گئی جہاں نیلی وردی والی تیسری لڑکی کسی گاہک کے نہ ہونے کے باوجود مصروف نظر آرہی تھی۔

ڈان نے میرے چہرے سے ایک لمحے کے لیے بھی نظریں ہٹائے بغیر ٹیلی وژن کے پینل کے کسی بٹن پر زور سے ہاتھ مارا۔ اسکرین یکا یک تاریک ہوگئی۔

ڈان نے اپنی کرسی چھوڑ دی۔ اسی وقت کسی میز سے اٹھ کر ایک لڑکا بار کے کاؤنٹر پر آگیا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں بیئر کے خالی مگ دبے ہوئے تھے۔

مجھے اس لڑکے پر دھیان دینے کی فرصت نہیں تھی۔ ڈان کے عجیب وغریب اور جارحانہ تیوروں نے مجھے پریشان کردیا تھا۔ رہی سہی کسر اسد نے پوری کردی۔ اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں میرے پہلو میں مسلسل دو ہاریوں کہنی ماری جیسے مجھے وہاں سے نکل بھاگنے پر اکسانا چاہ رہا ہو۔ میں فوری طور پر بار اسٹول سے اتر کر فرش پر کھڑا ہوگیا تاکہ ڈان کی کسی جارحانہ پیش دستی سے اپنا بچاؤ کرسکوں۔

ڈان نے کاؤنٹر کے عقب میں اپنی کرسی چھوڑنے کے بعد کسی اشتعال آمیز عجلت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ وہ مجھے گھورتا ہوا' نپے تلے قدموں سے کاؤنٹر کے پیچھے عین میرے سامنے آکر رک گیا۔ اس نے اپنی دونوں کہنیاں بار کے کاؤنٹر کی چوبی سطح پر ٹکائیں اور دھیمی مگر غراتی ہوئی آواز میں انگریزی میں بولا ''معلوم ہوتا ہے کہ تم یہاں سے چار آدمیوں کے کندھوں پر سوار ہوکر لوٹنے کے ارادے سے آئے ہو۔ میں نے آج ایک مدت کے بعد کسی اجنبی کی زبان سے اپنا پورا نام سنا ہے!''

لمحہ بھر میں بات میری سمجھ میں آگئی میں نے اس سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے ادب و احترام کا بھرپور مظاہرہ کیا تھا لیکن نادانستگی میں مجھ سے یہ غلطی ہوچکی تھی کہ میں نے اس کا پورا نام لے لیا تھا۔ اس جیسے اونچے پائے کے بدمعاش عام طور پر اپنی عرفیت سے پکارا جانا پسند کرتے ہیں۔ اس کے ہم جلیسوں نے اسے بنکاک کے ڈان کے رتبے پر فائز کردیا تھا۔ وہ فعال تھا یا اپنی باری سرگرمیوں سے کنارہ کش ہوچکا تھا۔ یہ ایک الگ کہانی تھی۔ وہ بزعم خود ڈان تھا اور مرتے دم تک ڈان ہی رہنا چاہتا تھا۔

میں اس کے اعتراض کا خاصا مسکت جواب دے سکتا تھا لیکن اس طرح بات بڑھ جاتی۔ میں اس سے لڑنے کے لیے نہیں مل بیٹھنے کے لیے آیا تھا۔ میں نے روایتی انداز میں لمحہ بھر کے لیے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں باہم جوڑ کر کہا ''ڈان! یہ واقعی خطا ہے جو نادانستگی میں سرزد ہوگئی۔ اس پر میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔''

اس نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا۔ عقابی نظروں سے مسلسل میری طرف دیکھتا رہا جیسے میری آنکھوں میں سچ پڑھنے کی کوشش کررہا ہو۔ پھر اسے میری بات پر اعتبار آگیا۔ اس نے اپنی آواز بلند کیے بغیر اسی لہجے میں کہا ''تم کون ہو..... تمہیں مجھ سے کیا کام ہے؟''

Downloaded from https://paksociety.com

عقب میں سیلرز بار کے داخلی دروازے کی گھنٹیاں گنگنائیں۔ اسی کے ساتھ میرے کانوں میں کئی قدموں کی آہٹیں اور ملی جلی شوخ آوازیں آئیں جو مقامی تھیں۔ میں نے مڑنے کی حماقت کیے بغیر اندازہ لگایا کہ کوئی نیا گروپ بار میں وارد ہو چکا تھا۔

''چھوٹا راجن!'' میں نے ڈان ہی کے انداز میں کہنیوں کے بل کاؤنٹر پر جھک کر سرگوشی کی ''میں اس کا خون پینے کا ارادہ لے کر یہاں آیا ہوں۔''

اس مرتبہ وہ پھر چند ثانیوں تک متردد رہا پھر اس نے اپنا بھاری ہاتھ نفامیں لہرا کر آہستہ سے کہا ''ادھر چلے آؤ۔''

مجھے ہدایت دے کر وہ دوبارہ اپنے ٹیلی وژن والے گوشے کی طرف چل دیا۔

ڈان کے اشارے پر میں اپنا گلاس اسی طرح چھوڑ کر اس کی بتائی ہوئی سمت میں چل دیا۔ اس دوران میں اسد نے گھبرا کر اپنا لارج پیگ تیزی سے حلق سے اتار لیا تھا اور میرے ساتھ ہولیا تھا۔

ڈان سے وہ مختصر سا مذاکرہ ختم ہونے کے بعد میں نے دیکھا کہ بار کی مزید کئی میزیں آباد ہو چکی تھیں اور چند نئے چہرے مشروبات خریدنے کے لیے کاؤنٹر پر آگئے تھے۔ نیلی وردی والی دونوں لڑکیاں نئے گاہکوں کی طرف متوجہ تھیں لیکن ان کی خوف زدہ نظریں ایک آدھ بار ہماری طرف بھی اٹھی تھیں۔ ان کی دانست میں ہم دونوں ڈان کے عتاب میں آچکے تھے۔

ہم کاؤنٹر کے اختتامی سرے پر موجود بند ٹیلی وژن کے پیچھے پہنچے تو ڈان پہلے ہی کاؤنٹر سے باہر آ کر ہمارا انتظار کر رہا تھا۔

کاؤنٹر کے پیچھے والے حصے کے مقابلے میں پورے بار میں روشنی خاصی کم تھی۔ شراب خانوں کے اندرونی ماحول کو خواب ناک بلکہ ہوش ربا بنانے کے لیے روشنی کی وہ تقسیم غیر معمولی نہیں تھی۔ ہر بار میں کم و بیش ایسا ہی ہوا کرتا ہے لیکن ہماری موجودگی کے مقام سے آگے جانے والا راستہ خطرناک حد تک نیم تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔

اس راستے کے ایک سرے پر چوکور سرخ سائن روشن تھا۔ دھندلائی ہوئی مقامی تحریر میرے لیے ناقابلِ فہم تھی مگر تحریر کے نیچے بنے ہوئے خاکے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بار کا واش روم تھا۔ مرد و زن کسی امتیاز کے بغیر اس سے مساویانہ استفادہ کر سکتے تھے۔

اس اکلوتے واش روم کے سامنے مجھے اوپر جانے والے زینے نظر آرہے تھے۔ ہمارے پہنچتے ہی ڈان اس تنگ اور نیم تاریک راہ داری میں گھس گیا۔ بے اختیار میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔

اسد نے مجھے بتایا تھا کہ ڈان کی رہائش اسی شراب خانے کی اوپری منزل پر ہے اور وہ اپنے گھر میں کسی سے نہیں ملتا لیکن اس وقت نظر آنے والے آثار کچھ اور بتا رہے تھے۔ ڈان بہت بے پروائی کے ساتھ ہمیں اپنے گھر کی طرف لے جا رہا تھا۔

ڈان اصول پرست آدمی تھا۔ اپنے شراب خانے میں میرے ساتھ مار دھاڑ کر کے وہ اپنے بار کی سکھ اور کاروبار کو تباہ کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ مجھے شبہ ہو رہا تھا ہمیں اوپر لے جا کر وہ ہمارے ساتھ درشت اور توہین آمیز رویہ اختیار کرے گا۔

اس نے ابتدا ہی سے مجھ پر اپنی گرفت اتنی مضبوط رکھی تھی کہ مجھے اس سے کچھ پوچھنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ ڈان سب کچھ اپنی مرضی سے کر رہا تھا۔ میں خاموشی سے اپنا سر جھکا کر اس کی تقلید کرنے پر مجبور تھا۔

ڈان اتنا مطمئن تھا کہ چلتے ہوئے بھی سگار پی رہا تھا۔ تنگ اور نیم تاریک راہ داری جلے ہوئے عمدہ تمباکو کی بو سے بھرتی جاری تھی۔

''ڈان.....!'' میں نے کچھ جاننے کی نیت سے سرگوشیانہ آواز میں اسے پکارا لیکن اس نے مجھے آگے بولنے کا موقع نہیں دیا۔

''خاموش رہو۔ تم سے اوپر بات ہوگی!'' اس کی تحکم آمیز آواز فیصلہ کن تھی۔

پھر مجھے اس راہ داری کے اختتام پر دیوار کا ہم رنگ دروازہ نظر آیا جو بند تھا۔ صورت کچھ یوں تھی کہ ہمارے داہنے ہاتھ پر واش روم تھا' بائیں طرف اوپر جانے والے زینے تھے اور سامنے وہ بند دروازہ تھا جسے استعمال کر کے خاموشی سے باہر نکلا جا سکتا تھا۔

لکڑی دنیا کے اس خطے کی اعلیٰ پیداوار ہے اور ہر جگہ مضبوط اور عمدہ لکڑی کا استعمال کثرت سے نظر آتا ہے۔ ڈان نے زینوں پر قدم رکھا اور ہلکی سی چرچراہٹ سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ چوبی زینے تھے۔ نکاس کے چور دروازے پر ہاتھ مار کر میں نے یہ اطمینان کر لیا کہ وہ بھی چوبی دروازہ تھا۔ کوئی برا وقت آنے کی صورت میں اس پر بیم گن استعمال کر کے ذرا سی دیر میں راہ کھولی جا سکتی تھی۔

زینوں کے اختتام پر ایک روشن بلب کی وجہ سے گھٹن کا احساس یکا یک ختم ہو گیا۔ ڈان نے بند دروازے کو اندر دھکیلا اور آگے بڑھ گیا۔ میں نے بھی اندر گھسنے میں تکلف نہیں کیا اسد خاموشی سے میرے پیچھے چلا آرہا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

نچلی منزل کا خاصا رقبہ کاؤنٹر اور اس کے پیچھے بنے ہوئے بار نے گھیرا ہوا تھا۔ وہاں جگہ کی تنگی کا شدت سے احساس ہوا تھا لیکن شراب خانے کی اوپری منزل بہت کشادہ نظر آرہی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ وہاں کمرے اور دیواریں نہیں تھیں جو کچھ تھا ایک ہال کی صورت میں ہمارے سامنے تھا۔ ہال صاف ستھرا تھا۔ وہاں کنگ سائز کی صرف ایک مسہری تھی۔ ہال کے ایک گوشے میں خطرناک چہروں اور مضبوط جسموں والے چار مقامی باشندے ایک میز کے گرد بیٹھے تاش کھیل رہے تھے۔ ان چاروں کے سامنے موجود رقموں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ جوا کھیل رہے تھے۔ میز کے وسط میں بھی رقم پڑی ہوئی نظر آرہی تھی۔ حیرت ناک بات یہ تھی کہ ان چاروں سے کوئی جواری شراب سے شغل نہیں کر رہا تھا۔

ان چاروں نے ڈان کی طرف دیکھا' اپنے سروں کو تھوڑا سا تعظیمی خم دیا اور دوبارہ اپنے کھیل میں مصروف ہو گئے۔ انہوں نے مجھے یا اسد کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔

ڈان اپنی مسہری کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ مسہری کے گرد آرام دہ کرسیاں اور صوفے ترتیب سے لگے ہوئے تھے۔ ڈان مسہری پر بیٹھ گیا۔ اس کے اشارے پر ہم دونوں بھی صوفے پر ایک دوسرے کے قریب ہو کر بیٹھ گئے۔

ڈان نے مسہری پر بیٹھنے کے بعد سگار کا ایک گہرا کش لیا پھر اپنے دہانے سے کثیف دھویں کے مرغولے خارج کرتا ہوا بولا' ''راجن اس زمین کی سب سے گندی اور خبیث مخلوق ہے۔ کوئی اسے زیر کردے تو میں اسے اس دور کا سب سے بڑا ڈان مان لوں گا۔''

''یہ کام تم خود کر سکتے ہو۔'' میں نے خوشامدانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا'' بنکاک کے سارے سورما دل و جان سے تمہاری عزت کرتے ہیں تم ایک اشارہ کردو تو وہ سب مل کر اسے چیونٹی کی طرح پیس ڈالیں گے۔''

ڈان نے متاسفانہ انداز میں زور زور سے اپنے سر کو نفی میں جنبش دی'' یہ سب بودے اور بزدل ہیں مجھے امید تھی کہ میرے کنارہ کش ہونے کے بعد یہ اس بھارتی کتے کی ٹانگیں چیر ڈالیں گے مگر ان سے کچھ بھی نہیں ہوا! ایک ایک کر کے سب اس کی غلامی میں چلے گئے اور آج وہ پورے بنکاک پر راج کر رہا ہے۔''

''تم خود اس کا سر کیوں نہیں کچل دیتے؟'' میں نے پوچھا۔

''میں اپنا تھوکا ہوا نہیں چاٹتا۔ جو میدان چھوڑ دیا' دوبارہ اس میں نہیں اتروں گا۔'' ڈان نے نخوت سے جواب دے کر سگار ہونٹوں سے لگایا۔

''تم ان چاروں کو دیکھ رہے ہو؟'' اس نے لمحہ بھر کے بعد تاش کھیلنے والوں کی طرف اشارہ کر کے کہا'' دو سال پہلے شہر میں ان کا بھی طوطی بولتا تھا مگر چھوٹا راجن نے انہیں بھی میدان سے بھگا دیا۔ یہ ان کا احسان ہے کہ انہوں نے اس کی غلامی نہیں کی میرے پاس چلے آئے۔ اب ان کو پالنا بھی میری ذمے داری ہے۔''

ڈان نے جس بے فکری سے ان چاروں کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا تھا اور وہ جس بے نیازی سے اپنے کھیل میں منہمک رہے تھے اس سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ انگریزی زبان سے بالکل نابلد تھے۔ میرے لیے یہ بات اہم تھی کہ اپنے ان آدمیوں کی طرف سے ڈان برنارڈ کے دل میں کینہ موجود تھا۔

''انہیں مفت کی روٹیاں نہ توڑنے دو۔'' میں نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد کہا'' تمہارے پاس آدمی ہیں۔ میرے پاس راجن سے نفرت کے سوا کچھ نہیں ہے انہیں میرے حوالے کردو۔ میں راجن کو چند ہی دنوں میں پیوند زمین کر دوں گا۔''

''تم بہت بڑی بڑی باتیں کر رہے ہو!'' ڈان نے میرے چہرے پر نظریں جما کر ہلکے سے استہزائی انداز میں کہا'' چھوٹا راجن بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ اس سے ٹکرانے کے لیے زور بازو چاہیے!''

''بارہ برس کے ایک دھان پان سے لڑکے میں حوصلہ ہو تو وہ میرے سینے میں چار گولیاں اتار سکتا ہے.....'' میں نے اسے قائل کرنے کے لیے کہنا چاہا لیکن اس نے تلخی سے میری بات کاٹ دی۔

''مجھ سے بحث مت کرو۔ میری کہی ہوئی ہر بات کے پیچھے تجربہ ہوتا ہے اور وہ پتھر پر لکیر کی طرح اٹل ہوتی ہے۔ میں نے اپنے بال دھوپ میں سفید نہیں کیے۔ تمہارے منہ سے ابھی دودھ کی بو آرہی ہے۔ میرے تجربے کو چیلنج مت کرو۔''

''ڈان.....! میں بڑی امیدیں لے کر تمہارے در پر آیا تھا۔'' میں نے التجا کی۔

''میں نے بھی تمہیں مایوس نہیں کیا۔ میں اجنبیوں کو اپنے گھر میں نہیں بلاتا۔''

''تو کیا میں خود کو تمہارا دوست سمجھ لوں؟'' میں نے خوش ہو کر سوال کیا۔

''ابھی دوست ہونا اجنبی۔ میں نے تم سے تمہارا نام تک نہیں پوچھا۔ پچھلے دو برسوں میں تم پہلے جوان ہو جو اپنی آنکھوں میں راجن کی بربادی کے خواب لیے میرے پاس آئے ہو۔ تم نے چمکتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ چھوٹا راجن کا خون پی لینے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ آج تک کسی نے میرے سامنے ایسا حوصلہ نہیں دکھایا۔''

اس کی زبان سے حوصلے کا ذکر سنتے ہی میں نے سوچا کہ

Downloaded from https://paksociety.com

اسے زور بازو کے مقابلے میں حوصلے کی اہمیت سے آگاہ کرنے کی کوشش کروں مگر میں نے چپ سادھ لی۔ دوبارہ اس کی انا کو ٹھیس پہنچانے کی صورت میں میں بھاری خسارے سے دو چار ہوسکتا تھا۔

''بنکاک کے سارے سورما نامرد ہوگئے ہیں۔'' ڈان کہہ رہا تھا ''وہ میرے سامنے آتے ہیں تو بوڑھی بیواؤں کی طرح چھوٹا راجن کو آگ اور پانی کی دردناک موت کی بددعائیں دیتے ہیں لیکن اس سے لڑنے کی ہمت کسی میں نہیں ہے۔''

''ڈان! تم میرے سر پر ہاتھ رکھ دو۔ میں آخری سانس تک اس سے لڑوں گا۔'' موقع پاتے ہی میں نے اس کی انا کو ابھارنے کی کوشش کی۔

''لڑائی ہتھیاروں سے نہیں ہوتی۔ آئندہ میرے سامنے یہ بات نہ دہرانا۔'' اس نے مجھے نصیحت کی ''ہتھیاروں کے بل پر چوراُچکے دلیری دکھاتے ہیں۔ کسی کو نوچا' لوٹا اور گولی مار کر بھاگ گئے۔ نر ہمیشہ اپنے زور بازو سے لڑتا ہے۔ ہتھیار ناکارہ ہوجائیں تو اپنے ہاتھوں سے دشمن کی گردن اس کے شانوں سے اکھاڑ لیتا ہے۔''

''میں تمہاری ہر ہدایت پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں۔'' میں نے سر جھکا کے ادب سے کہا ''تم دیکھو گے کہ میں اس کا کیا حشر کرتا ہوں۔''

''یہ چاروں نکمے ہیں۔'' قدرے توقف کے بعد اس نے جواریوں کے بارے میں زبان کھولی ''تم راجن سے لڑنے کے لیے انہیں مانگ رہے تھے۔ یہ تمہارے لیے عذاب بن جائیں گے کیونکہ یہ اپنی بولی کے علاوہ کوئی اور زبان نہیں سمجھتے۔ تم ان سے بیٹھنے کے لیے کہو گے' یہ لیٹ جائیں گے۔''

''تمہاری باتیں بہت امید افزا ہیں۔ مجھے محسوس ہورہا ہے کہ آج میں یہاں سے مایوس نہیں جاؤں گا۔''

''تمہاری یہ توقعات قبل از وقت ہیں۔ تمہیں ثابت کرنا ہوگا کہ تم میں چھوٹا راجن سے لڑنے کا دم خم ہے۔''

''میں ہر امتحان کے لیے تیار ہوں۔'' میں نے بلا جھجک اپنی آمادگی ظاہر کردی۔

''اس کی ایک صورت یہ ہے کہ تم بنکاک کے کسی ویرانے میں دس منٹ تک میرا مقابلہ کرو۔ تم اپنے قدموں پر کھڑے رہے تو میں تمہیں مان لوں گا۔''

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا اور پھر فیصلہ کرلیا کہ وہ ڈان کو شیشے میں اتارنے کا بہترین موقع تھا۔ میں نے مایوسی سے جواب دیا ''یہ ناممکن ہے۔ میں پہلے منٹ میں ہی خاک چاٹتا نظر آؤں گا۔''

''کیوں؟'' اس نے پہلی بار حیرت سے پوچھا ''تم خود کو اتنا گیا گزرا سمجھتے ہو اور صرف ہتھیاروں کے بل پر چھوٹا راجن کو مارنے کے لیے نکلے ہو!''

''میں ہتھیاروں پر لعنت بھیجتا ہوں۔'' میں نے ہلکی سی تلخی سے کہا ''تم میری بات کو نہیں سمجھ سکے۔ دراصل میں تمہارا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ جس شخص کو لوگ جھک جھک کر سلام کرتے ہوں' اس پر میرا ہاتھ کبھی نہیں اٹھ سکے گا۔ اپنے کسی آدمی کو نامزد کردو۔ میں اس کی گردن توڑ دوں گا۔''

ڈان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ نکتہ اس کے ذہن میں دور دور تک نہیں تھا۔ اس کے ہونٹوں سے بے ساختہ آواز نکلی ''تم واقعی اصیل اور خاندانی آدمی معلوم ہوتے ہو۔ تم جیسا کڑیل جوان لڑنے پر تل جائے تو مجھ جیسے ادھیڑ عمر ڈان کو ذرا سی دیر میں تھکا سکتا ہے۔''

''یہی تمہارا امتحان ہے تو مجھے مقابلہ کیے بغیر اپنی شکست منظور ہے!'' لوہا گرم دیکھ کر میں نے ایک اور ضرب لگادی۔

''میں اپنی کہی ہوئی بات واپس نہیں لیتا۔ یہ میں نے امتحان کی ایک صورت بتائی تھی۔ اپنی شرافت کی وجہ سے یہ تمہیں قبول نہیں تو پھر مجھ سے ہاتھ لڑالو۔ تم کو میری کلائی گرانی ہوگی۔''

مجھے محسوس ہوا کہ ڈان برنارڈ کی کوئی رگ بھڑکی ہوئی تھی۔ اس نے اپنی کہی ہوئی بات واپس نہ لینے کا ذکر کرکے مجھے فکرمند کردیا۔ میں کلائی گرانے والی تجویز نہ مانتا تو وہ کوئی مشکل تر متبادل پیش کرسکتا تھا۔

اس کا جسم بہت مضبوط اور گٹھا ہوا تھا۔ دیکھنے میں وہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ توانا نظر آرہا تھا مگر پھر بھی مجھے امید تھی کہ میں اس پر حاوی ہوجاؤں گا۔ میں نے اس کی تجویز قبول کرلی۔

ڈان نے مسہری پر رکھی ہوئی بلور کی بڑی ایش ٹرے میں سگار کا سلگتا ہوا سرا مسل کر بجھا دیا۔ وہ اس کی طرف سے مقابلے کی تیاری کی ابتدا تھی۔

''اب مجھے تمہارا نام معلوم ہوجانا چاہیے۔'' اس نے مسہری سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''علی احمد اور یہ اسد خان ہے۔'' میں نے اسے دونوں کے نام بتادیے۔

''جب سے آئے ہو' تم ہی بولے جارہے ہو۔ اس بے چارے کو وہسکی کے ایک ڈبل پیگ کے بعد چپ لگ گئی ہے۔'' ڈان نے سنجیدگی سے کہا۔

بار کاؤنٹر پر وہ بظاہر ٹیلی وژن دیکھنے میں منہمک تھا لیکن اپنے گردوپیش میں ہونے والے واقعات سے پوری طرح باخبر تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

میں نے وضاحت کی کہ اسد اپنے روزگار کے سلسلے میں کچھ عرصے سے بنکاک میں مقیم تھا۔ وہ مجھے سیکرز بار تک پہنچانے کے لیے آیا تھا۔ چھوٹا راجن والے معاملے سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ میرا ذاتی معاملہ تھا۔ اسد مجھ سے دوستی کی وجہ سے میرے ساتھ تھا۔ پورے جھمیلے سے واقف نہ ہونے کی بنا پر وہ گفتگو میں دخل نہیں دے رہا تھا۔

میرا خیال تھا کہ ڈان اس کے بعد مجھے مزید کریدنے کی کوشش کرے مگر اس نے میری قومیت اور راجن سے میری دشمنی کے سبب کے بارے میں ایک لفظ نہیں پوچھا۔

مسہری سے اٹھنے کے بعد اس نے اونچی آواز میں اپنے چاروں آدمیوں سے کچھ کہا۔ انہوں نے فوری طور پر رقم اور پتے سمیٹ کر میز خالی کردی۔

آثار بتا رہے تھے کہ دست آزمائی کا مقابلہ اسی میز پر ہوگا جو زیادہ چوڑی اور اونچی تھی۔ وہ چاروں اپنی رقوم جیبوں میں ڈال چکے تھے اور مقابلہ شروع ہونے کے منتظر تھے۔

میرے لیے وہ ہر لحاظ سے ایک عجیب تماشا تھا۔ مجبوری یہ تھی کہ وہ ڈان کا فیصلہ تھا۔ اس کے نتیجے پر میرے آئندہ منصوبوں کا دارومدار تھا۔

میں نے اٹھ کر اس وسیع و عریض ہال پر نظر دوڑائی تو مجھے ڈان کی مسہری سے دور ایک دیوار کے سہارے فرش پر چار گدے پڑے ہوئے نظر آئے جو ان چاروں کے لیے ہو سکتے تھے۔ ڈان کے دل میں ان کے لیے عزت نہیں تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ اس نے اپنی ضرورت اور مصلحت کے لیے ان کو قبول کیا ہوا تھا۔ کسی بھی بڑے بدمعاش کے لیے یہ بات بہت سبکی کا سبب بنتی ہے کہ اپنی زندگی کے کسی مرحلے پر وہ بالکل تنہا رہ جائے۔ ان مفت خوروں کی موجودگی نے ڈان کو اس سبکی سے بچایا ہوا تھا۔

ڈان ایک چوبی سینٹر ٹیبل کے ساتھ فرشی قالین پر بیٹھ گیا۔ مکروہ چہروں والے بدمعاش اپنی زبان میں ہنستے بولتے اس کے قریب پہنچ گئے۔

میں نے ڈان کے سامنے والی جگہ سنبھال لی۔ میرا حمایتی صرف اسد تھا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ اس کے بارے میں ڈان سے میری گفتگو ہونے کے بعد اس کے بشرے پر کبیدگی کے آثار ابھر آئے تھے۔ شاید اسے یہ بات پسند نہیں آئی تھی کہ میں نے اسے الگ تھلگ رکھنے کی کوشش کی تھی۔

ڈان نے مجھ سے ہاتھ ملایا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ اس رسمی انداز میں میری طاقت کا اندازہ لگانے کی کوشش شروع کرے گا مگر اس نے نرمی سے ہاتھ ملا کر چھوڑ دیا۔

لمحہ بھر بعد ہم دونوں سینٹر ٹیبل پر اپنی داہنی کہنیاں ٹکا کر ایک دوسرے کے ہاتھوں کو اپنی مخصوص گرفت میں لے چکے تھے۔

مجھے ڈان پر اپنی طاقت کا اظہار کرنا تھا۔ میں نے گرفت درست ہوتے ہی زور لگایا۔ ڈان اپنا بایاں ہاتھ پشت پر رکھے سکون سے بیٹھا رہا۔ میرے ابتدائی جھٹکے میں ڈان کی کلائی میں ہلکی سی جنبش ہوئی۔ اس کے بعد وہ ایک جگہ تھم گئی۔

میں نے بتدریج زیادہ زور لگانا شروع کیا اور ڈان کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔ اسے اپنی کلائی کو روکنے کے لیے بہت محنت کرنا پڑ رہی تھی۔ اس کے حمایتی اچھل اچھل کر اس کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔ ڈان عمر میں مجھ سے کافی بڑا تھا مگر اس کے جسم میں توانائی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ جاں گسل زور آزمائی کئی منٹ تک جاری رہی۔ دو تین بار مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ڈان کا دم ٹوٹ رہا ہو۔ میں نے اپنی پوری قوت صرف کردی لیکن اس کی کلائی گرانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

زور لگانے کی وجہ سے ہم دونوں کے داہنے ہاتھوں کی انگلیاں سفید پڑ چکی تھیں۔ مجھے اپنا بازو سن ہوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

اس وقت تک ڈان اپنی کلائی کو گرنے سے روک رہا تھا۔ یکا یک اس نے جوابی کارروائی شروع کردی اور میری کلائی گرانے کی کوششیں شروع کردیں۔

لمحہ بھر بعد مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ صرف میرا احساس تھا۔ اصل صورتِ حال جوں کی توں تھی۔ اولین لمحے سے ہی ہم دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ گرانے کے لیے اپنی اپنی پوری طاقت صرف کر رہے تھے اور نتیجہ صفر تھا۔

اس وحشیانہ زور آزمائی کے نتیجے میں میرے بدن کے سارے مساموں کے دہانے کھل گئے تھے۔ ہر طرف پسینے کی لکیریں بہہ نکلی تھیں۔ یہی حال ڈان کا تھا۔ بڑھے ہوئے دورانِ خون سے اس کا گندمی چہرہ سیاہی مائل ہو چلا تھا اور پسینوں میں ڈوبا ہوا تھا۔

ڈان کے چاروں ساتھیوں کا جوش و خروش دھیما پڑ چکا تھا۔ ہم دونوں کے دہانوں سے غیر ارادی طور پر خارج ہونے والی آوازیں واضح ہو گئیں۔

ایک لمبا سانس کھینچ کر میں نے سینے میں روکا اور سر جھکا کر آخری زور لگانا شروع کردیا۔ ڈان کے ہاتھ میں ہلکی سی لرزش نمودار ہونے لگی۔

یکا یک کوئی بھاری وجود میرے بائیں جوتے کے تلے پر سوار ہو گیا۔ وہ بہت بے رحمی سے میرے پیر کو دبا رہا تھا۔ میں اس وقت بول سکتا تھا نہ سر گھما سکتا تھا۔ میری ذرا سی توجہ کسی اور طرف مبذول ہوتی اور ڈان میری کلائی گرا دیتا۔

Downloaded from https://paksociety.com

بائیں پیر کی تکلیف ناقابلِ برداشت ہونے لگی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرا انگوٹھا اتر جائے گا۔ میں نے یکا یک ڈان کا ہاتھ چھوڑا اور قالین پر ذرا گھوم کر بائیں گھٹنے سے ایک اٹھتی ہوئی ضرب لگائی۔ ڈان کا ایک ساتھی کریہہ چیخ کے ساتھ پیچھے الٹ گیا۔

اپنے بائیں پیر کو آزادی ملنے کے بعد میں نے دیکھا کہ ڈان کے پیچھے تین آدمی رہ گئے تھے۔ چوتھا میری بے خبری میں میرے پیچھے آ کر میرا پیر پکڑ رہا تھا تاکہ میں ڈان کے مقابلے پر جا نہ سکوں۔

''ڈان! یہ زیادتی ہے۔'' میں نے اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیوں کو تیزی سے حرکت دے کر گرم کرنے کی کوشش کرتے ہوئے احتجاج کیا ''تمہارا آدمی میرا پیر پکڑ رہا تھا۔''

میری شکایت سن کر ڈان آگ بگولا ہو گیا۔ پلٹ کر اپنی زبان میں گرجنے برسنے لگا۔

بقیہ تینوں نے شاید میری شکایت کی تائید کی۔ ڈان نے ان میں سے ایک لمبی زقند لگائی اور فضا میں اڑتا ہوا اپنے اس آدمی پر جا گرا جو میرے ہاتھوں پہلے ہی مجروح ہو چکا تھا۔

ڈان نے اسے گریبان سے پکڑ کر بہت بے رحمی سے فرش سے اٹھایا۔ وہ مدافعانہ انداز میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر جلدی جلدی کچھ کہہ رہا تھا۔ یقینی طور پر اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہوگا۔ ڈان نے اس کی ایک نہ سنی۔ یکے بعد دیگرے دو زناٹے دار تھپڑ اس کے رخسار پر رسید کیے اور پھر اسے زور سے دھکا دے کر پیچھے گرا دیا۔

اسے سزا دے کر ڈان اپنی زبان میں بڑبڑاتا ہوا واپس لوٹا۔ میرے قریب آ کر اس نے دوستانہ انداز میں میرے شانے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''اس بے ایمانی میں میری مرضی کا کوئی دخل نہیں تھا۔'' اس نے سیدھے اور سپاٹ انداز میں انگریزی میں کہا ''یہ وہ لوگ ہیں جو شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس نے اپنی دانست میں مجھے مقابلہ جتوانے کے لیے وہ حرکت کی تھی۔ تم میرا بازو نہیں گرا سکے۔ اسی کے ساتھ تم نے اپنا بہترین دفاع کیا ہے۔ چند منٹ کی اس آزمائش کے بعد میں تمہارے دم خم کا قائل ہو گیا ہوں۔ تم چھوٹا راجن کو جہنم واصل کرنے کی طاقت اور صلاحیت رکھتے ہو۔''

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ڈان کی آواز بہت دور، کسی گہرے کنویں سے آ رہی ہو۔ میرے لیے یہ بات ناقابلِ یقین تھی کہ مقابلہ نہ جیتنے کے باوجود میں ڈان کا دل جیتنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ میرے لیے وہ ایک عظیم کامیابی تھی۔

سیلرز بار میں پہنچنے کے بعد سے جو کچھ ہوتا رہا تھا وہ نہایت عجیب اور سنسنی خیز تھا۔ ڈان نے ایک بالادست کی طرح اپنی مرضی سے سب کچھ طے کیا تھا۔ ایک مرحلے پر مجھے وہ سب نہایت مضحکہ خیز نظر آ رہا تھا۔ چھوٹا راجن اور سوبھراج جیسے خطرناک مجرموں کے خاتمے کے لیے تعاون کا فیصلہ دست بدست لڑائی یا بازو گرانے کے مقابلے کے ذریعے کرنا ایک مذاق معلوم ہو رہا تھا۔ مجھے شک ہو رہا تھا کہ ڈان میرے ساتھ کھیل رہا تھا۔ جب تک میں نے مقابلے کو بھول کر ڈان کے آدمی کو گھٹنے کی ضرب نہیں لگائی میں یہ سوچ رہا تھا کہ وہ ڈان کا سوچا سمجھا منصوبہ تھا۔ اس کی جیت کے لیے اس کے آدمی نے اس کی پیشگی رضامندی سے میرا پیر پکڑ کر مجھے ہروانے کی کوشش کی تھی۔ میرا ہاتھ گرانے کے بعد ڈان مجھے ذلیل کر کے اپنے گھر سے نکال دیتا۔

ڈان نے اپنی برہمی سے میرے ان تمام اندیشوں کو باطل ثابت کر دیا تھا۔ میں نے اس سے زور آزمائی کر کے یہ دیکھ لیا تھا کہ اس کی ڈھلتی ہوئی عمر میں بھی اس کی ہڈیوں میں بہت جان تھی۔ وہ خوددار تھا اور حوصلہ مند شہ زوروں کی قدر کرتا تھا۔

ڈان نے پلٹ کر اپنے آدمیوں سے کچھ کہا اور وہ چاروں خاموشی سے اس طرف چلے گئے جہاں دیوار کے ساتھ ان کے لیے بستر لگے ہوئے تھے۔

ڈان مجھے اپنے ساتھ لے کر ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس کی ذہنیت کو سمجھ لینے کے بعد یہ بات اہم تھی کہ اس بار اس نے اپنے بیٹھنے کے لیے الگ جگہ کا انتخاب کر کے خود کو ممتاز کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ میری طاقت کا اعتراف کر لینے کے بعد وہ عملی طور پر برابری کی سطح پر آ گیا تھا۔

''اب بتاؤ کہ تم چھوٹا راجن سے کیا چاہتے ہو۔'' وہ دھیمی آواز میں بولا۔

''دراصل اس سے میری پرانی دشمنی ہے۔ میں.....!'' میں نے از خود اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کی لیکن اس نے ہاتھ اٹھا کر مجھے خاموش کر دیا۔

''علی! مجھے ان کہانیوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میرے لیے اتنا جان لینا کافی ہے کہ تم کسی وجہ سے اس کے خون کے پیاسے ہو رہے ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ دو برس کے بعد آخر کار ایک ایسا بے جگر نوجوان میرے پاس آیا ہے جو میرے حریف کو بددعائیں دینے کے بجائے اسے واقعی صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتا ہے۔ یہ بتاؤ کہ تم کیا کرنا چاہتے ہو۔ میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں۔''

میں نے اطمینان کا سانس لیا کہ مجھے کسی دروغ گوئی کی

Downloaded from https://paksociety.com

ضرورت نہیں تھی۔ ڈان سے سوبھراج کا کوئی ذکر کرنا خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ اس کی دشمنی صرف راجن سے تھی۔ اس بغض سے فائدہ اٹھانے کے لیے میں نے اپنی ساری گفتگو راجن کی ذات پر مرکوز رکھی تھی۔

''سب سے پہلے میں اسے ہراساں کرنا چاہتا ہوں۔'' میں نے لمحہ بھر کی خاموشی کے بعد جواب دیا ''اسے پتا چل جانا چاہیے کہ اب اسے للکارنے والا میدان میں آ گیا ہے۔''

پہلی بار ڈان کے موٹے موٹے اور سیاہی مائل ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تیر گئی ''مجھے یہ بات پسند آئی۔ بے خبری میں کوئی بھی کسی کو مار سکتا ہے۔ دشمن کو للکار کر خاک چٹوانے کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ اس کام کے لیے تمہیں آدمی درکار ہوں گے۔''

''اکیلا چنا بھاڑ نہیں پھوڑ سکتا۔ مجھے مسلح آدمیوں کے ساتھ کچھ بارودی شعبدوں کی بھی ضرورت ہوگی۔ میں ان کی قیمت ادا کروں گا۔''

''یہ بات بھی صاف ہوجانی چاہیے۔ ڈان کنارہ کش ہوا ہے، ابھی کنگال نہیں ہوا۔ چھوٹا راجن دو برسوں سے میرے سینے کا ناسور بنا ہوا ہے۔ اس کے خاتمے کے لیے سارے وسائل میں اپنے خرچ پر فراہم کروں گا۔ کمان تمہاری ہوگی۔'' اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا ''میرے لیے بس ایک مشکل ہوگی۔ تم غیر ملکی ہو۔ ہماری زبان سے ناواقف ہو۔ مجھے ایسے آدمی تلاش کرنا ہوں گے جو انگریزی بھی سمجھ لیتے ہوں اور تمہارے ساتھ آسانی سے کام کرسکیں۔''

مجھے اچانک اسد کا خیال آ گیا۔ وہ سارے معاملات سے الگ تھلگ کردیے جانے پر ناراض ناراض سا تھا۔ میں نے ڈان سے کہا ''تم زبان کی فکر نہ کرو۔ اسد انگریزی کے ساتھ تھائی بھی بول لیتا ہے اور میرے بھروسے کا آدمی ہے۔ اس کے ذریعے میں اپنا کام چلالوں گا۔''

وہ تجویز سن کر اسد کے چہرے پر رونق آ گئی۔

''راجن اور اس کے آدمیوں کو خون میں نہلا دو!'' ڈان کہہ رہا تھا ''میری خواہش ہے کہ کسی بے گناہ کے خون کی ایک بوند بھی نہ بہے۔ یہ میری پوری زندگی کا ریکارڈ ہے۔ اسے داغ دار نہیں ہونا چاہیے۔ ہاتھیوں کی لڑائی میں مینڈکوں کا پسنا مجھے پسند نہیں ہے۔''

''تم بے فکر رہو۔ میری بھی یہی کوشش ہوگی۔'' میں نے اسے یقین دلایا۔

''یہاں کی پولیس سے بچ کر رہنا۔'' اس نے مجھے نصیحت کی ''یہ سختی سے قانون کے دائرے میں رہ کر کام کرتے ہیں۔ ہمارے آپس کے جھگڑوں میں بلاوجہ اپنی ٹانگ نہیں اڑاتے۔ جس پر ہاتھ ڈال دیں اس کی آسانی سے گلوخلاصی نہیں ہوتی۔''

میں اس وقت ڈان کی ہر بات سننے پر مجبور تھا۔ میں نے خلوص سے کہا ''میں تم سے ہدایات لیتا رہوں گا۔ یہ بتاؤ کہ میں کب سے کام شروع کرسکتا ہوں۔''

''کل آ جاؤ۔ میرے گھر کے دروازے تمہارے لیے کھلے رہیں گے۔'' اس نے نپے تلے لہجے میں جواب دیا ''میں گیارہ بجے تک ناشتے وغیرہ سے فارغ ہوجاتا ہوں اور شام تک گھر میں رہتا ہوں۔ چھ بجے بار کھل جاتا ہے۔ اس وقت سے رات گئے تک میں نیچے رہتا ہوں۔ مجھ سے وہاں ملنے کی کوشش نہ کرنا۔ کوئی ضرورت ہو تو فون پر بات کرسکتے ہو۔''

اس نے اپنی جیب سے ایک کارڈ نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔ ایک طرف تھائی زبان میں کچھ چھپا ہوا تھا۔ دوسری طرف انگریزی میں سیلرز بار کا نام، پتا اور فون نمبرز موجود تھے۔ کارڈ پر ڈان کا نام کہیں نہیں تھا۔

''موبائل فون پر میں ہر وقت دستیاب ہوتا ہوں۔'' کارڈ دینے کے بعد ڈان نے اپنی بات میں اضافہ کیا ''اس پر میرا نام نہیں ہے لیکن سب کچھ میرا ہے۔''

میں نے کارڈ پڑھ کر جیب میں رکھ لیا۔

''بار میں رش اور بزنس کا وقت شروع ہوگیا ہے۔'' ڈان یہ کہتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھ گیا ''میرا وہاں موجود رہنا ضروری ہے۔''

ہم دونوں بھی اٹھ گئے۔ ڈان کی رہنمائی میں ہم زینے سے نیچے نیم تاریک راہداری میں پہنچے تو بار سے آنے والی ملی جلی آوازوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہاں بنکاک کے زندہ دلوں کا خاصا ہجوم جمع ہو چکا تھا۔ ان انسانی آوازوں کے درمیان بار کے ساؤنڈ سسٹم پر ایک مشہور امریکی نغمے کی گونج بہت نمایاں تھی۔

ڈان نے بار کا رخ کرنے کے بجائے عقبی دروازہ کھول دیا۔ ہم دونوں کے باہر نکلتے ہی وہ وزنی چوبی دروازہ پھرتی سے بند کرلیا گیا۔

ہم سیلرز بار کی عمارت سے شکستہ اور ناہموار، پتلی سی سڑک پر نکل آئے تھے جو زیادہ روشن نہیں تھی اور دور تک ویران پڑی ہوئی تھی۔

اسد تیزی کے ساتھ ایک طرف ہولیا۔ مجھے اندازہ تھا کہ ہم ایک لمبا چکر کاٹے بغیر مین روڈ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔

''آج تم نے مجھے دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال کر میرا دماغ ماؤف کردیا تھا۔'' سیلرز بار سے کچھ دور نکل آنے کے بعد اسد نے کہا ''تم نے بعد میں بات نہ سنبھالی ہوتی تو آج میرے اور تمہارے درمیان شدید جھڑپ ہوجاتی۔''

''ڈان اور راجن ہمارے لیے درمیان کے آدمی ہیں۔ ان

Downloaded from https://paksociety.com

کے ذریعے ہمیں سوبھراج تک پہنچنا ہے۔ میں اپنے سارے کارڈ ڈان پر ظاہر نہیں کرسکتا۔'' میں نے فوری طور پر سوچتے ہوئے بات بنائی۔ ''بہتر یہی تھا کہ تمہارا کردار پس منظر میں رہے۔ اب ڈان کے لیے تمہارا کردار صرف ایک مترجم کا ہے۔ وہ تمہیں دوسرے چکروں سے لاتعلق سمجھتا رہے گا۔''

ڈان تمہارے ساتھ مخلص نظر آرہا ہے اور تم اسے بے رحمی سے غیر متعلق بلکہ بیچ کا آدمی قرار دے رہے ہو۔ ڈان کو تمہارے یہ رائے جان کر صدمہ ہوگا۔''

''تو کیا تم اس سے میری مخبری کرو گے؟'' میں نے ہنس کر پوچھا۔

''میں اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔'' وہ اپنے کانوں کو چھو کر بولا ''آج میں ڈان سے پہلی بار ملا ہوں۔ میں نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ بہت ٹیڑھا آدمی ہے مگر تم اس سے زیادہ خطرناک ہو۔ تم نے اس کے تکبر سے کھیل کر بہت خوب صورتی سے اسے رام کیا ہے۔''

''بس یہی ہنر ہے جو تم لوگوں سے کام دلاتا رہتا ہے۔ ورنہ تمہارے محکمے میں محنت اور لگن سے کام کرنے والوں کی کمی نہیں ہے۔''

''کیا پاکستان میں تم نے کبھی ڈینی کے ساتھ کام کیا ہے؟'' اسد نے غیر متوقع طور پر وہ سوال کرکے مجھے بری طرح چونکا دیا۔ پچھلے روز بھی اس نے یہی سوال کیا تھا اور میں نے اسے ٹال دیا تھا۔

''میری طرح وہ بھی فری لانسر ہے۔'' میں نے اس کے سوال پر کسی تشویش کا اظہار کیے بغیر کہا ''دونوں کی لائن ایک ہے۔ ایک میان میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں اس لیے آج تک اس سے میرا سامنا نہیں ہوا۔ مل جائے تو میری لاٹری نکل آئے گی۔''

''یہ کیا کہہ رہے ہو..... تم اسے پکڑوا دو گے؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''دو ملین یعنی بیس لاکھ ڈالر کی رقم بہت بڑی ہوتی ہے۔ آدمی عیش سے بقیہ زندگی گزار سکتا ہے۔'' میں نے اس کی حیرت سے محظوظ ہوتے ہوئے جواب دیا۔

''تم بہت عجیب آدمی ہو۔'' اسد کی آواز تحیر زدہ تھی ''کل تم ڈینی کے گن گا رہے تھے۔ پورے زور وشور سے اس کی وکالت کررہے تھے اور آج اس سے بدظن نظر آرہے ہو۔''

''میں کسی سے بدظن نہیں ہوں۔ مجھے اس کی کارکردگی کا بھی پورا اعتراف ہے لیکن یار! یہ تو دیکھو کہ کسی کو بیٹھے بٹھائے اتنی بڑی رقم مل رہی ہو تو کون دل پر پتھر رکھے.....''

اسد نے میری بات کاٹ دی ''دولت سب کچھ نہیں ہوتی۔ تمہارے نزدیک عزتِ نفس، قومی وقار اور اپنی زمین سے محبت کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ میرے سامنے اس قسم کی باتیں نہ کرو۔ میں نے اپنی زندگی کسی اور ڈھب سے گزاری ہے۔ میں اندر سے بہت مطمئن اور آسودہ ہوں۔ مجھے دولت کی ذرا بھی پروا نہیں ہے۔''

''ویری گڈ!'' میں نے اس کی پیٹھ تھپک کر کہا ''میں تمہاری زبان سے یہی سب سننا چاہ رہا تھا۔ امریکیوں کو یہی خلش ہے کہ ان کی طرف سے اتنے بڑے بڑے انعامات کی پیشکش کے باوجود آج تک ڈینی اور ویرا کے خلاف پاکستان سے کوئی آگے نہیں آیا۔ ہمارے لوگ غریب ضرور ہیں، وطن فروش نہیں ہیں۔ دنیا چاہے کتنا ہی زہر اگلتی رہے، وہ جانتے ہیں کہ کون ان کا ہیرو ہے اور کون دشمن!''

''یار، تم عجیب آدمی ہو۔'' اسد بدمزگی سے بولا ''کچھ پتا نہیں چلتا کہ کب کس موڈ میں بات کررہے ہو۔ ایسا تو نہیں ہے کہ تم میری ٹوہ لینے کی کوشش کررہے ہو۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' میں نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر اسے یقین دلایا ''رفتہ رفتہ سب کچھ تمہاری سمجھ میں آتا چلا جائے گا۔ میرے بارے میں تمہارے ذہن میں کوئی غلط خیال سر ابھارے تو فوری طور پر جلال سے بات کرلینا۔ روئے زمین پر شاید میں ڈینی کا سب سے بڑا پرستار ہوں۔ اس کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سوچ سکتا۔''

ہم مین روڈ پر نکل آئے تھے۔ اسد نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

اس وقت تک ہم نے راجن کے خلاف کوئی منصوبہ بندی نہیں کی تھی۔ خوش قسمتی سے ڈان برنارڈ پہلی ہی ملاقات میں میرے دام میں آگیا تھا۔ اس نے ہمیں اگلے دن کا وقت دے دیا تھا۔ اس سے دوسری ملاقات سے پہلے ہمارا کچھ نہ کچھ ہوم ورک ہونا ضروری تھا۔ اسد بھی اس معاملے میں میرا ہم نوا تھا۔ اس نے مجھے اپنے گھر لے جانے کی پیشکش کی جسے میں نے نرمی سے ٹال دیا اور اسے آمادہ کیا کہ وہ کچھ دیر کے لیے ہوٹل میں میرے پاس رک جائے تاکہ میں غزالہ کی موجودگی میں کوئی لائحہ عمل طے کرسکوں۔

میرا خیال تھا کہ اسد ان معاملات میں غزالہ کی شمولیت پر اعتراض کرے گا لیکن اس نے خاموشی سے میری تجویز مان لی۔ میں خود اپنی بیوی کو آگے لانا چاہ رہا تھا تو اسے کیا عذر ہوسکتا تھا۔

مضافات کے راستے عبور کرکے ہماری ٹیکسی بنکاک کی شہری حدود میں داخل ہوئی تو ہر طرف رنگ و بو کا ایک سیلاب آیا

Downloaded from https://paksociety.com

ہوا تھا۔ شبینہ تفریحات کے مراکز پر لوگوں کی زیادہ بھیڑ تھی۔ چند معروف سڑکوں پر تجارتی ساز و سامان سے لدی پھندی فٹ پاتھوں کے قرب و جوار میں پیدل چلنے والوں کی اتنی کثرت تھی کہ شہر کے سارے سیاح سڑکوں پر نکلے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

ٹریفک سے بچنے کے لیے ہمارے ٹیکسی ڈرائیور نے چند اندرونی راستے اور گلیاں استعمال کیں اور ہم کچھ دیر بعد ہوٹل پہنچ گئے۔

اسد کو کچھ دیر کے لیے ہوٹل کی لابی میں روکنا نامناسب ہوتا۔ میں اسے ساتھ لے کر اچانک اپنے کمرے میں پہنچ جاتا تو غزالہ کے لیے پریشانی پیدا ہو سکتی تھی۔ میں نے لابی کے ایک گوشے سے انٹرکام پر اسے بتا دیا کہ میں چند منٹ میں اسد کے ساتھ اوپر آ رہا تھا۔

اسد ہوشیار آدمی تھا۔ میری الجھن کو سمجھ رہا تھا۔ میں سگریٹ خریدنے کے لیے ہوٹل کی ایک اندرونی دکان میں داخل ہوا تو اس نے دیکھ بھال کے بہانے چند منٹ وہیں گزار دیے۔ غزالہ کے لیے وہ مہلت کافی تھی۔ ذرا سی دیر میں ہم اپنے کمرے میں موجود تھے۔

مغربی معاشرت کے اعتبار سے ہمارے کمرے میں اسد کی موجودگی معیوب تھی کیونکہ وہ اکلوتا کمرا ہماری خواب گاہ بھی تھا مگر وہاں بیٹھنا ہماری مجبوری تھی۔ راجن کے بارے میں کسی کھلے مقام پر بات نہیں کی جا سکتی تھی۔ اجنبی سرزمین پر اپنی مادری زبان میں بات کرنے کا فائدہ حاصل ہونے کے باوجود راجن کے نام پر کسی کے کان کھڑے ہو سکتے تھے۔

ہمیں سیکرز بار میں اپنے لیوں کو تر کیے خاصی دیر ہو چکی تھی۔ ڈان نے ہمارے ساتھ اپنی گرم جوشی کے تمام تر مظاہرے کے باوجود مہمان داری کے نام پر پانی کے ایک گلاس تک کی پیشکش نہیں کی تھی۔ میرے ایما پر غزالہ نے انٹرکام پر روم سروس کو چائے اور کلب سینڈوچز کا آرڈر دے دیا۔

غزالہ کے لیے اسد کی موجودگی میں بے تکلفی کا اظہار ممکن نہیں تھا۔ کوئی بات شروع کرنے سے پہلے میں نے اسے یہ خوش خبری سنا دی کہ ہم ڈان برنارڈ کا اعتماد جیتنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

"اب اگلے قدم کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" میں نے اسد سے پوچھا۔

"تم ڈان سے کہہ کر آئے ہو کہ فوری طور پر راجن کو ہراساں کرنا چاہو گے۔ مجھے اندازہ نہیں ہے کہ یہ ارادہ ظاہر کرتے ہوئے تمہارے دماغ میں کیا تھا۔" وہ بولا۔

"میں نے وہ بات روانی میں کہہ دی تھی۔ مسئلہ یہ ہے کہ راجن اس وقت تھائی لینڈ میں نہیں ہے۔ وہ آ جائے تو اس تک رسائی دشوار ہو گی....."

"وہ ہو یا نہ ہو، یہاں اس کے مفادات ہیں۔" غزالہ نے میری بات درمیان سے اچک کر کہا۔ "آپ نے بتایا تھا کہ یہاں اس کے کئی کیسینو اور نائٹ کلب چلتے ہیں۔"

اسد ہمہ تن غزالہ کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ اس کے خاموش ہونے پر بولا۔ "یہ بات میں نے ہی علی کو بتائی تھی۔"

"انہیں نقصان پہنچا کر راجن کو پیغام دیا جا سکتا ہے۔" غزالہ نے برجستہ کہا۔

"تمہارا مشورہ بہت مناسب ہے۔ یہ کام نسبتاً آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔" اسد نے اعتراف کیا۔ "تمہارے بارے میں میرا یہ اندازہ غلط ثابت ہو رہا ہے کہ عورت ہونے کی وجہ سے تم ایسے معاملات میں کوئی بہتر مشورہ نہیں دے سکو گی۔"

"ان ٹھکانوں کی فہرست تم کو مہیا کرنا ہو گی۔" میں نے اس کے تبصرے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"میں یہاں سے جاتے ہی فہرست تیار کر لوں گا۔ کم از کم تین کیسینو اور دو نائٹ کلب میری نظروں میں ہیں جو بلاشرکت غیرے راجن کی ملکیت ہیں۔"

"یہ کام کی ابتدا ہو گی۔ آگے کے بارے میں تم کیا سوچ رہے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"ایک مرتبہ آغاز ہو جائے پھر راہیں نکلتی چلی آئیں گی۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا سوبھراج کے یہاں آنے سے پہلے ایسی کارروائیاں راجن کو ہوشیار نہیں کر دیں گی؟" غزالہ نے ایک معقول نکتہ اٹھایا۔

"وہ ضرور چوکنا ہو جائے گا۔ ڈان کی تسلی کے لیے ہمیں ایسے اقدام اٹھانا ہوں گے۔" میں نے وضاحت کی۔ "اسے راجن سے پرخاش ہے۔ وہ ہر قیمت پر اسے نیچے دکھانا چاہتا ہے۔ اس کے لیے سوبھراج ایک نیا نام ہو گا۔ وہ ہمارا مسئلہ ہے۔"

"اب بات سمجھ میں آئی۔" غزالہ پُرخیال انداز میں اپنے ہونٹ سکیڑ کر بولی۔ "آپ نے راجن اور ڈان کی دشمنی سے فائدہ اٹھا کر ڈان کو رام کیا ہے۔"

"اصل بات یہی ہے۔" اسد نے کہا۔ "ہمیں سوبھراج کا نام لیے بغیر اس کا کھوج لگانا ہو گا۔ بظاہر ہم راجن کے خلاف کام کر رہے ہوں گے۔"

اسی وقت روم سروس کی ایک مقامی ویٹرس چائے اور سینڈوچز کی ٹرالی لے کر آ گئی اور کچھ دیر کے لیے گفتگو کا سلسلہ موقوف ہو گیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

اس وقت صورتِ حال واضح نہیں تھی۔ چھوٹا راجن نامعلوم وجوہ کی بنا پر بنکاک سے باہر گیا ہوا تھا۔ سوبھراج یقینی طور پر کراچی سے فرار ہو کر ایران پہنچ چکا تھا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ کب تک بنکاک کا رخ کرے گا۔ وہ آخری لمحات پر اپنا ارادہ تبدیل کر کے خاموشی سے کسی اور سمت میں نکل جاتا تو ہماری پوری مہم بدترین ناکامی سے دوچار ہو سکتی تھی۔

یہ ہماری تقدیر کی خوبی تھی کہ ہمیں ڈان کی حمایت میسر آ گئی تھی۔ اسے ہاتھ میں رکھنے کے لیے ہمارا راجن کے مفادات کے خلاف میدان میں اترنا لازم ہو گیا تھا۔ ڈان کا مان رکھنے کے لیے راجن کے ملکیتی کاروبار کو نقصان پہنچانا ضروری تھا۔ وہ کام ہم دونوں میں سے کسی کو نہیں کرنا تھا۔ اس کے لیے ڈان کے آدمیوں کو دھندے سے لگایا جا سکتا تھا۔

چائے نوشی کے درمیان ہم تینوں ان معاملات کے مختلف پہلوؤں پر باتیں کرتے رہے۔ اس دوران میں میرے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے اسکرین پر نمودار ہونے والا نمبر دیکھا۔ وہ جلال کی کال تھی۔ میں لمحہ بھر کے لیے الجھن میں پڑ گیا۔ اسد کی موجودگی میں؟ میں جلال سے کھل کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ کال منقطع کرنا مناسب نہیں تھا؛ پتا نہیں اس نے اپنی مصروفیات میں سے وقت نکال کر کس ضرورت کے تحت فون کیا تھا۔

گھنٹی کی آواز پر اسد نے کسی تجسس کا مظاہرہ نہیں کیا۔ وہ غزالہ کو کوئی بات سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور کال وصول کر لی۔

''بنکاک میں تمہارا وقت کیسا گزر رہا ہے شہزادے!'' میرے کان میں جلال کی بے تکلفانہ آواز آئی۔ وہ اس وقت اچھے موڈ میں تھا۔

''میں خیریت سے ہوں سر!'' میں نے محتاط ہو کر جواب دیا۔

جلال کے لیے میرا وہ تخاطب اجنبی تھا۔ وہ فوراً بات کی تہ تک پہنچ گیا ''مجھے اتنی عزت دے رہے ہو۔ کون آیا ہوا ہے تمہارے پاس؟''

''اسد بیٹھا ہوا ہے۔ ہم ابھی ڈان برنارڈ سے مل کر آئے ہیں۔'' میری زبان سے اپنا نام سن کر اسد چونکا اور گفتگو روک کر میری طرف متوجہ ہو گیا۔

''یہ ڈان برنارڈ کیا بلا ہے؟'' جلال نے حیرت سے پوچھا۔

''اس پر اسد زیادہ بہتر روشنی ڈال سکے گا۔'' میں نے مودب رہتے ہوئے کہا۔

''میں ابھی اس سے بھی بات کروں گا۔ میں نے تمہیں دو باتیں بتانے کے لیے فون کیا ہے۔ بھارتی سفارت خانے کے افسر نے وجے کی لاش اور دوسرے بھارتی شہریوں کو شناخت کر لیا ہے۔ وہ مدافعانہ پوزیشن اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ دوسری خبر یہ ہے کہ ڈینی ہونے کے شبہے میں ہمارے ایما پر ایک ایجنسی نے دو آدمی پکڑ لیے ہیں۔ ان سے باز پرس کی جا رہی ہے۔''

''دونوں خبریں اچھی ہیں۔ ڈینی کا قصہ کہیں نہ کہیں ختم ہونا چاہیے۔ اسد کو اس سے بہت زیادہ ہمدردی ہو گئی ہے۔''

اس بار اسد اپنی جگہ پر بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گیا۔ اسے یہ پتا نہیں چل سکا تھا کہ میں جلال سے بات کر رہا تھا لیکن میرے لب و لہجے سے اس نے اتنا ضرور سمجھ لیا تھا کہ میں رتبے میں اپنے سے بڑے آدمی سے گفتگو میں مصروف تھا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اس بے چارے کے ساتھ کوئی شرارت کی ہے۔ اسے پریشان مت کرو۔ وہ بہت محنتی اور محبِ وطن آدمی ہے۔''

''میں نے اس سے ذرا سا مذاق کیا تھا جس پر وہ پریشان ہے۔ آپ اسے بتا دیں کہ میں بھی ڈینی کا خیر خواہ ہوں۔''

''میں اس کی الجھن دور کر دوں گا اور ہاں، یہ بھی سن لو کہ وہ دونوں نیویارک پہنچ گئے ہیں۔ اول خان نے آخری لمحات میں اپنا موبائل فون ریٹا کو دے دیا تھا۔ اس نمبر پر بھی رومنگ کھل چکی ہے۔ چاہو تو اس سے بات کر سکتے ہو۔''

''اطلاع دینے کا شکریہ۔ اب میں فون اسد کو دے رہا ہوں۔''

''ایک منٹ ٹھہرو۔ ڈان برنارڈ کے ذکر سے مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم نے وہاں پہنچتے ہی دوڑنے کی کوششیں شروع کر دی ہیں۔ اس وقت راجن اور سوبھراج سے زیادہ اہم تمہاری سلامتی ہے۔ کام ضرور کرو مگر یہ نہ بھولو کہ تم کو یہاں موجود خطرات کی وجہ سے باہر جانا پڑا ہے۔''

''سب یاد ہے سر! آپ میری فکر نہ کریں اور اسد سے بات کریں۔''

میں نے اپنا موبائل فون اسد کی طرف بڑھا دیا۔ فون ہاتھ میں آتے ہی اس نے اضطراری طور پر اپنی جگہ چھوڑ دی پھر اس کی زبان سے مشینی انداز میں سر، سر کی آوازیں برآمد ہونے لگیں۔ بات کرتے ہوئے بلکہ سنتے ہوئے اس نے کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا تھا۔

شاید جلال اسے کچھ سمجھا رہا تھا۔ کچھ دیر وہ سلسلہ جاری رہا پھر اس نے اپنے باس کو ڈان کے بارے میں اختصار سے بتانا شروع کر دیا۔

وہ افسری اور ماتحتی کا معاملہ تھا۔ میرا تجربہ تھا کہ جلال اپنے آدمیوں پر مہربان ہونے کے ساتھ ڈسپلن کے معاملے میں بہت

Downloaded from https://paksociety.com

سخت تھا۔ وہ گفتگو زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکی۔ اسد نے فون بند کر کے میرے حوالے کیا اور تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا۔

''اچھا ہوا کہ بات اسی وقت صاف ہوگئی۔'' چند ثانیوں بعد اس نے رومال سے اپنی پیشانی صاف کرتے ہوئے کہا ''ڈینی پر مقرر کئے ہوئے انعام کے بارے میں تمہاری حریصانہ باتوں نے ابھی تک مجھے پریشان کیا ہوا تھا۔ تمہارے صفائی پیش کرنے کے باوجود میرا ذہن صاف نہیں ہو سکا تھا۔ اس بارے میں تمہیں مذاق نہیں کرنا چاہیے تھا۔''

''آئندہ خیال رکھوں گا۔'' میں نے مسکرا کر وہ بات وہیں ختم کر دی۔

اسد اگلے روز گیارہ بجے آنے کا وعدہ کر کے رخصت ہو گیا۔

☆☆☆

گیارہ بجے اسد نے فون پر اطلاع دی کہ سوبھراج اس رات کی ایئر ایران کی پرواز سے خاموشی سے بنکاک پہنچ گیا تھا۔

اس کے بارے میں ہمارا یہ اندازہ سو فیصد درست ثابت ہوا تھا کہ پاکستان سے فرار کی راہ اختیار کرنے کے بعد وہ غیر ضروری طور پر ایران میں رک کر اپنا وقت برباد نہیں کرے گا۔ پہلی فرصت میں بنکاک کا رخ کرے گا جہاں اس کے لیے چھوٹا راجن جیسا میزبان موجود تھا۔

مجھے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا۔ اس کی آمد کی اطلاع سے مجھے دہری خوشی ہوئی تھی۔ اس نے پناہ لینے کے لیے کسی اور ملک کا انتخاب نہیں کیا تھا اور بہت جلد بنکاک آ گیا تھا۔

جو لوگ اپنے اصولوں کی پاس داری کرتے ہوئے ایمان داری سے دولت کماتے ہیں وہ کروڑ پتی ہو جانے کے باوجود بے جا اصراف اور نمود و نمائش کی طرف راغب نہیں ہوتے۔ ناجائز ذرائع استعمال کر کے آسانی سے دولت بٹورنے والوں کا حال ان سے بہت مختلف ہوتا ہے۔ وہ قدم قدم پر اپنی ثروت اور حیثیت کا مظاہرہ کرنے کے بہانے تلاش کرتے ہیں۔

چھوٹا راجن کا تعلق اس دوسرے قبیلے سے تھا۔ وہ خود بنکاک میں نہیں تھا لیکن اس کے آدمیوں کو سوبھراج کی آمد کا علم تھا۔ اس کے تین مسلح محافظ ایک پرشکوہ بلٹ پروف گاڑی میں ائرپورٹ پہنچے تھے اور سوبھراج کو اپنی حفاظت میں براہِ راست راجن کے گھر لے گئے تھے۔

سوبھراج اپنے ساتھ صرف ایک سوٹ کیس لے کر بنکاک پہنچا تھا۔ اسد کی فراہم کی ہوئی اطلاع کے مطابق سوبھراج جب بھی بنکاک آتا تھا شہر کے کسی اچھے ہوٹل میں قیام کرتا تھا۔ یہ پہلی بار ہوا تھا کہ اسے ائرپورٹ سے راجن کے گھر پہنچا دیا گیا تھا۔

سوبھراج کے لیے حالات نے بہت تیزی سے پلٹا کھایا تھا۔ پہلے وہ پاکستان کے ایک معزز سیاست دان کی حیثیت سے بنکاک آتا تھا' اس بار وہ پاکستانی قانون کو مطلوب ایک مفرور مجرم تھا جو اپنے ملک کی سرحد کو غیر قانونی طور پر عبور کر کے پڑوسی ملک سے بنکاک پہنچا تھا۔

ایک امکان یہ بھی تھا کہ ہوائی اڈے سے راجن کے گھر منتقل ہو کر اس نے اپنی آمد کو خفیہ رکھنے کی کوشش کی ہو تا کہ اس کی نئی کمین گاہ کا علم نہ ہو سکے۔

اسباب و امکانات کچھ بھی رہے ہوں' یہ خبر بہت بڑی تھی کہ میرا بدترین حریف آخر کار میرے قریب آ چکا تھا۔

اسد ہمارے ہوٹل سے رخصت ہو کر سیدھا ہوائی اڈے کی طرف گیا تھا۔ وہاں پتا چلا کہ تہران سے آنے والی پرواز تاخیر سے بنکاک پہنچے گی۔ اس کا کافی وقت انتظار کی کوفت میں برباد ہوا تھا۔ میں نے اس سے طویل گفتگو نہیں کی۔ کام کی چند باتیں معلوم کرنے کے بعد فون بند کر دیا۔

''سوبھراج آ گیا ہے اور راجن یہاں سے غائب ہے کیا یہ موقع اسے گھیرنے کے لیے مناسب نہیں ہے؟'' غزالہ نے تجسس لہجے میں پوچھا۔

''تم نے سنا نہیں کہ وہ راجن کے گھر میں ٹھہرا ہے۔ وہ گھر کسی ہتھیار بند مورچے سے کم نہیں ہے۔ کسی کا وہاں گھسنا ممکن نہیں ہے۔''

''اسے خاصی ڈھیل مل چکی ہے۔ اب آپ اسے فون کر کے تو پریشان کر ہی سکتے ہیں۔''

میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے مجھ سے نظریں چرا کر اپنا سر میرے سینے پر رکھ دیا۔

''جب ریورروڈ والے تصادم کے بعد اسے فون کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔'' میں نے کہا۔

''آپ آنکھ مچولی کی بات سوچ رہے ہیں میں اسے دھمکانے کا مشورہ دے رہی ہوں۔ اب ہر بات کھل کر سامنے آ چکی ہے۔ آپ اس سے دوٹوک بات کر سکتے ہیں۔''

''وہ بھڑک سکتا ہے۔ بنکاک پہنچتے ہی اسے میرا فون موصول ہوا تو اس کے کان کھڑے ہو جائیں گے۔''

''آپ کو کیا پتا کہ وہ کہاں ہے' سیٹ لائٹ فون پر اس سے دنیا کے ہر حصے میں رابطہ ہو سکتا ہے وہ یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ وہ اس وقت کراچی میں ہے۔''

''اسے فون کر کے ہمیں کیا حاصل ہوگا؟'' میں نے چڑ کر پوچھا۔

''ذہنی سکون اور آسودگی۔'' اس نے جواب دیا ''لڑائی کا

Downloaded From https://paksociety.com

بنیادی اصول یہ ہے کہ اپنے دشمن کو کبھی چین سے نہ بیٹھنے دو۔ مارنہ سکو تو اسے بھگاتے رہو۔ آپ کا ایک فون اس کی راتوں کی نیند حرام کردے گا۔''

''تمہارے مزاج میں کسی کو اذیت پہنچانے کا عنصر نہیں ہے لیکن بنکاک آنے کے بعد تم رفتہ رفتہ تبدیل ہو رہی ہو۔ یہ بتاؤ کہ میں اس سے کیا کہوں۔''

وہ ہنس پڑی ''باتیں بنانا آپ کا فن ہے۔ مجھ سے کیا پوچھ رہے ہیں۔''

میں نے سائیڈ ٹیبل سے اپنا موبائل فون اٹھایا تھا کہ اس کی گھنٹی بجنے لگی۔

میں نے اسکرین پر نظر ڈالی اور وہاں اول خان کا فون نمبر دیکھ کر غزالہ سے کہا ''لو! امریکا سے تمہاری چہیتی کا فون آگیا!''

دوسری طرف واقعی ویرا تھی اور چہک رہی تھی ''میں نے جان بوجھ کر اس وقت فون کیا ہے تم دونوں کسی ہوٹل کے کمرے میں اپنے بستر میں لیٹے ہوئے ہوگے۔''

''اس وقت اور کیا کیا جاسکتا ہے!'' میں نے کہا۔

''قدرت کا کیا نظام ہے تم وہاں گہری رات کے مزے لے رہے ہو۔ میں ناشتا کر کے بیٹھی ہوں اور باہر چمکیلی دھوپ پھیلی ہوئی ہے۔''

''سورج کی تیز روشنی سے تمہاری آنکھیں چندھیا رہی ہوں گی!''

''چمگادڑوں سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ راتوں کو جاگنا اور دشمن کی تلاش میں مارے مارے پھرنا تمہارا شوق ہے یہ تم ہی کو مبارک ہو۔''

''کھسیانی بلی کھمبا نوچ رہی ہے۔ دشمن کے پیچھے جانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔''

''ان خرافات کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ تم کیا کر رہے ہو۔ سوبھراج کہاں ہے راجن کا کیا بن رہا ہے۔'' وہ اچانک اپنے مدعا پر آگئی۔

جب تک وہ میرے ساتھ تھی میں ہر بات میں اس کا مشورہ ضرور لیتا تھا۔ اس مشاورت میں اکثر کوئی نئی راہ سوجھ جایا کرتی تھی۔ اس وقت وہ مجھ سے ہزاروں میل دور مختلف ماحول میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے ساری تفصیلات بتانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میں اسے کوئی ایک بات بتاتا اور وہ بال کی کھال نکالنا شروع کردیتی۔ گفتگو کا سلسلہ طویل سے طویل تر ہوتا چلا جاتا۔

میرے اور اس کے موبائل فون ہماری اپنی ملکیت نہیں تھے۔ وہ دونوں اول خان بلکہ ایس ٹی ایف کی ملکیت تھے' ہمیں اس میں کارڈ ڈالنا تھا نہ کوئی بل ادا کرنا تھا۔ انٹرنیشنل رومنگ پر طویل فاصلے کی گفتگو کے جاری اخراجات اول خان کے سر جانے تھے۔ بہتر یہ تھا کہ فون کے استعمال میں احتیاط برتی جاتی۔

میں نے بے پروائی سے کہا ''ابھی ہر طرف سناٹا ہے۔ ہمارے لیے رادی چین ہی چین لکھتا ہے۔ دن میں شہر گھومتے ہیں۔ رات کو پاؤں پسار کر سوتے ہیں۔''

''یہ چند دنوں کی بات ہے۔ جلال کے دیے ہوئے ٹریولرز چیک جلد حلال کرنا پڑیں گے۔''

''یہ سچ تم پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ تمہارا جوڑی دار کہاں ہے؟''

''وہ میرے لیے ناقابل فہم آدمی ہے۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولی ''جہاز میں سوار ہونے کے بعد یوں کھویا کھویا نظر آرہا تھا جیسے اپنی ماں سے بچھڑا ہوا بچہ..... پتا نہیں اس کی عقل کب بالغ ہوگی۔''

''فکر نہ کرو۔ امریکا میں کچھ دن تمہارے ساتھ رہے گا تو بلوغت کے سارے رموز سمجھ جائے گا۔''

''شاید وہ اس قابل ہی نہیں ہے۔ لندن سے پرواز کے بعد ذرا سی دیر کے لیے میری آنکھ لگ گئی اور میری گردن ڈھلک کر اس کے شانے پر ٹک گئی۔ وہ بدک گیا بے دردی سے میری گردن ہٹا کر جہاز کے پچھلے حصے میں چل دیا۔ میں آدھے گھنٹے بعد اسے منا کر سیٹ پر واپس لاسکی۔''

''شاید وہ تمہارے پاس نہیں ہے ورنہ تم یہ ہرزہ سرائی نہیں کرسکتی تھیں۔''

''اب میں نے اسے گھن چکر بنایا ہوا ہے۔'' اس نے ایک جان دار قہقہہ لگا کر بتایا ''میرے اٹلے ٹخنے میں موچ آگئی ہے۔ وہ اس کے لیے اینٹی فلوجسٹین اور بینڈیج خریدنے کے لیے نکلا ہوا ہے۔ پتا نہیں کتنی دیر میں واپس آئے گا۔''

''تمہارے ٹخنے میں موچ کیسے آگئی؟'' میں نے اشتباہ آمیز لہجے میں پوچھا۔

''میرے پیر میں موچ نہیں آسکتی۔ وہ تین گھنٹوں سے میرے پیر کو اپنی گود میں لے کر برل کریم سے مالش کر رہا تھا اور مجھے مزہ آرہا تھا۔ اس کی حالت پر ترس کھا کر میں نے اپنی تکلیف بڑھا دی اور اسے بازار بھیج دیا۔ اسی طرح اس کی عقل ٹھکانے پر آئے گی۔''

''تم اس کے ساتھ ظلم کر رہی ہو۔ یہ بدسلوکی رنگ لائے گی۔'' میں نے غصے سے کہا۔

''ظلم نہیں یہ پُرامن بقائے باہمی کے نادر حربے ہیں۔ میرے پیر میں موچ آنے سے پہلے وہ مجھ سے سیدھے منہ بات نہیں کر رہا تھا۔ اب میرے لیے پریشان ہے۔'' لمحہ بھر کے توقف کے بعد اس نے اپنی بات جاری رکھی ''ابھی تم اپنے بدن میں درد

Downloaded from https://paksociety.com

ہونے کی شکایت کرو۔ غزالہ اپنی نیند کو بھول کر ایسی چاہت سے تمہارا بدن دبائے گی کہ تمہاری طبیعت نکھر جائے گی۔ ایسے بے ضرر حیلوں اور بہانوں سے آپس کی محبت بڑھتی ہے۔''

''تم یہ کھیل کھیلنے کے لیے وہاں گئی ہو؟'' میں نے ترشی سے پوچھا۔

''جب تک کام کا آغاز کرنے کے لیے کوئی سرا نہیں ملتا اسی طرح خوش رہ کر وقت گزارنا ہوگا۔ یہ ناممکن ہے کہ بل کلنٹن یہاں آکر مجھے پاکستان کے خلاف اپنے سرکاری منصوبوں سے آگاہ کردے۔'' وہ رکے بغیر بولتی چلی گئی۔

وہ نیویارک میں صبح کا وقت تھا۔ ویرا کا ذہن تروتازہ تھا۔ میں نے بات ختم کرنے کے لیے نرمی سے کہا ''جھوٹ سچ بول کر سلطان شاہ کو تنگ نہ کرو۔ وہ دوسرے ڈھب کا آدمی ہے' میری دعا ہے کہ تم دونوں کے درمیان کوئی تلخی جنم نہ لے۔''

''غزالہ جاگ رہی ہو تو اس سے بھی بات کرادو۔'' ویرا نے میرا ارادہ بھانپ کر کہا۔

''وہ سو چکی ہے۔'' میں نے غزالہ کو آنکھ مار کر جواب دیا۔

''اوکے میں رات کو اس سے بات کرلوں گی۔''

''موبائل فون کو اتنی بیدردی سے استعمال نہ کرو۔ یہ اول خان کی مہربانی ہے کہ اس نے چلتے چلتے اپنا سیٹ تمہارے حوالے کردیا۔ اسے اہم ضرورت کے لیے مخصوص رکھو۔ چند روز تک ہم لوگوں سے بات نہیں کروگی تو قیامت نہیں آجائے گی۔''

''میں خیال رکھوں گی۔'' اس نے شرافت سے میری بات مان کر مجھے حیران کردیا اور اسی کے ساتھ لائن بے جان ہوگئی۔

''کیا آپ سوبھراج سے بات نہیں کریں گے؟'' میں نے جوں ہی فون سائیڈ ٹیبل پر رکھا غزالہ نے ایک سوال داغ دیا۔

''صبح دیکھا جائے گا۔ اب بہت دیر ہوگئی ہے۔'' میں نے کسل مندی سے جواب دیا۔

''وہ آپ کا دوست نہیں' دشمن ہے' آپ وقت کی پروا کیوں کررہے ہیں..... رات کے اندھیرے میں لفظوں کی کاٹ بڑھ جاتی ہے' اس وقت وہ زیادہ بے چین ہوگا۔''

غزالہ کی بات درست تھی۔ مجھے اس ناہنجار کا سیٹ لائٹ فون نمبر زبانی یاد تھا۔ میں نے تیزی سے سوبھراج کا نمبر ملایا۔

میں نے بولنے میں پہل نہیں کی۔ تیسری گھنٹی کی ادھوری آواز ختم ہونے کے بعد دوسری طرف سے آنے والی آواز کا منتظر رہا پھر میرے کان میں سوبھراج کی مانوس ہیلو گونجی۔

''مجھے دکھ ہے کہ تم ابھی تک زندہ ہو!'' میں نے سرد اور زہریلی آواز میں کہا۔

''اور یہی رنج مجھے بھی ہے۔'' لمحہ بھر کے بعد سوبھراج کی آواز آئی۔

''تم پرلے درجے کے مکار اور دغاباز ہو' مجھے سرحد پار کرانے کا فریب دے کر تم نے قاتلوں کے نرغے میں لینے کا پروگرام بنایا تھا جو الٹا ہوگیا..... کاش تم بھی لنگڑاتے ہوئے وہاں آگئے ہوتے تو وہاں سے تمہارا تابوت واپس جاتا۔''

''ڈینی! تم سے بڑا دھوکے باز میں نے کہیں نہیں دیکھا۔ تمہاری نیت صاف تھی تو وہاں لشکر لے کر کیوں آئے تھے..... مجھے شروع سے تمہاری نیت پر شک تھا' آخر کار وہ درست ثابت ہوا تم تنہا وہاں آئے ہوتے تو میرے آدمی واقعی تمہیں سرحد پار لے جاتے!''

''دوستوں پر خود کار رائفلیں نہیں تانی جاتیں' خود کو رام کہنے والے نے مجھے اپنے نشانے پر لیا ہوا تھا۔ میں نے تیاری نہ کی ہوتی تو وہ میری زندگی کی آخری رات ثابت ہوسکتی تھی۔ تمہارا وجے اپنی حسرتوں سمیت جہنم میں پہنچا دیا گیا' میں زندہ ہوں۔''

''سازشیں کرنے والوں کی زندگی زیادہ طویل نہیں ہوتی' اس کی بھاری اور زہریلی آواز آئی ''تم ایجنسیوں کے سہارے زندہ ہو۔ ان سے مل کر تم نے اس سلسلے میں بلاوجہ میرا نام اچھالا ہے مجھ پر بہتان لگائے ہیں تم کو اس کی قیمت ادا کرنا ہوگی۔''

''میں تیار ہوں' آؤ اور قیمت لے جاؤ!'' میں نے استہزائی لہجے میں جواب دیا۔

''میں آؤں گا اور اس بار تمہیں ٹھنڈا کر کے لوٹوں گا۔''

''زیادہ ٹھنڈا نہ کرنا۔ مجھے سردی محسوس ہوگی۔'' میں نے حقارت سے جواب دیا ''تم جیسا بھگوڑا اب کچھ نہیں کرسکتا۔ جو اپنی جان بچانے کے لیے در بدر مارا مارا پھر رہا ہو وہ کسی کا بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔ مجھے یقین ہے کہ تم دہشت زدہ ہو کر کراچی سے بھاگ چکے ہو۔''

''کراچی میں تم میری دھول بھی نہیں پاسکو گے۔ میں تمہارے قانون کی گرفت سے بہت دور آچکا ہوں' یہ دہشت نہیں میری مصلحت کا کمال ہے میرا راستہ روکنے کی کوئی کوشش بارآور ثابت نہیں ہوسکی۔ میں وہاں سے نکل آیا۔''

''وجے مارا گیا۔ اس کے دو بھارتی ساتھی زندہ پکڑے گئے ہیں۔''

''مجھے یہ سب بتانے کی ضرورت نہیں۔'' اس نے تلخی سے میری بات کاٹ دی ''ایجنسیوں کے دلال اخبار..... یہ سب چھاپ چکے ہیں۔''

''یہ نہیں چھپا کہ ایک بھارتی افسر نے ان تینوں کو اپنا شہری مان لیا ہے۔''

Downloaded from https://paksociety.com

''اس سے میرے لیے کیا فرق پڑے گا؟'' وہ سوال استہزائی تھا۔

''تمہارے خلاف دو نئے زندہ گواہ موجود ہیں۔''

''وہ کاٹھ کے اُلو ہیں ایک لفظ بھی نہیں بتا سکیں گے۔ جو جانتا تھا وہ اب زندہ نہیں ہے۔'' اس نے فاتحانہ لہجے میں مجھے آگاہ کیا ''میری یہ بات لکھ لو کہ اب تم بہت جلد مارے جاؤ گے۔''

''مجھے بتا دو کہ تم کہاں ہو۔ میں اپنی گردن سمیت تمہارے پاس آجاؤں گا۔''

''اب یہ کھیل ختم ہوگیا۔ روز اول سے مجھے تمہاری نیت پر بھروسا تھا نہ تم مجھ پر اعتماد کرنے کے لیے تیار تھے۔ دونوں خود کو ہوشیار سمجھ کر ایک دوسرے پر چالیں چل رہے تھے' شطرنج کھیل رہے تھے۔ اب یہ بساط الٹ چکی ہے۔ ہمت ہے تو مجھے ڈھونڈ لو ورنہ میں تم تک پہنچ کر تمہارا کام تمام کردوں گا۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میری تقدیر جاگنے میں شروع سے تمہارا دخل رہا ہے۔ یہ میری بھاری غلطی تھی کہ شروع میں' میں نے تمہیں اپنا ہمدرد سمجھ لیا' غنیمت ہے کہ میرا وہ گمان زیادہ دیر باقی نہیں رہا۔ میں تمہیں دیکھ چکا ہوں۔ ہزاروں کی بھیڑ میں دوبارہ دیکھا تو ایک نظر میں پہچان لوں گا تم میرے ہاتھوں سے نہیں بچ سکو گے۔''

''کون بچتا ہے اور کون اپنے انجام کو پہنچتا ہے' یہ آنے والا وقت بتائے گا'' میں نے سرد لہجے میں وہ بات کہہ کر فون بند کردیا۔

بنکاک پہنچنے کے بعد مجھے کسی بھی لمحے تنہائی کا احساس نہیں ہوا تھا۔ وہ احساس بے کاری سے جنم لیتا ہے اور میں وہاں آنے کے بعد ایک دن بھی بیکار نہیں رہا تھا۔ اسد سے ملاقات ہونے کے بعد ڈان برنارڈ تک رسائی کی راہ نکلی تھی اور پھر سوبھراج کے وہاں پہنچنے کی خبر نے حالات میں مزید گرمی آنے کا امکان پیدا کردیا تھا۔

غزالہ بھی اس پیش رفت پر خوش تھی۔ پاکستان سے روانہ ہوتے ہوئے وہ یہ سوچ کر اداس تھی کہ ہم اپنی مرضی سے اپنا ملک اور شہر نہیں چھوڑ رہے تھے۔ ہمارے خلاف پیدا ہوجانے والے حالات کے جبر نے ہمیں وہاں سے نکلنے پر مجبور کیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ہم بنکاک پہنچ کر بے کاری اور جلاوطنی کے عالم میں اپنا وقت بسر کریں گے۔ ان امکانات کے باوجود اس نے سفر کی تیاری میں بھرپور حصہ لیا تھا۔ وہ خود بھی اس بات سے پریشان رہتی تھی کہ ہمارے خلاف غیر ملکی دشمنوں کی سازشیں روز بروز زور پکڑتی جارہی تھیں۔ اس نے کئی بار اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ حالات کے اس گرداب سے نکلنے کے لیے مجھے کچھ عرصے کے لیے خاموشی کے ساتھ ملک سے باہر نکل جانا چاہیے۔ اس سفر کے لیے ہمیں زیادہ منصوبہ بندی کی مہلت نہیں ملی تھی۔ حالات خود ہمارے اس نہج پر آگئے تھے کہ آخرکار ہم پاکستان سے باہر آگئے تھے۔

اگلی صبح اسد اپنے وعدے کے مطابق گیارہ بجے آگیا اور میں نے اسے اوپر اپنے کمرے میں بلالیا۔

اس نے آتے ہی سلام دعا کے بعد پچھلے روز کے دو پاکستانی اخبار میرے سامنے ڈال دیے۔ دیار غیر میں اپنے وطن سے آئے ہوئے ہر سند یسے کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ وہ پورے اخبار میں نے جوں ہی ایک اخبار کی تہ کھولی' پہلے صفحے کے نچلے حصے میں چھپے ہوئے بڑے سے اشتہار پر نظر پڑے ہی میرے ذہن میں جلال کے الفاظ تازہ ہوگئے۔

اس نے اپنی پہلی کال میں ہی مجھے بتا دیا تھا کہ پچھلے دن کے اخبارات میں امریکیوں نے میرے اور وہرا کے خلاف نمایاں انعامی اشتہارات چھپوائے تھے۔ اسد کی مہربانی سے ان میں سے ایک اشتہار اس وقت میرے سامنے تھا۔

اشتہاری متن مختصر اور بہت نمایاں تھا۔ ماضی کے مقابلے میں اس میں کئی تبدیلیاں کردی گئی تھیں جو چونکا دینے والی تھیں۔

اس بار انہوں نے مجھے مفرور اشتہاری مجرم قرار دیا تھا۔ پاکستان میں میرے خلاف باقاعدہ ایف آئی آر کے اندراج کے بغیر مجھے باضابطہ طور پر مجرم قرار نہیں دیا جاسکتا تھا۔ ان لوگوں نے ہاکس بے پرسی ہٹ کے خونین واقعے کو بنیاد بنا کر مجھے ملزم نامزد کیا تھا۔ اس بارے میں وہ بڑی حد تک حق بجانب تھے کیونکہ ان کے دو تربیت یافتہ کمانڈوز میرے ہاتھوں ان زہریلی سوئیوں کے شکار ہوئے تھے جو میری ذات سے منسوب ہوکر رہ گئی تھیں۔

پہلے بیم گن میری شناخت ہوا کرتی تھی بعد میں زہریلی سوئیوں کا چرچا شروع ہوگیا۔ یہ بات کسی کے علم میں نہیں آسکی تھی کہ وہ سریع الاثر زہر سوئیوں کے ذریعے میرے شکار کے جسم میں داخل نہیں ہوتا تھا' اس کا مخرج وہ کھوکھلے اور زہر سے بھرے ہوئے مصنوعی نگینے تھے جو اول خان سے ملنے والی انگوٹھیوں میں جڑے ہوئے تھے۔

اشتہار میں میری کوئی تصویر نہیں تھی۔ دھندلائی ہوئی ناقابل شناخت تصویر کو انہوں نے سرے سے حذف کردیا تھا البتہ وہرا کی پرانی تصویر بہت واضح تھی۔ ہم دونوں پر سنگین الزامات عائد کیے گئے تھے اور ہمیں پاکستانی قانون کے ساتھ بعض امریکی قوانین کا مجرم بھی قرار دیا گیا تھا۔ ہم دونوں کے بارے میں کارآمد مخبری کرنے والوں کے لیے دو ملین ڈالر کے الگ الگ انعام کے ساتھ مکمل رازدائی' تحفظ اور مستقل امریکی شہریت فراہم کرنے کے اعلان اخبار میں موجود تھے۔

میں نے دوسرے اخبار کا جائزہ لیا۔ اس کے پہلے صفحے پر

Downloaded from https://paksociety.com

بھی وہی اشتہار من وعن موجود تھا۔

جلال کی زبان سے اشتہارات کا ذکر سن کر میں نے انہیں زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ امریکیوں کی طرف سے ماضی میں کسی نہ کسی قانونی سہارے کے ساتھ وہ اشتہار آتے رہے تھے لیکن اسد کے لائے ہوئے اخبارات دیکھ کر میری آنکھیں کھل گئی تھیں۔

اول خان نے مجھے یہ بتایا تھا کہ امریکیوں نے ہاکس بے کے تفریحی مقام پر ہونے والے تصادم کے بعد میرے خلاف خاموشی سے ایف آئی آر درج کرادی تھی اور اسی وجہ سے میری پاکستان میں موجودگی مخدوش ہوگئی تھی۔ جلال نے البتہ وہ حقیقت چھپا کر اپنا سارا زور اس بات پر صرف کردیا تھا کہ میں جلد از جلد پاکستان سے باہر نکل جاؤں۔ آخر کار وہ اپنی ان مخلصانہ کوششوں میں کامیاب ہوگیا تھا۔

جہاں تک مجھے یاد پڑتا تھا' ماضی میں انہوں نے ویرا کو اپنا قومی مجرم بنا کر مجھے اس کے سرگرم معاون کے طور پر اپنا ہدف بنایا تھا۔ میرے خلاف قتلِ عمد کی شکایات کے اندراج کے بعد انہیں اس آڑ موڑ کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ میں براہِ راست ان کی دسترس میں آگیا تھا۔

کراچی سے بنکاک کے لیے روانہ ہونے تک مجھے یہ احساس نہیں ہوسکا تھا کہ میرے خلاف حالات کتنا خطرناک رخ اختیار کرچکے تھے۔ جلال کے رویے کو میں احتیاط اور دوست نوازی کا نتیجہ سمجھ رہا تھا جب کہ وہ دباؤ میں آیا ہوا تھا۔

یہ اوپر سے آنے والے اسی دباؤ کا نتیجہ تھا کہ میرے پاکستان سے نکل آنے کے بعد کراچی میں دو افراد کو ڈینی ہونے کے شبہے میں پکڑ لیا گیا تھا تاکہ امریکیوں کا منہ بند کیا جاسکے۔

مجھے مان لینا پڑا کہ جلال نے اس معاملے میں بھی بہت ہوشیاری کا مظاہرہ کیا تھا۔ ان دونوں کو اس کے محکمے نے نہیں پکڑا تھا' ان کے ایما پر کسی اور ایجنسی نے گرفتار کیا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ وہ دونوں بے گناہ نہیں ہوں گے۔ یقینی طور پر سنگین جرائم میں ملوث رہے ہوں۔ ان کے ریکارڈ کی پوری جانچ پڑتال کے بعد ان پر ہاتھ ڈالا گیا ہوگا۔

وہ لوگ شبہے میں کسی ایک شخص کو گرفتار کرتے تو باز پرس کے سلسلے میں امریکی اس کی زندگی جہنم بنا سکتے تھے۔ ان کے آدمی مارے جارہے تھے۔ وہ ہر قیمت پر تفتیش میں شامل رہنے کی کوشش کرتے اور کامیاب ہوجاتے' پھر اکلوتے ملزم سے ڈینی ہونے کا اقبالی بیان لینے کے لیے اپنی پوری کوششیں صرف کردیتے۔ دو ملزموں کی گرفتاری سے وہ خطرہ ٹل گیا تھا۔ یقین میں بے یقینی اور تذبذب کا عنصر غالب آگیا تھا۔ وہ دونوں بیک وقت ڈینی نہیں ہوسکتے تھے۔ تفتیشی حکام کا بے یقینی کا رویہ ان دونوں کو بہت سے ناگفتہ مصائب سے بچا سکتا تھا۔

وقت کو ٹالنے کے لیے اس سے بہتر کوئی راہ نہیں ہوسکتی تھی۔ مشتبہ افراد کی گرفتاری کے بعد میری تلاش کی مہم ٹھنڈی پڑ جاتی۔ کچھ دن دونوں ملزموں سے تفتیش میں گزر جاتے۔ آخر کار یہ ثابت ہوجاتا کہ اپنی ناپسندیدہ اور غیر قانونی سرگرمیوں کے باوجود ان دونوں میں سے کوئی ڈینی نہیں تھا۔ قصہ وہیں ختم ہوجاتا اور امریکی تفتیش کار مایوسی کے عالم میں اپنے بال نوچتے رہ جاتے۔

اس ناکامی کے بعد میری تلاش کی مہم دوبارہ شروع ہو جاتی۔ اس میں کوئی جوش ہوتا نہ جذبہ۔ وہ کاغذی خانہ پری کے لیے چلائی جانے والی ایک روایتی مہم ہوتی۔ امریکی تھک ہار کر خاموش ہوجاتے۔ کسی اگلے بڑے واقعے تک کے لیے ہر محاذ پر خاموشی چھا جاتی۔

میری پاکستان سے روانگی تک صورتِ حال واقعی بہت نازک تھی جسے بہت ہوش مندی کے ساتھ ٹالنے کا عمل بدستور جاری تھا۔ میرے تجزیے کے مطابق مایوسی اور جھنجلاہٹ ایک مرتبہ پھر میرے سفید فام دشمنوں کا مقدر بننے والی تھی۔

''تم نے دیکھ لیا کہ لوگ کس طرح ڈینی کی جان کے درپے ہیں۔'' اسد نے مجھ سے کہا ''وہ اسے زندہ یا مردہ' کسی بھی حالت میں پکڑنا چاہتے ہیں۔''

''لوگوں کی بات کرکے تم نے مجھے بھی لپیٹ لیا ہے۔ لوگ نہیں صرف امریکی ایلکار کہو۔'' میں نے مسکرا کر اس کی تصحیح کی ''تم نے بہت اچھا کیا کہ کُل کے اخبارات اپنے ساتھ لے آئے۔ انہیں دیکھے بغیر کسی بات کا صحیح اندازہ نہیں ہوسکتا تھا۔''

''میں ایک نتیجے پر پہنچا ہوں۔'' اس نے اپنی سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے کہا ''امریکی ہر محبِ وطن پاکستانی کے بدترین دشمن ہیں۔ ایٹمی استعداد کے میدان میں ترقی سے روزمرہ کاروبار تک میں یہی صورت کارفرما ہے۔''

''ان کا دعویٰ یہ ہے کہ وہ ہمارے دوست ہیں۔'' غزالہ نے لقمہ دیا ''ان کی دوستی ایسی ہے تو دشمنی کیا ہوگی!''

''ان کے حکمراں طاقت کے نشے میں بدمست ہوکر زمین' آسمان اور سمندروں میں اپنی بڑائی کے دعوے کرتے رہتے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ اب دنیا ان کی مرضی پر چلے۔ جو اس راہ پر چلنے سے انکار کرے اس کا سر کچل دیا جائے۔'' میں نے کہا۔

''اس کا انجام بہت بھیانک ہوگا۔'' اسد بولا ''سب مل کر انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے یا وہ سب کی سب بستیوں کو تاراج کردیں گے۔''

Downloaded from https://paksociety.com

''یہ عالمی سیاست کی باتیں ہیں۔ ان کا رخ موڑنا ہمارے بس سے باہر ہے۔'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا ''ہمارے لیے اتنا کافی ہے کہ ہم اپنے ضمیر کے مطابق کام کررہے ہیں۔''

''میں مختصر سی ملاقاتوں میں تمہاری کارکردگی کا قائل ہوگیا ہوں۔ تم نے جس طرح ڈان کو رام کیا ہے وہ ناقابل یقین ہے۔ اپنے مخاطب کی بات کو سننا' سمجھنا اور پھر اس کے دل کی تحریر پڑھ کر اسے برجستہ جواب دینا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ سچ پوچھو تو کل انعام کے لالچ میں تمہاری زبان سے ڈینی کو پکڑوانے کا ذکر سن کر میرے ذہن میں بیک وقت دو متضاد خیالات آئے تھے۔''

''وہ کیا؟'' غزالہ نے اخبار ایک طرف ڈال کر بے اختیار سوال کیا۔

''تم خود ڈینی ہو اور نام بدل کر یہاں آئے ہو یا پھر واقعی اس کے بدترین دشمن ہو!'' اس نے مجھ سے مخاطب ہوکر کہا ''کوئی بھی عام پاکستانی اس کے بارے میں سفاکی سے بات نہیں کرسکتا۔''

''اسد! خدا کا خوف کرو۔ کسی کو ان باتوں کی بھنک بھی مل گئی تو میری زندگی عذاب ہوجائے گی۔ مجھے وہی رہنے دو جو میں ہوں۔ مجھے دنیا جہان سے لڑنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ میں نے وہ بات یوں ہی مذاق میں کہہ دی تھی۔''

''وہ ایک خیال تھا جو میرے ذہن میں آیا اور گزر گیا۔'' وہ ہنس کر بولا ''رات کو جلال صاحب نے بتایا کہ تم ڈینی کے بہت بڑے غائبانہ مداح ہو۔''

''تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ کام کا کیا رہا۔'' میں نے یکایک موضوع بدل دیا۔

''یہ پانچ نام اور پتے ہیں۔'' اس نے اپنی جیب سے ایک لفافہ نکال کر میری طرف بڑھا دیا ''دو ناٹ کلب اور تین کیسینو' سب راجن کی ملکیت ہیں اس کا چھٹا اڈا وائٹ ہاک ہے جو کھلے سمندر میں اپنی جگہیں بدلتا رہتا ہے۔ آج کل ہاربر سے دو ناٹ کے فاصلے پر ایک دلدلی جزیرے کے قریب لنگر انداز ہے۔''

''یہ کوئی راز کی بات نہیں ہے۔ ڈان بھی راجن کے ان ٹھکانوں کے بارے میں جانتا ہوگا۔'' وہ سوال کرتے ہوئے میں نے کاغذ پڑھ کر اپنی جیب میں ڈال لیا۔ لفافہ میز پر رہ گیا۔

''یہ ایک کھلا راز ہے۔ ڈان کو علم ہونا چاہیے۔'' اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوگیا لیکن اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اپنی بات جاری رکھنے کے لیے وہ موزوں الفاظ کی تلاش میں تھا۔

''رات کو میں نے بہت غور کیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ فی الحال مجھے تمہارے ساتھ شامل نہیں ہونا چاہیے۔ ابتدائی مراحل تم خود طے کرسکتے ہو!'' آخر اس نے جھجکتے ہوئے اپنی زبان کھولی۔

''تمہیں یہ خیال کیوں آگیا؟'' میں نے چونک کر سوال کیا۔

''ابھی راجن کے مفادات کو نقصان پہنچانے کا مرحلہ ہے۔ یہ کام تم ڈان کے آدمیوں سے لوگے۔ مجھے کچھ نہیں کرنا ہوگا۔ بہتر ہوگا کہ میں الگ رہوں۔''

''کل تم دودھ میں سے مکھی کی طرح نکالے جانے کی شکایت کررہے تھے۔ آج ایک نئی بات کیوں کررہے ہو۔ کیا میری کوئی بات بری لگی ہے؟''

وہ دھیرے سے ہنس دیا ''تمہاری کوئی بات بری لگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دو تین دنوں میں تم سے عجیب سی اپنائیت محسوس ہونے لگی ہے۔ یہ قصہ کچھ اور ہے۔ یہاں آنے سے پہلے میری جلال صاحب سے بات ہوئی تھی۔ انہوں نے فیصلہ کرنے کی ذمے داری تم پر ڈال دی ہے۔''

''اوہ.....! تو تم جلال سے بھی بات کرچکے ہو۔'' میں نے بے ساختہ کہا ''پتا تو چلے کہ قصہ کیا ہے' ایسی کیا بات ہوئی ہے کہ تمہیں اپنے افسر سے رجوع کرنے کی ضرورت پیش آگئی؟''

''صاف بات یہ ہے کہ تھائی لینڈ پاکستان کا دوست ملک ہے' یہاں راجن کے ٹھکانوں کو نشانہ بنایا گیا تو امن وامان کا مسئلہ پیدا ہوگا۔ زیادہ واضح الفاظ میں ایسی کارروائیاں دہشت گردی کے زمرے میں شمار کی جائیں گی.....''

''آگے بولو!'' اسے خاموش پاکر میں نے ٹوکا۔

''ہر کام کے لیے منصوبہ بندی کی جاتی ہے' تم بھی کرو گے۔'' اس نے دوبارہ کہنا شروع کیا ''یہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ ہر کام ہمارے منصوبے کے مطابق پورا ہو۔ کوئی ناکامی ہوئی اور ڈان کا کوئی آدمی دھر لیا گیا تو میرا نام کھلنے کا خطرہ پیدا ہوسکتا ہے۔ میں یہاں سرکاری پوزیشن میں تعینات ہوں۔ ایسی کسی ناکامی کے اثرات بہت دور رس ہوں گے جنہیں سنبھالنا مشکل ہوجائے گا۔''

''یہی خطرہ مجھے بھی لاحق ہوسکتا ہے میرے بارے میں تم کیا کہو گے؟''

''تم پاکستانی ضرور ہو مگر انفرادی حیثیت میں یہاں آئے ہو۔ میری اور تمہاری پوزیشن میں فرق ہے۔ خدانخواستہ تمہارے ساتھ کچھ ہوتا ہے تو تمہارے اعمال کی ذمے داری پاکستانی حکومت پر نہیں ڈالی جاسکے گی۔ انفرادی طور پر کوئی کچھ نہیں کرسکتا ہے۔''

''پھر تو تم کہیں بھی میرا ساتھ نہیں دے سکو گے!''

Downloaded from https://paksociety.com

''تم نے میری بات پر غور نہیں کیا، میں کہہ رہا ہوں کہ ابتدائی مرحلہ میری شمولیت کے بغیر بھی طے کیا جاسکتا ہے اس میں میرا کوئی اہم کردار نہیں ہے۔ جہاں ضروری ہوا' میں تمہارا بھرپور ساتھ دوں گا۔ یہ نہ سمجھو کہ میں تمہیں اکیلا چھوڑ رہا ہوں۔''

دھتاط روی ان لوگوں کا خاصہ تھی۔ میں پاکستان میں بارہا ایسے تجربات سے گزر چکا تھا۔ وہ لوگ کسی کام سے منہ نہیں موڑتے تھے لیکن ہمیشہ اپنا دامن بچا کر چلنے کے عادی تھے۔

''شاید آج مجھے اکیلا جانا پڑے گا!'' میں نے اس سے تائید چاہی۔

''میں نے حقائق تمہارے سامنے رکھ دیے ہیں۔ فیصلہ تمہارا ہوگا میں اس کی پوری پابندی کروں گا۔ تم کہو تو میں تمہارے ساتھ ڈان کے گھر جانے کے لیے تیار ہوں۔'' اس نے خندہ پیشانی سے کہا۔

''ٹھیک ہے!'' میں نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''کوشش کروں گا کہ تمہارے بغیر کام چل جائے۔ کل میں نے ڈان سے تمہارے متر جم ہونے کا ذکر کر دیا تھا۔ دعا کرو کہ اس کے بلائے ہوئے آدمی انگریزی میں کورے نہ ہوں۔''

''میں پھر کہہ رہا ہوں کہ کہیں کوئی ضرورت یا مجبوری پیش آگئی تو میں حاضر ہوں۔ مجھے تمہارا ساتھ دینے میں کوئی عذر نہیں ہے۔ کوشش یہ ہے کہ خطرات سے بچ کر چلا جائے۔''

''مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ انتخاب کے بعد تم سب کی ایک ہی سانچے میں برین واشنگ کی جاتی ہے۔'' میں نے ہنس کر کہا ''مشترک معاملات پر سب ایک بولی بولتے ہیں۔''

''کل رات تم جس بے تکلفی سے فون پر جلال صاحب سے بات کر رہے تھے اس کی وجہ سے میرے دل میں تمہاری قدر و منزلت بہت بڑھ گئی ہے۔''

''بے تکلفی!'' میں نے حیرت سے کہا ''تم نے غور نہیں کیا میں اس سے بہت ادب سے بات کر رہا تھا۔''

''علی! میں بچہ نہیں ہوں۔ آپ جناب سے مخاطب کے باوجود تمہارے انداز میں بے تکلفی تھی۔ اب بھی تم برابری سے ان کا ذکر کر رہے ہو۔ وہ بہت سخت اور ایمان دار افسر ہیں۔ اپنے سے جونیئر افراد سے زیادہ بے تکلف ہونا پسند نہیں کرتے۔''

''مجھے ان باتوں کا اندازہ نہیں تھا۔ تم بلاوجہ میری عزت افزائی پر تلے ہوئے ہو تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔'' میں نے وہ بات وہیں ختم کر دی۔

میرے لیے راجن کے سب ٹھکانے اہم تھے۔ ان میں سب سے زیادہ اہمیت وائٹ ہاک کی تھی۔ اسد سے ملنے والی معلومات کی روشنی میں وہ راجن کی تازہ ترین اور سب سے بڑی سرمایہ کاری تھی جس پر اسے خود بھی ناز تھا۔

سب سے اچھی بات یہ تھی کہ وائٹ ہاک شہری بندرگاہ سے کافی دور' کھلے سمندر میں لنگر انداز تھی۔ یہ بات یقینی تھی کہ معزز مہمانوں اور گاہکوں کو شہر سے اس لگژری بوٹ تک پہنچانے کے لیے شہری گھاٹ سے بوٹ تک چھوٹی موٹر بوٹس چلتی ہوں گی۔ شہری حدود سے باہر کھلے سمندر کے سینے پر موجود وہ بحری عشرت کدہ بنکاک کے قانون کی دسترس سے آزاد تھا۔ اسد کی زبان سے پہلی بار وائٹ ہاک کا ذکر سن کر مجھے خیال آیا تھا کہ ایک غوطہ خور کے ساتھ کسی چھوٹی اور برق رفتار موٹر بوٹ میں وائٹ ہاک تک پہنچ کر اس کے نیچے کوئی واٹر پروف بم نصب کر دیا جائے تو ریموٹ کنٹرول کے ذریعے وائٹ ہاک کو کسی بھی وقت اڑایا جاسکتا تھا۔

سوچنے کی حد تک وہ کام بہت آسان اور سنسنی خیز تھا لیکن عملی طور پر اس کی راہ میں بہت سی دشواریاں تھیں' سب سے بڑا خطرہ وائٹ ہاک پر مامور مسلح محافظوں کی طرف سے تھا۔ راجن نے بوٹ خریدنے سے پہلے یہ امکان اپنے ذہن میں رکھا ہوگا کہ اس کے بحری اڈے پر سمندر کی راہ سے کوئی حریف یا حاسد حملہ آور ہو سکتا ہے۔

برا آدمی کوئی بھی منصوبہ بناتا ہے تو سب سے پہلے اس کے برے پہلوؤں پر غور کرتا ہے۔ چھوٹا راجن اپنی ظاہری حیثیت اور امارت کے باوجود زیرِ زمین دنیا کا ایک برا آدمی تھا۔ وہ بنکاک میں ڈان برنارڈ سے نبرد آزما بھی رہ چکا تھا۔ اس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ اس نے وائٹ ہاک جیسی بیش قیمت بوٹ کے تحفظ کا کوئی پہلو نظر انداز کر دیا ہوگا۔

اسد بھی وائٹ ہاک پر حملہ کرنے کے حق میں نہیں تھا۔ اس نے سہ منزلہ بوٹ کو افتتاحی تقریب کے موقع پر دور سے دیکھا تھا۔ اس کا اندازہ تھا کہ شام کے تفریحی اوقات میں اس پر ڈیڑھ دو سو افراد کے سامنے کی گنجائش تھی۔ ان آنے جانے والوں کے علاوہ بوٹ پر ہر وقت مامور رہنے والے ملازموں کی تعداد بھی قابلِ لحاظ ہونی چاہیے تھی۔ بار' ریستوران اور چھوٹے کیبنوں میں مدہوش جوڑوں کو جملہ خدمات مہیا کرنے والے راجن کے ملازم ضرور تھے لیکن سب کے سب مجرم نہیں ہو سکتے تھے۔ بوٹ کو اڑانے کی صورت میں ان بے چاروں کی موت یقینی تھی۔

میں نے راجن کی بوٹ کا خیال ترک کر دیا۔ دوسری پانچ میں سے چار جگہوں پر ہر عام آدمی تفریح کے لیے جاسکتا تھا لیکن گولڈن ڈریگن نامی کیسینو کا معاملہ مختلف تھا۔

اس زمینی جوئے خانے کے حفاظتی انتظامات وائٹ ہاک سے کم نہیں تھے۔ وہاں داخلے کے لیے رکنیت کی کوئی پابندی نہیں

Downloaded from https://paksociety.com

تھی لیکن آنے والے کا شکل وصورت اور لباس سے معزز و معقول نظر آنا ضروری تھا۔

اسد سے ان موضوعات پر تفصیلی گفتگو ہو جانے کے بعد میں چند منٹ میں تیار ہو گیا پھر ہم دونوں غزالہ کو الوداع کہہ کر کمرے سے باہر نکل آئے۔

اسد کو ڈاک' فون اور فیکس کے ذریعے آنے والے پیغامات وغیرہ کی دیکھ بھال کے لیے اپنے دفتر جانا ضروری تھا۔ بنکاک کے گنجان ٹریفک کی وجہ سے اس نے ذاتی گاڑی کا روگ نہیں پالا تھا۔ اس کی آمد و رفت کا انحصار پبلک ٹرانسپورٹ پر تھا۔ وہ ہوٹل سے ٹیکسی میں میرے ساتھ روانہ ہوا اور پھر ایک قریبی بس اسٹاپ پر اتر گیا۔

اسے اتارنے کے بعد ٹیکسی آگے روانہ ہو گئی۔

سیلرز بار بنکاک میں مشہور تھا۔ ڈرائیور اس کا نام سنتے ہی کسی حیل وحجت کے بغیر روانگی پر آمادہ ہو گیا تھا۔ اسد کو اتارنے کے بعد وہ کچھ دیر خاموش رہا پھر ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں مجھ سے مخاطب ہو گیا۔

''تم سیلرز بار کیوں جا رہے ہو؟'' میرے لیے اس کا پہلا سوال چونکا دینے والا ثابت ہوا۔ وہ تو اس وقت بند ہو گا۔''

اس کا دوسرا فقرہ سن کر میری جان میں جان آئی۔ میں نے بے پروائی سے جواب دیا مجھے وہاں نہیں اس کے قریب جانا ہے۔''

''تم ٹورسٹ معلوم ہوتے ہو۔ تمہارے پاس وقت ہو تو میں تمہیں بعض بہترین مقامات کی سیر کرا سکتا ہوں۔ میرا شہر بہت خوب صورت اور نگینوں سے بھرا ہوا ہے۔''

''اگر تم ہمیشہ بلٹن کے باہر ہوتے ہو تو پھر کسی وقت تمہارے ساتھ گھوموں گا۔ اس وقت مجھے ایک جاننے والے سے ضروری کام ہے۔''

''ادھر کاسٹ یونیورسٹی کے پاس سیام پارک سٹی ہے بہت خوب صورت جگہ ہے' چاہو تو یہاں سے دس منٹ کے فاصلے پر مگرمچھوں کے فارم کی سیر کر سکتے ہو۔ میجک لینڈ یہیں شہر میں ہے۔ شہر میں بہت سے قابل دید بدھ مندر اور پگوڈا ہیں۔ ان میں گھس کر آدمی صدیوں پیچھے چلا جاتا ہے۔ گولڈن بیلس ضرور دیکھنا' وہاں تم بدھا کی جڑاؤ مورتی کو دیکھتے رہ جاؤ گے۔''

وہ بولے جا رہا تھا اور میں خاموشی سے سن رہا تھا۔ مجھے انتظار تھا کہ وہ مجھے ان لچھے دار باتوں میں الجھا کر کب اپنی پٹڑی بدلتا ہے۔

وہ بے چارہ رک رک کر مجھے اپنے شہر کے تاریخی ورثے کے بارے میں بتاتا رہا۔ اپنے ملک کے لیے وہ بار بار سیام کا متروک نام استعمال کر رہا تھا۔ جب اس نے کافی دیر تک زندہ حسن و نزاکت کا کوئی ذکر نہیں کیا تو میں نے اسے ٹوک دیا ''میں نے سنا ہے کہ یہاں کی لڑکیاں بہت مہمان نواز ہوتی ہیں۔''

''ہوتی ہیں!'' اس کی دھیمی آواز میں مایوسی اتر آئی ''روزی کمانے کے لیے لڑکیاں ہر قسم کے کام کرتی ہیں مگر ان کی زیادہ آمدنی دلال لوٹ لیتے ہیں۔ اس کام میں بہت آمدنی ہے مگر میں لڑکیوں کی دلالی نہیں کرتا۔ تمہیں قدم قدم پر ایسے ٹیکسی ڈرائیور مل جائیں گے جو بہت شوق سے یہ کام کرتے ہیں انہوں نے مجھ جیسے لوگوں کو بھی بدنام کیا ہوا ہے۔''

میں اپنی جگہ پر سن ہو کر رہ گیا۔ پانچوں انگلیاں واقعی برابر نہیں ہوتیں۔ اس ایک سادہ لوح شخص نے پل بھر میں بنکاک کے بارے میں میرا تصور بدل کر رکھ دیا۔ پتا نہیں شہر میں اس جیسے کتنے ڈرائیور ہوں گے۔ مجھے ندامت ہونے لگی کہ میں نے اس سے وہ ذومعنی سوال کیوں کیا تھا۔

وہ اپنے شہر میں ہونے والے جنس کے بیوپار سے خوش نہیں تھا۔ اس کی ناخوشی کا اندازہ اس کے کہے ہوئے چند فقروں سے ہو گیا تھا۔ میں نے اس کی دکھتی ہوئی رگ کو مزید چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا اور خاموشی اختیار کر لی۔

میرے سوال نے شاید اسے آزردہ کر دیا تھا۔ اسے بھی چپ لگ گئی اور سفر خاموشی کے ساتھ طے ہونے لگا۔

''ہم قریب آ گئے ہیں۔'' ایک طویل خاموشی کے بعد ڈرائیور نے مجھے آگاہ کیا ''جہاں گاڑی رکوانی ہو مجھے بتا دینا۔''

ڈرائیور کا وہ اعلان سنتے ہی میں اپنی جگہ پر سنبھل کر بیٹھ گیا اور اپنی نظریں تیزی سے پیچھے دوڑتے ہوئے مناظر پر مرکوز کر دیں۔

پچھلی بار اسد میرے ساتھ تھا۔ آپس کی باتوں میں' میں نے راستے پر کوئی دھیان نہیں دیا۔ مجھے گمان بھی نہیں تھا کہ دوسری بار مجھے تنہا ادھر آنا ہو گا۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر باہر دیکھتا رہا میرے لیے سب کچھ اجنبی تھا۔

یکا یک ڈرائیور نے ٹیکسی کے بریک لگائے اور اسے سڑک کے کنارے روک دیا۔ مجھے سامنے ہی سیلرز بار کا نمایاں سائن بورڈ نظر آیا جو اس وقت روشن نہیں تھا۔

''تم یہاں بالکل نئے معلوم ہوتے ہو۔'' ڈرائیور نے کرایہ وصول کرتے ہوئے ہنس کر کہا ''یہ کوئی اچھا علاقہ نہیں ہے۔ ذرا اپنی جیب سے ہوشیار رہنا۔ یہاں ٹھگ بھی گھومتے رہتے ہیں جو نوادرات کے نام پر بے وقعت نقلی چیزیں لوگوں کو بیچ دیتے ہیں۔''

''مفت مشوروں کا شکریہ' میں یہاں اتنا نیا بھی نہیں ہوں۔''

Downloaded from https://paksociety.com

مجھے بار سے ذرا آگے جانا ہے۔'' یہ کہہ کر میں ٹیکسی سے اتر گیا۔

میرا اندازہ تھا کہ سیلرز بار کی عقبی گلی سے دونوں سمتوں میں باہر نکلنے کا راستہ ہوگا۔ میں نے بار کے بند دروازے پر ایک سرسری نگاہ ڈالی اور بے فکری سے آگے چل دیا۔

پچھلی گلی اس وقت بھی تقریباً سنسان پڑی ہوئی تھی۔ راستے میں دو بچے اپنی سائیکل کی اتری ہوئی چین چڑھانے میں مصروف نظر آئے۔ میں مسکرا کر ان کی طرف دیکھتا ہوا آگے نکل گیا۔

وہاں بنے ہوئے مکانات کا سامنے کا حصہ بہت سجا بنا ہوا تھا۔ دکانوں کی آرائش کی بات ہی کیا تھی۔ دن کی روشنی میں اس گلی میں گھومنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ کسی واضح نشانی کے بغیر پیچھے سے کسی مکان یا دکان کا پہچاننا تقریباً ناممکن تھا' پیچھے سے ہر عمارت اپنے مکینوں کی غفلت کا شکوہ کرتی ہوئی نظر آرہی تھی۔

میں رات کے اندھیرے میں سیلرز بار کے پیچھے سے نکلا تھا۔ دل ہی دل میں ڈر رہا تھا کہ اس گلی سے سیلرز بار کی عمارت کو پہچاننا مشکل نہ ہو جائے۔ میں نے ارادہ کرلیا تھا کہ کسی دشواری کی صورت میں سامنے جا کر سرے سے عمارتیں گنوں گا اور پھر پیچھے آکر اسی گنتی کے سہارے ڈان کے دروازے تک پہنچ جاؤں گا۔

غنیمت ہوا کہ وہ نوبت نہیں آئی۔ سیلرز بار کا سیاہ چوبی دروازہ اس گلی میں سب سے نمایاں تھا۔ میں نے اطمینان کا سانس لے کر چوکھٹ پر لگا ہوا گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔

مجھے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ دروازہ کھل گیا میرے سامنے چست پھول دار کپڑوں میں ملبوس ایک دھان پان سی لڑکی کھڑی ہوئی تھی۔ پچھلی رات وہ نیلی وردی پہنے بار کی میزیں وغیرہ درست کرتی پھر رہی تھی۔

''میرا نام علی ہے..... میں ڈان سے ملنے آیا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''ٹھہرو..... میں پوچھتی ہوں۔'' مجھے جواب دے کر لڑکی دروازہ بند کر رہی تھی کہ اندر سے یا شاید اوپر سے ڈان کی دبنگ آواز آئی وہ اپنی زبان میں لڑکی سے کچھ پوچھ رہا تھا۔

ان دونوں میں چند فقروں کا تبادلہ ہوا۔ دروازہ بند ہونے سے پہلے کھل گیا۔ لڑکی نے راہ دی اور میں اندر داخل ہوگیا۔

دروازہ بند ہوتے ہی سیلرز بار کی عقبی راہ داری میں رات جیسا نیم اندھیرا پھیل گیا۔

''اوپر آجاؤ!'' ڈان کی آواز سنائی دی اور میں چوبی زینوں پر بڑھ گیا۔ لڑکی نیچے رہ گئی۔

ڈان اوپر کا دروازہ کھولے میرا منتظر تھا۔ اس وقت وہ قمیص اور جینز کے بجائے سفید سلک کے پاجامے اور گون میں ملبوس تھا۔

ڈان نے پُرتپاک انداز میں مجھ سے ہاتھ ملا کر میرا دل خوش کر دیا۔ مجھے وہ عزت مل رہی تھی جس کا میں طلب گار تھا۔

ڈان دوستانہ انداز میں مجھے اپنے ساتھ لے کر اپنے رہائشی ہال میں داخل ہوا تو وہاں اس کے چاروں چیلوں میں سے کوئی موجود نہیں تھا۔ مجھے ان کے نہ ہونے کے بارے میں تجسس ضرور ہوا مگر میں خاموش رہا۔ کوئی غیر متعلقہ سوال کر کے میں ڈان کو ناراض نہیں کرسکتا تھا۔

''تم ہلٹن میں ٹھہرے ہوئے ہو؟'' ڈان نے اپنی مسہری پر بیٹھ کر پہلا سوال کیا۔

میرے کان کھڑے ہوگئے۔ ڈان اتنا سیدھا اور بے ضرر نہیں تھا جتنا مجھے نظر آرہا تھا۔ میں نے اپنا سراثبات میں ہلا دیا۔

''چھوٹا راجن سے لڑنے کے لیے آئے ہو تو اپنی خوب صورت بیوی کو اپنے ساتھ کیوں لائے ہو؟'' ڈان نے دوسرا سوال کر کے اپنی باخبری کا مربیانہ اظہار کیا۔

''بیوی ہونے کے ساتھ وہ میری دستِ راست بھی ہے۔ مارشل آرٹس جانتی ہے، لڑنے پر آجائے تو جان دار مردوں کے چھکے چھڑا دیتی ہے۔''

''گڈ!'' ڈان نے توصیفی انداز میں سر ہلایا ''آج تمہارا ساتھی کہاں ہے؟''

ڈان مجھ سے اس طرح سوالات کر رہا تھا جیسے میرا انٹرویو لے رہا ہو۔ میں فوری طور پر اس کے آخری سوال کا جواب نہیں دے سکا۔ وہ مجھ سے جس انداز میں پوچھ گچھ کر رہا تھا، اس سے ظاہر ہو رہا تھا کہ پچھلی رات سیلرز بار سے واپسی پر ہمارا تعاقب کیا گیا تھا۔ ہمارا پیچھا کرنے والے کے لیے ہوٹل کے ریکارڈ سے یہ جاننا دشوار نہیں تھا کہ میں ہوٹل کے کس کمرے میں اور کس کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا؟ مجھے تشویش یہ تھی کہ کہیں بعد میں اسد کا بھی پیچھا نہ کیا گیا ہو۔

میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اسد کی پیشانی پر اس کے محکمے کا نام درج نہیں تھا۔ وہ بنکاک میں واقعی ایک دفتر چلا رہا تھا۔ مجھے اس کے بارے میں جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے لمحہ بھر توقف کے بعد کہا ''وہ نوکری پر گیا ہوا ہے۔''

''یہ بتاؤ کہ تم کیا پلان لائے ہو؟'' ڈان مزید کوئی سوال کرنے کے بجائے اصل موضوع کی طرف آگیا۔

میں نے اسد کا دیا ہوا کاغذ اپنی جیب سے نکالا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر ڈان کو پیش کر دیا۔ اس نے کاغذ کی تحریر پر ایک نظر ڈال کر پوچھا ''ان کا کیا کرو گے؟''

''یہ سب مصروف تفریحی مقامات ہیں اور راجن کی ملکیت ہیں۔

Downloaded from https://paksociety.com

ہیں۔ میں ان پانچوں ٹھکانوں پر صبح سویرے بموں کے دھماکے کرانا چاہتا ہوں تاکہ کوئی جانی نقصان نہ ہو اور راجن کو پیغام مل جائے کہ اب وہ میدان میں اکیلا نہیں ہے۔''

نیچے والی لڑکی ایک ٹرے میں چائے کی دو پیالیاں لے آئی۔ پیالیاں ہم دونوں کے سامنے رکھ کر وہ لوٹ گئی تو ڈان بولا ''ان کے علاوہ بنکاک میں چھوٹا راجن کا ایک گھر ہے اور ایک دفتر۔ ان دونوں جگہوں پر کسی کا گھسنا ناممکن ہے۔''

''میں کوشش کروں گا کہ اسے اس کے گھر میں گھس کر مارا جائے۔''

''یہ خیال اپنے دل سے نکال دو۔ رفتہ رفتہ وہ بھی ڈان بنتا جارہا ہے۔ اس تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔ وہ اپنے ٹھکانوں سے دور قابو میں آئے گا۔''

''تم مجھے آدمی اور سامان دے دو۔ باقی کام میں خود سنبھال لوں گا۔''

''تم بہت بڑے دعوے کررہے ہو'' ڈان کی آواز سرد ہوگئی ''یاد رکھو کہ تم ایک بہت بڑے کام میں ہاتھ ڈال رہے ہو۔ اسے ادھورا چھوڑ کر بھاگنے کی کوشش کی تو میں تمہیں مار کر کھال میں بھس بھروادوں گا۔''

''وہ نہیں یا پھر میں نہیں..... یہی میرا مشن ہے۔''

''چاؤ فان بہت دلیر اور ذہین آدمی ہے'' ڈان نے اپنے تکیے کے نیچے سے ایک کاغذ نکال کر میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا ''بہت روانی سے انگریزی بولتا ہے۔ آج کے بعد تم سیلرز بار کا رخ نہیں کرو گے۔ تمہارا رابطہ چاؤ فان سے رہے گا۔ کاغذ پر اس کا فون نمبر لکھا ہوا ہے۔ چاہو تو اس سے آج ہی مل سکتے ہو۔ وہ تمہیں علی کے نام سے پہچان لے گا۔''

''کل تم نے میرے لیے اپنے دروازے کھول دیے تھے۔ آج پابندی کیوں لگا رہے ہو؟'' میں نے کاغذ پر چاؤ کا نام اور فون نمبر پڑھ کر کہا۔

''یہ سزا نہیں احتیاط ہے، میں اب لڑائی بھڑائی سے دور ہو چکا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ اس جھگڑے میں میرا نام لیا جائے۔ تمہاری زبان سے چھوٹا راجن کو مارنے کا ذکر سنا تو پرانا زخم تازہ ہوگیا۔ تمہارے بازوؤں کا دم دیکھ کر میں نے تمہاری مدد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔''

''چاؤ سے میرا فون پر رابطہ رہے گا؟'' میں نے پوچھا۔

''یہ تم دونوں کی مرضی اور سہولت پر منحصر ہے'' ڈان نے ہاتھ اٹھا کر کہا ''چاؤ فان تمہیں آدمی سے ہتھیاروں تک ہر چیز فراہم کرے گا۔ ہو سکے تو اپنی عورت کو ان چکروں سے دور رکھنا۔ چھوٹا راجن دل کے ساتھ نگاہوں کا بھی گندا ہے۔''

میرے پاس ڈان کے اس مشورے کا جواب نہیں تھا میں سر ہلا کر رہ گیا۔

ڈان نے مختصر الفاظ میں طریقۂ کار بتا دیا تھا۔ مجھے ایک مرتبہ پھر خیال آیا کہ ڈان سے اس کے چاروں آدمیوں کے بارے میں کچھ پوچھوں کہ کہیں ان میں سے کسی کا نام تو چاؤ نہیں تھا مگر میں نے وہ ارادہ اسی لمحے ترک کردیا۔

ڈان کے بیان کے مطابق چاؤ روانی سے انگریزی بول سکتا تھا جبکہ پچھلی رات وہاں نظر آنے والے چاروں جواری صرف مقامی زبان جانتے تھے۔

''میں تمہیں ایک بار پھر بتا رہا ہوں کہ بے گناہوں کا خیال رکھنا، وہ نہ مارے جائیں۔''

''اسی وجہ سے میں صبح سویرے دھماکوں کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ اس وقت تک ساری تفریح گاہیں ویران ہو چکی ہوں گی۔''

''صبح کا وقت اس لیے چنا ہے تو اسے اور آگے بڑھا دو۔ ایسی گھٹیا جگہوں پر آنے والے لوگ بھی گھٹیا ہوتے ہیں۔ دھت ہو کر گرتے ہیں تو ساری رات اسی عالم میں گزار دیتے ہیں۔ سورج طلوع ہونے سے پہلے کوئی ٹھکانا خالی نہیں ہوتا۔ کہیں نہ کہیں کوئی مردہ پڑا ہوا ہوتا ہے۔'' یہ سامنے کی بات تھی کہ وہ کسی لاش کا ذکر نہیں کررہا تھا۔ ازراہِ تحقیر مدہوشوں کو مردہ قرار دے رہا تھا۔

میں کسی نہ کسی بہانے سے وہاں مزید وقت گزارنا چاہ رہا تھا۔ ڈان کے ساتھ بیٹھ کر مجھے عافیت کا عجیب سا احساس ہو رہا تھا مگر اس نے اپنی جگہ چھوڑی تو مجھے بھی اٹھنا پڑ گیا۔

''بس، ایک بات اور پوچھنا چاہتا ہوں'' میں نے اٹھ کر کہا۔

ڈان کی نظریں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں۔ وہ میرے سوال کا منتظر تھا، میں نے اپنی بات جاری رکھی ''میرے آنے پر پابندی ہے۔ میں تم کو فون تو کرسکتا ہوں نا؟''

''ضرورت پڑ جائے تو فون کرسکتے ہو'' ڈان نے مجھے رعایت دے دی۔

اس نے اوپر کے دروازے سے مجھے رخصت کردیا۔ ہماری آوازیں سن کر شراب خانے کی ملازمہ نچلے دروازے پر آ گئی تھی۔ نیچے اتر کر میں نے اس کے سراپا پر مسکراتی ہوئی نظریں ڈالیں اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

میں واپس ہوٹل پہنچا تو غزالہ کمرے میں نہیں تھی۔ کاؤنٹر سے چابی لے کر میں اوپر پہنچا تو وہاں ایک رقعہ میرا منتظر تھا۔ وہ کچھ خریداری کے لیے بازار گئی ہوئی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

میں جوتے اتار کر بستر پر دراز ہو گیا۔ میرے شناساؤں میں صرف جلال ایسا تھا جسے پوری بات بتادی گئی تھی۔ ویرا کو بریف کرنے کی ضرورت نہیں تھی مجھے اول خان کا خیال آیا۔ بنکاک آنے کے بعد اس سے سرے سے میری بات نہیں ہوئی تھی۔ اس کے ذریعے مجھے سلمٰی اور جہانگیر کی خیریت بھی مل سکتی تھی ان دنوں وہ اسٹیشن فور کے مہمان تھے۔

اول خان ہم لوگوں کی خیر خواہی میں ہمیشہ پیش پیش رہا تھا، مجھے توقع تھی کہ جلال نے اسے میرے اور غزالہ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا ہوگا۔ اس کی خاطر داری کے لیے مجھے جلد از جلد اس سے بات کرنے کی ضرورت تھی۔

جلال کو ڈان برنارڈ سے ملاقات تک کا احوال بتایا گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ پہلے چاؤ فان سے بات کرلوں تاکہ اول خان کو کچھ اضافی معلومات بھی فراہم کرسکوں۔

فون پر پہلے کسی مقامی کی ہیلو کی آواز سنائی دی۔ میں نے چاؤ فان کا نام لیا تو وہ کوئی نامانوس لفظ کہہ کر غائب ہو گیا۔ اس کال کے لیے میں نے ہوٹل کا فون استعمال کیا تھا، کریڈل دبانے پر لائن منقطع نہیں ہوئی۔ میں ریسیور کان سے لگائے بیٹھا رہا۔ دوسری طرف مکمل سناٹے کا راج تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے فون کے آس پاس کوئی ذی روح موجود نہ ہو۔

طویل انتظار کے بعد ہیلو کی آواز آئی۔ میں نے تائید طلب انداز میں صرف چاؤ فان کا نام دہرایا۔ وہ میرے لہجے سے کوئی اندازہ نہیں لگا سکا۔ اس نے اپنی زبان میں کچھ کہا جو میرے پلے نہیں پڑ سکا۔

''میں صرف انگریزی جانتا ہوں'' میں نے مخاطب کو اپنی مجبوری سے آگاہ کیا۔

''اوہ..... مجھے اندازہ نہیں تھا۔ میں چاؤ بول رہا ہوں'' اس بار اس نے انگریزی میں جواب دیا۔ اس کی گفتگو میں روانی تھی لیکن وہ غلط سلط زبان بول رہا تھا۔

''میں علی ہوں'' میں نے اپنا تعارف کرایا۔

''تمہاری آواز سن کر خوشی ہوئی۔ میں تمہاری کال کا انتظار کر رہا تھا'' اس کی آواز سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی ''میرے لیے کیا حکم ہے ماسٹر!''

اس کا دیا ہوا خود ساختہ خطاب آبرومندانہ تھا۔ فون پر زیادہ بات کرنے سے گریز کرتے ہوئے میں نے کہا ''میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''میں ابھی آجاتا ہوں'' وہ مجھ سے ملنے پر تلا بیٹھا تھا۔

''تمہیں معلوم ہے کہ میں کہاں ہوں؟'' میں نے ہلکی سی ناگواری سے پوچھا۔

''یس ماسٹر! روم چار سو دس، ہلٹن بنکاک!''

اس کی زبان سے اپنے کمرے کا نمبر سن کر میں حیران رہ گیا۔ میرے بارے میں جملہ معلومات ڈان اور اس کے ساتھیوں میں پھیل چکی تھیں۔

''آجاؤ..... لابی سے فون کرکے اپنا نام بتادینا۔''

''او کے ماسٹر۔ یہ یاد رکھنا کہ شناخت کے لیے میرا نام صرف چاؤ ہوگا۔ میں دس منٹ میں پہنچ رہا ہوں۔ ہم کسی پارک میں بیٹھیں گے۔''

میں نے فون بند کردیا۔ یہ اچھا تھا کہ اس نے خود ہی پارک میں بیٹھنے کی تجویز پیش کردی تھی۔ آواز اور لب و لہجے سے وہ مجھے پسندیدہ آدمی نہیں لگا تھا۔ وہ آتا تو میں اسے اپنے کمرے میں ہرگز نہ بٹھاتا۔

غزالہ غائب تھی۔ چاؤ آنے والا تھا۔ میں نے اپنے موبائل فون پر اول خان کے دفتر کا نمبر ملالیا۔ میری خوش قسمتی سے وہ اپنے دفتر میں موجود تھا۔

میری آواز سن کر اس نے اپنی بے پایاں خوشی کا اظہار کیا۔ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد اس نے بتایا کہ جہانگیر اسٹیشن فور کے ایک آرام دہ کمرے میں پڑا پڑا گھبرا گیا تھا اور اپنے گھر جانے کے لیے زور لگا رہا تھا۔

میری دانست میں خطرات ٹل چکے تھے۔ ''کل رات سوبھراج یہاں آگیا ہے۔ وہ ضد کر رہا ہے تو اسے گھر جانے دو'' میں نے کہا۔

''تم وہاں بھی چین سے نہیں بیٹھے۔ اسی کے کھوج میں لگے ہوئے ہو۔''

''یہاں باخبر رہنا میری مجبوری ہے۔ راجن بھی میری نگاہوں میں آنے والا ہے۔''

''ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ ایک دو ہفتوں کے لیے آرام کرو'' اس نے اپنائیت سے مشورہ دیا ''اللہ کا شکر ادا کرو کہ تم یہاں سے بروقت نکل گئے۔ تمہارے دشمنوں نے ایک بار پھر اشتہار بازی کا سلسلہ شروع کردیا ہے۔''

''مجھے معلوم ہے۔ کل فون پر رومنگ کھلنے کے بعد دو مرتبہ جلال کا فون آیا تھا۔ اس سے پتا چلا کہ تم نے اپنا فون ویرا کو دے دیا تھا۔ اب تمہارا نیا نمبر کیا ہے؟''

اول خان نے اپنا نیا موبائل نمبر نوٹ کرادیا۔ اس کے پاس وہی خبریں تھیں جو مجھے جلال سے معلوم ہو چکی تھیں۔ ان میں کوئی نئی بات نہ ہونے کے باوجود میں اس کے تبصروں میں گہری دلچسپی کا مظاہرہ کرتا رہا۔ دوران گفتگو اس کا بھی سارا زور اسی نکتے پر تھا جس کا ذکر جلال کر چکا تھا۔ مجھے تحفظ فراہم کرنے کے لیے

Downloaded from https://paksociety.com

پاکستان سے باہر بھیجا گیا تھا۔ عجلت میں دشمنوں کا پیچھا کرنے کے بجائے مجھے کچھ دنوں کے لیے خاموش ہو کر بیٹھ جانا چاہیے تھا۔

وہ کراچی میں بیٹھ کر مجھے کچھ کرنے یا نہ کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے خلوص کی بنا پر میں اس کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا پھر بات ختم ہو گئی۔

ٹھیک دس منٹ پورے ہونے پر چاؤ کی کال آ گئی۔ وہ قابلِ رشک حد تک وقت کا پابند تھا۔ میں کمرا مقفل کر کے نیچے پہنچ گیا۔

وہ لفٹ سے ذرا دور میرا انتظار کر رہا تھا۔ تھائی فیشن کے مطابق اس کے بدن پر آدھی آستینوں والی بش شرٹ اور جینز نظر آ رہی تھی۔ اس کے کشادہ شانوں پر لمبے لمبے، موٹے موٹے بال بھلے لگ رہے تھے۔ مجموعی طور پر وہ گٹھے ہوئے جسم والا ایک صحت مند شخص تھا۔

اس نے میرے قریب آ کر اپنا نصف نام بتایا۔ میں نے علی کہا اور اندازے کی کسی غلطی کے بغیر باہمی شناخت کا وہ مرحلہ طے ہو گیا۔

''ماسٹر! میرے ساتھ آؤ'' اس نے دونوں ہاتھوں سے ہوٹل کے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور میں اس کے ساتھ ہو لیا۔ راستے میں، میں نے کمرے کی چابی کاؤنٹر پر چھوڑ دی۔

فون پر بات کرتے ہوئے اس کے بارے میں پیدا ہونے والی ناپسندیدگی اس سے بالمشافہ ملاقات کے بعد دور ہو گئی تھی۔ اپنے بشرے سے وہ ملنسار اور وفادار نظر آ رہا تھا۔

ہوٹل کے پورچ میں اس کی کالی اکارڈ ایک کنارے سے لگی کھڑی ہوئی تھی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ وہ بنکاک کا کوئی ٹٹ پونجیا بدمعاش نہیں تھا۔ رہنے سہنے کا ڈھنگ جانتا تھا۔

ہوٹل سے نکل کر اس کی گاڑی تک آتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ باہر کا موسم گرم ہونا شروع ہو گیا تھا۔ گاڑی ٹھنڈی تھی۔ اس کے حرکت میں آتے ہی چاؤ نے ائرکنڈیشنر چلا دیا تھا۔

''کسی پارک میں بیٹھنے کے بجائے ہم گاڑی میں بات کر سکتے ہیں۔ گاڑی کسی ویران سڑک پر لے لو'' ہوٹل کی حدود سے نکل آنے پر میں نے کہا۔

''ماسٹر!'' تم نے میرے دل کی بات کہہ دی۔ آج واقعی گرمی ہے'' اس نے میری تائید کی پھر کہا ''تم آج پانچ گملوں میں پھول کھلانا چاہتے ہو۔''

اس کی وہ پہیلی میرے سر سے گزر گئی ''میں تمہاری بات نہیں سمجھ سکا۔''

''ماسٹر! یہ بنکاک ہے۔ یہاں دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ پانچ گملے راجن کے ہیں۔ تین کلب اور دو کیسینو۔ بم پھٹتا ہے تو باہر بارود کا پھول بنتا ہے۔ فون پر ہم ان اشاروں میں بات کریں گے اور کبھی ڈان کا نام نہیں لیں گے۔''

''ماسٹر میں ہوں اور ہدایات تم دے رہے ہو؟'' میں نے مذاق میں کہا۔

اس نے اسٹیئرنگ چھوڑ کر دونوں ہاتھوں سے اپنے گال چھوئے اور جلدی سے دوبارہ اسٹیئرنگ تھام کر بولا۔ ''ماسٹر! یہ مشورہ ہے، میری یہ ہمت نہیں کہ تم کو ہدایت دے سکوں۔ میں تمہارا اے دام غلام ہوں۔ جو کہو گے وہی کروں گا۔''

''تمہیں سب کچھ بتا دیا گیا ہے۔ مجھے وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔ تمہارا کیا ارادہ ہے..... یہ کام آج ہو جائے گا؟'' میں نے کہا۔

''بھاگ دوڑ کی جائے تو کام آج بھی ہو سکتا ہے۔ اچھا یہ ہوگا کہ مجھے کل تک کی چھوٹ دے دو۔ ہر کام سکون سے ہو جائے گا۔ آج میرے آدمی ان ٹھکانوں کو دیکھ لیں گے۔ کل رات گملوں میں بیج ڈال دیے جائیں گے۔ پرسوں صبح وہاں پھول کھل اٹھیں گے'' وہ کسی جوش یا ہیجان کے بغیر کہہ رہا تھا۔ ''بس ایک گڑبڑ ہے۔ چار گملوں کی طرف سے تم بے فکر ہو جاؤ۔ پانچویں کو چھوڑ دو۔ وہاں بڑے بیم ہوتے ہیں۔ چپے چپے پر محافظ ہوتے ہیں۔ ان کی آنکھ بچا کر کچھ کرنا مشکل ہے۔''

''گولڈن ڈریگن کی بات کر رہے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''تم کو ہر بات معلوم ہے۔ اسے میری لسٹ سے نکال دو۔''

''تمہارے لیے مشکل ہے تو اسے میں خود دیکھ لوں گا۔''

''ماسٹر! جو کام میرے لیے مشکل ہے۔ وہ تمہارے لیے بھی مشکل ہوگا'' اس نے مجھے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے زور دے کر کہا۔

''سب ہلکی قوت کے آتش گیر بم ہوں گے تاکہ ان کے پھٹنے سے زیادہ تباہی نہ ہو'' میں نے اس کی بات سنی ان سنی کر کے کہا ''ہر جگہ ایک بم رکھا جائے گا۔ دو ٹائم بم مجھے دے دو۔''

''گولڈن ڈریگن کے لیے؟'' اس نے بے کسی سے پوچھا۔

''ہاں، میرا بس چلے تو میں وائٹ ہاک کو بھی نہ چھوڑوں۔ شہر کے ہر ٹھکانے پر کچھ نہ کچھ ہونا ضروری ہے۔ یہ میری انا کا مسئلہ ہے۔ اسے میں خود سنبھال لوں گا۔ باقی چار ٹھکانوں کی ذمے داری تمہاری ہے۔ جو کہا ہے وہ ہو جانا چاہیے۔''

''اور وقت کے لیے کیا کہتے ہو؟'' اس نے بے جان آواز

Downloaded from https://paksociety.com

میں سوال کیا۔

''آج کا دن لے لو اور اس وقت مجھے دور سے گولڈن ڈریگن دکھادو۔''

وہ منہ سے کچھ نہیں بولا۔ سر ہلا کر رہ گیا۔ گولڈن ڈریگن کے بارے میں اس نے مجھ سے بحث کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ میرے ساتھ اس طرح پیش آرہا تھا جیسے میں واقعی اس کا آقا ہوں۔

''ٹائم بم مجھے کب ملیں گے؟'' کچھ دیر بعد میں نے سکوت توڑا۔

''اپنی سیٹ کے نیچے ہاتھ ڈال کر کینوس کا تھیلا نکال لو۔ اس میں دو پاؤنڈ بارودی طاقت والے پانچ ٹائم بم موجود ہیں'' اس نے سڑک سے نظریں ہٹائے بغیر جواب دیا۔

میرے بدن میں بے اختیار سنسنی کی لہر دوڑ گئی۔ یہ خیال روح فرسا تھا کہ میں ایک اجنبی کے ساتھ بارود کے ڈھیر پر بیٹھا ہوا تھا۔

ہتھیار اور گولا بارود میرے لیے نئے نہیں تھے۔ اول خان کی گاڑی میں ہر وقت ایسے بیسیوں شعبدے پڑے رہتے تھے اور میں بے فکر ہو کر اس کے ساتھ سفر کرتا تھا مگر چاؤ فان، اول خان سے بہت مختلف تھا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ بارودی بموں کے بارے میں اسے کتنی معلومات حاصل تھیں۔

''تم اتنی غیر ذمے داری سے ٹائم بم اپنے ساتھ لے کر گھوم رہے ہو؟'' میں نے ترشی سے کہا۔

''ماسٹر! سب کے ٹائمر آف ہیں۔ وہ خود سے آن نہیں ہو سکتے'' اس نے مدافعانہ لہجے میں وضاحت کی ''میں تیاری کے ساتھ پانچ ٹائم بم لے کر نکلا تھا۔ اگر تم ایک دن کی مہلت دینے پر راضی نہ ہوتے تو مجھے اسی وقت سے کام شروع کرنا ہوتا۔ ہم اپنے آدمیوں کے حوالے کر کے انہیں بریف کرنا ہوتا۔ ان کے ٹائمر صرف بارہ گھنٹے کے ہیں۔ صبح کے دھماکے کے لیے انہیں رات گئے آن کرنا ضروری ہے۔ کوئی آدمی وقت سے پہلے ٹائمر آن کر دے تو خود دھماکے سے اڑ سکتا ہے.....''

''یہ باتیں مجھے معلوم ہیں۔ انہیں دہرانے کی ضرورت نہیں'' میں نے اس کی بات کاٹ کر اسے خاموش کر دیا۔ سیٹ کے نیچے ہاتھ ڈال کر میں نے وزنی تھیلا نکالا، پائیدان میں اس کی زپ کھولی اور سیاہ پلاسٹک کی ایک وزنی ڈبیا باہر نکال لی۔

وہ خاصے قیمتی بم تھے۔ ان کے پچھلے حصے پر گول اور شفاف پلاسٹک کے نیچے سرخ اور سیاہ رنگ کی دو گھنڈیاں لگی ہوئی تھیں۔ سیاہ بٹن وقت کے تعین کے لیے تھا۔ سرخ بٹن سے ٹائمر کو آن کیا جا سکتا تھا۔ اس بم کو صبح گیارہ بجے سیٹ کرنے کے لیے ضروری تھا کہ سیاہ بٹن سے بارہ گھنٹے کا وقت مقرر کر کے سرخ بٹن رات کے گیارہ بجے کے بعد آن کیا جائے۔ مہم کی مخصوص نوعیت کی وجہ سے کم مدت کے ٹائمر والے سستے بم کسی مصرف کے نہ ہوتے۔

میں نے چاؤ کے تھیلے سے ایک اور ڈبیا نکال کر اپنی گود میں رکھی اور تھیلا بند کر کے واپس سیٹ کے نیچے سرکا دیا۔

''یہ دونوں ٹائم بم تم اسی طرح لے جاؤ گے؟'' چاؤ نے ہراساں ہو کر پوچھا۔

''کوئی کھیلا ہے تو دے دو ورنہ ایسے بھی لے جا سکتا ہوں'' میں نے اسے مرعوب کرنے کے لیے بے پروائی سے جواب دیا۔

اس نے اپنی سمت کے دروازے کی جیب سے گاڑی صاف کرنے والا بڑا سا کپڑا نکال کر جلدی سے میری طرف بڑھا دیا۔

میں نے دونوں بموں کو احتیاط کے ساتھ کپڑے میں لپیٹ کر اپنے قدموں میں رکھ لیا۔

''ماسٹر! میری بات مان لو۔ گولڈن ڈریگن کو فی الحال بھول جاؤ'' کچھ دیر کے بوجھل سکوت کے بعد چاؤ نے فکرمندانہ آواز میں کہا ''مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے یہ کام اپنے ہاتھ میں لے کر تم میری سات پشتوں پر لعنت ملامت کر رہے ہو۔ میں ڈرپوک نہیں ہوں۔ وہاں موجود خطرات نے میرا حوصلہ پست کیا ہے۔ وہاں ایک آدمی پکڑا گیا تو سارا کھیل خراب ہو جائے گا۔''

''تم اس بارے میں خاموش رہو تو زیادہ بہتر ہوگا'' میں نے نرمی سے جواب دیا ''مجھے خودکشی کا شوق نہیں ہے۔ بہت زیادہ خطرہ نظر آیا تو میں خاموشی سے لوٹ آؤں گا۔''

وہ خاموش ہو گیا لیکن اس کے چہرے پر فکرمندی کی علامات واضح تھیں۔

چاؤ کی گاڑی بنکاک کی غیر مصروف سڑکوں کو چھوڑ کر دوبارہ مصروف علاقے میں داخل ہو رہی تھی۔ مجھے امید تھی کہ چاؤ کو گولڈن ڈریگن کی طرف سے نکلنا یاد ہوگا۔

کچھ دیر بعد ہم شہر کے تفریحی علاقے سے گزر رہے تھے جہاں عمارتوں پر بڑے بڑے نیون سائن لگے ہوئے۔ اس وقت ان عمارتوں پر ویرانی کا راج تھا لیکن قرب و جوار میں انسانوں کی خاصی ریل پیل تھی۔ لوگوں کو ایک دوسرے سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ سب اپنی دھن میں چلے جا رہے تھے۔

''ماسٹر! آگے بائیں ہاتھ پر پانچواں گملا آئے گا'' چاؤ نے مجھے آگاہ کیا ''میں وہاں سے گاڑی سست رفتار سے گزاروں گا۔ جگہ اچھی طرح دیکھ لینا۔''

گولڈن ڈریگن قدیم طرز کی دو منزلہ اور پرشکوہ عمارت تھی۔ عمارت کی چھت پر ڈریگن کا بہت بڑا خاکہ لگا ہوا تھا جو رات میں دور سے جگمگاتا ہوا نظر آتا ہوگا۔ عمارت کا داخلی برآمدہ بہت وسیع

Downloaded from https://paksociety.com

تھا۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ کم حیثیت افراد ادھر کا رخ کرنے کی ہمت بھی نہیں کر سکتے تھے۔

گولڈن ڈریگن پیچھے رہ گیا تو چاؤ نے اس کے بارے میں کوئی بات کرنے کے بجائے ایک نیا ذکر نکال لیا اور پوچھا ''ماسٹر! ہلٹن میں تمہارا دل لگ رہا ہے؟''

''رہنے کے لیے اچھی جگہ ہے'' میں نے سرسری سا تبصرہ کیا۔

''مجھے بڑے بڑے ہوٹل، روکھے پھیکے اور بناوٹی نظر آتے ہیں۔'' اس نے اپنی رائے کا اظہار ضروری سمجھا ''یہ امیروں کے چونچلے ہیں۔ بنکاک میں لندن جیسے ہوٹل میں رہنا ہے تو پھر بنکاک آنے کی کیا ضرورت ہے۔ لندن میں رہو۔ بنکاک کا اصل مزہ گیسٹ ہاؤسز میں آتا ہے۔ جہاں بھانت بھانت کے لوگ مقامیوں سے مل کر رہتے ہیں۔''

''وہاں دوسرا گند بھی بہت ہوتا ہوگا؟'' میں نے کہا۔

''بالکل ہوتا ہے..... دنیا بھر میں ہوتا ہے'' اس نے اعتراف کیا ''یہاں کے فیملی گیسٹ ہاؤسز بہت صاف ستھرے ہوتے ہیں۔ کمپنی کے ساتھ تازہ گھریلو کھانے ملتے ہیں۔ یہاں رہنے کا مزہ اٹھانا ہے تو ماسٹر! میں کہتا ہوں جگہ بدل لو۔''

''میں تمہاری تجویز پر غور کروں گا'' میں نے اسے ٹال دیا۔

''ماسٹر! کھاؤ سان روڈ یہاں کا دل ہے۔ کہو گے تو وہاں بندوبست کرا دوں گا۔ میں اپنے دوستوں کو وہیں ٹھہراتا ہوں۔''

ہو سکتا ہے کہ اس کی تجویز معقول رہی ہو۔ سیاحت کا صحیح لطف مقامیوں میں گھل مل کر ہی آتا ہے۔ مگر میں وہ خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ ہماری نقل و حرکت دوسرے مقامیوں کی نظروں میں آنے سے ہمارے لیے دشواریاں پیدا ہو سکتی تھیں۔ ہمیں سیاحت سے زیادہ اپنے دوسرے اہداف سے دلچسپی تھی۔ ان کے حصول کے لیے بہتر یہی تھا کہ ہم ہلٹن میں سب سے الگ تھلگ رہ کر اپنا کام کرتے رہیں۔ سوبھراج کا قصہ نمٹ جانے کے بعد حالات اجازت دیتے تو سیاحت کے پہلو پر بھی غور کیا جا سکتا تھا۔

ہوٹل کے قریب پہنچنے پر چاؤ نے مجھے اپنا موبائل فون نمبر لکھواتے ہوئے وعدہ کیا کہ وہ رات کو فون پر مجھے اپنی کارکردگی کی رپورٹ دے گا۔ اس وقت ہم اگلے دن کے لیے کچھ طے کر سکتے تھے۔

ہوٹل کے پورچ میں اس کی گاڑی سے اترتے ہی گرم ہوا کے جھونکوں نے میرا استقبال کیا۔ میں ٹائم بموں والے پیکٹ کو سنبھال کر تیزی سے ہوٹل میں گھس گیا۔

چیک ان کاؤنٹر کے پیچھے، دیوار پر آویزاں کی بورڈ پر کمرا نمبر چار سو دس کی جگہ خالی تھی۔ غزالہ یقینی طور پر کمرے میں واپس آ چکی تھی۔

غزالہ میرے انتظار میں پریشان اور متفکر تھی۔ میرے پہنچتے ہی اس نے شکایتی سوالات کی بھرمار کر دی۔ میں اس سے بچتا ہوا ڈریسنگ ٹیبل کی طرف گیا اور کپڑے میں لپٹے ہوئے ٹائم بم احتیاط سے وہاں رکھ دیے۔

''آپ یہ کیا اٹھا لائے؟'' پیکٹ کو دیکھ کر غزالہ اپنے سارے شکوے بھول گئی۔

''چاؤ فان کے دیے ہوئے ٹائم بم ہیں جو کل گولڈن ڈریگن میں پہنچانے ہیں'' میں نے مسہری پر گر کر ہنستے ہوئے جواب دیا۔

''چاؤ فان کون ہے؟ آپ تو ڈان برنارڈ سے ملنے گئے تھے۔''

مجھے یاد آیا کہ اسد کے ساتھ ہوٹل سے روانہ ہونے کے بعد وہ غزالہ سے میری پہلی ملاقات تھی۔ میں واپس آیا تو وہ باہر نکلی ہوئی تھی۔ میں نے اسے ابتدا سے سب کچھ بتانا شروع کیا۔

اپنی ٹولی سے بچھڑ جانے کے بعد وہی میری ہم دم اور ہم ساز رہ گئی تھی۔ ہر قسم کے برے بھلے مشورے بھی اسی سے مل سکتے تھے اور حالات سے واقف رہنا اس کا حق بھی تھا۔

میری روداد اس کے لیے دلچسپ ثابت ہوئی لیکن اسے اس بات کا رنج تھا کہ میں اپنے لیے گولڈن ڈریگن کی ایک ذمے داری سمیٹ لایا تھا۔

''جب تک یہ ہم یہاں رہیں گے، میری جان سولی پر ٹنگی رہے گی'' غزالہ بولی ''انہیں کل استعمال کرنا تھا تو آج یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی؟''

''مجبوری تھی۔ چاؤ یہ مال گاڑی میں لے کر آیا تھا'' میں نے بتایا ''اگر ان کو گرایا نہ جائے تو یہ موجودہ حالت میں بالکل بے ضرر ہیں۔''

''یہاں آپ دونوں بم لے آئے۔ کراچی میں ہوتے تو ان بموں کی وجہ سے ہوٹل کے گیٹ پر ہی دھر لیے گئے ہوتے۔ آپ نے بہت خطرناک کام کیا ہے۔''

کراچی میں ایسا ہونا واقعی ناممکن تھا۔ شہر میں بیرونی قوتوں کی دن بدن بڑھتی ہوئی چیرہ دستیوں کی وجہ سے ہر اہم عمارت میں سیکیورٹی کے ایسے فول پروف انتظامات کیے گئے تھے کہ کسی بارودی یا مشتبہ چیز کے ساتھ ان عمارات میں داخلہ ناممکن ہو کر رہ گیا تھا۔ بنکاک میں حالات اتنے خراب نہیں تھے۔ مجھے اس کا فائدہ مل گیا تھا۔

''میں کہتی ہوں کہ آپ اب بھی یہ بم چاؤ کو لوٹا دیں۔ جب

Downloaded from https://paksociety.com

وہ آپ کو وہاں جانے سے خود روک رہا ہے تو آپ اس کام پر کیوں مصر ہیں۔ راجن کے چار ٹھکانوں پر ہونے والے دھماکے اسے حواس باختہ کرنے کے لیے کافی ہوں گے۔''

''اس بارے میں مزید بحث بے سود ہے' میں فیصلہ کر چکا ہوں۔ اسے تبدیل کرنا ناممکن ہے۔ میں کل وہاں ضرور جاؤں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ وہاں کوئی موقع میسر نہ ہوا تو یہ دونوں بم ہمارے ساتھ واپس آجائیں گے۔''

غزالہ کو میرے مزاج کا بخوبی اندازہ تھا، اس نے وہ بات وہیں ختم کردی۔

ہمارے درمیان گولڈن ڈریگن ممنوعہ موضوع قرار پا چکا تھا لیکن وقفے وقفے سے ہمارے درمیان دوسرے واقعات اور نئے کرداروں کے بارے میں تبادلۂ خیال ہوتا رہا۔ غزالہ کی نپی تلی رائے تھی کہ بنکاک آنے کے بعد ہمارے کام کی رفتار سست ہونے کے بجائے زیادہ تیز ہوگئی تھی۔ راجن کے خلاف ڈان کے منفی جذبات اور سوبھراج کی آمد نے جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔

میرے ذہن میں یہ بات جاگزیں ہوچکی تھی کہ جب تک دونوں ٹائم بم ٹھکانے نہ لگ جاتے، ہوٹل کے کمرے کو خالی چھوڑنا مناسب نہیں تھا۔ کمروں کی صفائی پر مامور عملے کا ذرا سا تجسس ہمارا پورا کام بگاڑ سکتا تھا۔ اس خدشے کے پیش نظر میں نے دوپہر کا کھانا کمرے میں منگوایا اور پھر شام کی چائے بھی وہیں منگوالی۔ میں نے غزالہ کو ہدایت کردی تھی کہ مجھے کسی کام سے باہر جانا پڑے تو وہ کمرے کو اکیلا چھوڑ کر کہیں نہ جائے۔

سات بجے اسد آگیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک وزنی تھیلا تھا جس سے اشتہا انگیز خوشبوئیں پھوٹ رہی تھیں۔ کمرے میں آتے ہی اس نے وہ تھیلا میز پر رکھ دیا۔

''تم یہ کیا اٹھالائے؟'' سلام دعا کے بعد غزالہ نے اس سے سوال کیا۔

''امپیریل تارا ہوٹل سے ڈنر کا سازوسامان لے کر آیا ہوں' اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا'' مجھے وہاں کے کھانے بہت پسند ہیں۔ جبری تجرد کی دوسالہ زندگی گزار کر میں نے صرف یہ دریافت کیا ہے کہ بنکاک میں ہم لوگوں کے مطلب کے کھانے کہاں کہاں ملتے ہیں۔ ہندوؤں اور سکھوں نے چٹخاروں کے لحاظ سے بنکاک کو دہلی کے ساتھ لا کھڑا کیا ہے۔''

''ابھی تھیلا کھلے گا تو تمہارے ذوق کا اندازہ ہوجائے گا..... یہ بتاؤ کہ تم آج دن بھر کہاں غائب تھے؟ صبح کے بعد اب نظر آئے ہو۔''

''روٹین کی کچھ رپورٹیں وغیرہ اسلام آباد بھیجنا تھیں۔ اس کے بعد میں سوبھراج کے چکر میں لگا۔ اس کے بارے میں کہیں سے کوئی خبر نہیں مل رہی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس کے یہاں پہنچتے ہی اسے زمین نگل گئی ہو۔''

سوبھراج اپنے عروج کے دنوں میں بنکاک آتا تھا تو اس معزز پاکستانی سیاست داں کی مہمان داری کے سلسلے میں اسد کا شہر کے بہتیرے لوگوں سے رابطہ رہتا تھا۔ اس نے ایک ایک کرکے ان سب کو ٹٹول لیا تھا لیکن سوبھراج کی آمد کے بارے میں کہیں سے کوئی خبر نہیں مل سکی تھی۔ اس نے خود اسے بنکاک میں اترتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو ہمیں کانوں کان بھی پتا نہ چلتا کہ ہمارا سب سے بڑا حریف شہر میں وارد ہو چکا ہے۔

قرائن بتا رہے تھے کہ پاکستان میں ہوا خیزی کے بعد سوبھراج نے ذہنی طور پر اپنے زوال کو تسلیم کرلیا تھا۔ وہ سینہ تان کر وہاں آنے کے بجائے خاموشی سے آیا تھا اور راجن کے گھر میں پناہ گزین ہوگیا تھا۔ وہاں سے اس کے بارے میں کسی خبر کا باہر آنا ممکن نہیں تھا۔

''وہ اسی طرح وہاں دبکا رہا تو ہمیں اس قلعے کو سر کرنے کے بارے میں سوچنا ہوگا'' وہ سب سن کر میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔

''ایک بار اس گھر کو دیکھ لو گے تو اندازہ ہوجائے گا کہ یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔ یہ بتاؤ کہ اب ڈان کہاں تک تعاون کرنے پر آمادہ ہے' اپنی روداد سناتے سناتے اسد کو اچانک ڈان برنارڈ کا خیال آگیا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ میرے ساتھ فٹ بال ہو رہی ہے'' میں نے ہنس کر جواب دیا'' تم نے ڈان کی طرف لڑھکایا تھا۔ اس نے چاؤفان کی طرف بڑھادیا۔ وہ جی دار آدمی معلوم ہوتا ہے۔''

''ڈان نے تمہیں صحیح آدمی سے ملایا ہے'' اس نے پرجوش لہجے میں کہا'' وہ بنکاک کا بہت خطرناک بدمعاش ہے۔ ہر ایک کے اثر سے آزاد رہ کر اپنی سنڈیکیٹ چلا رہا ہے۔ وہ چاہے تو تمہیں لڑنے والوں کا پورا لشکر فراہم کرسکتا ہے۔''

میرے لیے یہ بات حوصلہ افزا تھی کہ چاؤ کا نام اسد کے لیے نیا نہیں تھا۔ بنکاک کی زیرزمین دنیا کے بارے میں اس کی معلومات قابل رشک تھیں۔

چاؤ کا ذکر آیا تو اسد تفصیلات جاننے کے لیے بے چین ہوگیا۔ اسے یہ اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ بات ایک سے دوسرے آدمی تک پہنچ گئی تھی۔

میرے لیے تفصیلات دہرانا مشکل تھا۔ میرے اشارے پر غزالہ نے اسے شروع سے ہر بات بتانی شروع کردی۔ گولڈن ڈریگن کا ذکر کرنے سے پہلے اس نے اسد کو یہ بتادیا کہ میں اس بارے میں ایک فیصلہ کرچکا تھا اور اس پر کوئی تنقید سننے کے لیے

Downloaded from https://paksociety.com

تیار نہیں تھا۔

غزالہ سے سب کچھ سن لینے کے بعد وہ تیر کی طرح ڈریسنگ ٹیبل کی طرف گیا اور احتیاط سے کپڑا ہٹا کر ایک چوکور ٹائم بم اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

تیز روشنی میں کئی منٹ تک اس کا جائزہ لینے کے بعد اس نے بم واپس رکھتے ہوئے انکشاف کیا کہ اس پر ساخت کے بارے میں کوئی نشان نہ ہونے کے باوجود اسے شبہ تھا کہ وہ امریکی ساختہ تھا اور اپنے وزن کے اعتبار سے خاصا تباہ کن ثابت ہو سکتا تھا۔

بنکاک میں مستقل بنیادوں پر ایک فوجی اڈا قائم تھا جس کی ضروریات پوری کرنے کے لیے شہر سے دور ایک بھاری اسلحہ ڈپو بھی موجود تھا۔ اسد کی اطلاعات کے مطابق بہت سے امریکی سپاہی فاضل رقم کے لالچ میں ہتھیار اور اسلحہ چرا کر شہر کے گنے چنے لوگوں کے ہاتھوں بیچ دیتے تھے جو بعد میں چور بازار میں دستیاب ہوتا تھا۔

چوروں کے لیے چور بازار تک رسائی دشوار نہیں تھی۔ چاؤ نے اپنی ضرورت کے تحت وہ بم ایسے ہی کسی ذریعے سے خریدے تھے۔ اسد کی رائے میں گولڈن ڈریگن میں محدود تباہی پھیلانے کے لیے ایک آتش گیر بم کافی تھا۔ دونوں کے بیک وقت استعمال کے نتیجے میں جوئے خانے کی عمارت سنگین نقصان سے دوچار ہو سکتی تھی۔

غزالہ نے روم سروس کے عملے سے کچھ مشروبات کے ساتھ خالی پلیٹیں اور ڈشیں منگوالی تھیں۔ وہ اسد کا لایا ہوا کھانا میز پر لگانے کے ساتھ ہماری باتوں میں بھی حصہ لے رہی تھی۔

کھانے کے دوران میں زور و شور سے گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ اس دوران میں اسد نے ایک عمدہ تجویز پیش کی کہ وہ شہر سے کسی اچھی گاڑی کا بندوبست کر کے ڈرائیور کی حیثیت سے ہمارے ساتھ گولڈن ڈریگن جائے تاکہ اپنا کام پورا کرنے کے بعد ہمیں وہاں سے واپسی میں کوئی دشواری نہ ہو۔

میری مہم کے لیے وہ نکتہ بہت اہم تھا۔ کچھ پتا نہیں تھا کہ گولڈن ڈریگن میں کیا حالات پیش آتے۔ وہاں ہماری اپنی گاڑی موجود ہوتی تو ہم کسی بھی وقت سرعت سے وہاں سے نکل سکتے تھے۔

بات طے ہو گئی۔ ٹائم بم ایک استعمال کیا جانا تھا۔ اس کو آن کرنے کے لیے رات کے گیارہ بجے کے بعد کا وقت ضروری تھا اس لیے یہ پروگرام بنالیا گیا کہ اسد گاڑی لے کر دس بجے ہمارے ہوٹل آ جائے۔ وہاں سے گولڈن ڈریگن کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔

اسد ہنس مکھ اور خوش اخلاق آدمی تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ اس دوران میں غزالہ نے مجھے یاد دلایا کہ میں نے گولڈن ساتھ اس کے ساتھ ہماری ذہنی ہم آہنگی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اسے بھی ہمارے کمرے میں گھر کا سا ماحول مل رہا تھا۔ وہ جم کر ہمارے ساتھ بیٹھا باتیں کرتا رہا۔ دو سالہ جمود کے بعد کوئی بڑا کام شروع ہونے کی وجہ سے وہ خاصا پرجوش نظر آ رہا تھا اور ہمیں درپیش مہم کے ہر پہلو پر باریک بینی کے ساتھ بات کر رہا تھا۔

کھانے کے بعد چائے کا دور چلا۔ گیارہ بجے دور رخصت ہو گیا۔ ہم دونوں بھی کپڑے بدل کر بستر پر دراز ہو گئے۔

غزالہ کے ذہن پر کمرے میں رکھے ہوئے ٹائم بموں کا خوف سوار تھا۔ پھر بھی مجھ سے پہلے اس کی آنکھ لگ گئی۔ میں بستر پر لیٹا خاموشی سے آنے والے دن کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

ایک بجے یکا یک میرے موبائل فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ غزالہ کی نیند میں خلل پڑنے کے خوف سے میں نے جلدی سے فون اٹھایا لیکن وہ بے جان ہو چکا تھا۔

اس وقت میرے ذہن پر اس متوقع تصادم کے مسائل سوار تھے جو راجن اور سوبھراج کے ساتھ ہونے والا تھا۔ ایک گھنٹی بج کر فون بند ہونے سے مجھے تشویش ہونے لگی۔ نہ جانے وہ کون تھا جو اتنی رات گئے مجھے ہراساں کرنا چاہ رہا تھا۔

میں نے بٹن دبا کر کال کرنے والے کا فون نمبر دیکھا اور میری ہڈیاں تک سنگ اٹھیں۔ اسکرین پر اول خان کا فون نمبر میرا منہ چڑا رہا تھا۔ وہ نمبر اس وقت ویرا کے استعمال میں تھا۔

وہ امریکا میں بیٹھی ہوئی تھی مگر اپنی حرکتوں سے باز نہیں آ رہی تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ وہ ہمارے سونے کا وقت تھا۔ اس نے جان بوجھ کر ہمارے آرام میں خلل انداز ہونے کی کوشش کی تھی۔

وہ اپنی رات کی نیند پوری کر چکی تھی۔ دوبارہ مجھے ستانے کی کوشش کر سکتی تھی۔ میں نے فون بند کر کے تپائی پر رکھ دیا۔

رات گزر گئی، اگلا دن پرسکون انداز میں شروع ہوا۔ اسد کو شام کو گاڑی لے کر ہمارے پاس آنا تھا۔ صبح اس نے چکر لگانے کے بجائے فون کرنے پر اکتفا کیا۔ دوپہر کو چاؤ کا فون آیا اور اس نے اطلاع دی کہ گملوں میں بیج اگانے کے لیے اس نے اپنے چار ہوشیار مالیوں کو مامور کر دیا تھا۔ اس نے جھجکتے ہوئے میرے پروگرام کے بارے میں سوال کیا۔ میں نے خنک لہجے میں اسے بتا دیا کہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ پانچواں گملا میرا تھا۔

آدمی مصروف ہو تو وقت اتنی تیزی سے گزرتا ہے کہ اس کا اندازہ نہیں ہو پاتا۔ انتظار میں وہی لمحات اتنے طویل ہو جاتے ہیں کہ ایک ایک پل گزارنا دشوار ہو جاتا ہے۔ دن ڈھلنے کے ساتھ میرے اعصاب پر ہلکی سی بے چینی سوار ہوتی جا رہی تھی جو انتظار کے تناؤ کا نتیجہ تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

ن میں ایک بم استعمال کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ دوسرے بم کو
سے پہلے کہیں چھپانا ضروری تھا۔ اسے کمرے میں چھوڑنے
مرہ مول نہیں لیا جاسکتا تھا۔
وہ مسئلہ اہم تھا۔ چند لمحوں کے لیے میں چکرا گیا۔ اس وزنی
و بلاوجہ ساتھ لے کر گھومنا مناسب نہیں تھا۔ اچانک میرے
میں اس مسئلے کا حل آ گیا۔
اس رات اسد کی لائی ہوئی گاڑی ہمارے استعمال میں
فاضل بم اس میں چھوڑا جاسکتا تھا۔ بعد میں اسد وہ بم اپنے
لے جا کر محفوظ کر لیتا۔ ضرورت پیش آنے پر اسے دوبارہ
ں کیا جاسکتا تھا۔ نو بجے ہم دونوں نے گولڈن ڈریگن جانے
لیے تیاری شروع کر دی۔
غزالہ پاکستان میں ہمیشہ پاکستانی لباس میں رہتی تھی۔ اس
ہ دوپہر میں بازار گئی تھی تو اپنے لیے کچھ قمیصیں اور پتلونیں
ئی تھی، وہ کپڑے زیب تن کرنے کے بعد غزالہ کی سج دھج ہی
ئی۔ سیاہ ہم رنگ پھولوں والے لباس اور گلے میں اسکارف
ساتھ وہ پاکستانی تو کیا ایشیائی بھی نہیں لگ رہی تھی۔ اس کے
ہوئے رنگ روپ پر ہلکے سے میک اپ نے رہی سہی کسر
پوری کر دی تھی میں نے اسے دیکھا اور دیکھتا رہ گیا۔
''کیا میرے سر پر سینگ نکل آئے ہیں جو مجھے اتنے غور
سے گھورے جا رہے ہیں۔'' اس نے میری شوخ اور تیز نظروں
سے بے آرام ہو کر کہا۔
''میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ یہاں آ کر تم نے بھی پر پرزے
نکال لیے ہیں۔ اس وقت تم سراپا قیامت لگ رہی ہو۔ ایسا نہ ہو
کہ تمہاری وجہ سے وہاں کسی سے میری جھڑپ ہو جائے۔''
''معزز اور باوقار نظر آنے کے لیے یہ سب ضروری
تھا۔'' میری بالواسطہ تعریف پر اس نے خوش ہوتے ہوئے
کہا۔ ''میں نے یہ کپڑے خریدے تو میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں
تھا کہ آج مجھے آپ کے ساتھ گولڈن ڈریگن جانا پڑے گا۔''
غزالہ بہرحال عورت تھی، ذاتی زیبائش اس کا فطری حق تھا
مگر مجھے مرد ہوتے ہوئے بھی اپنے لباس پر خاص توجہ دینی پڑی۔
ٹائم بم کو اپنے لباس میں چھپا کر لے جانے کے لیے کوٹ کا
استعمال ناگزیر نظر آ رہا تھا۔ میں نے ایک وزنی ڈبیا کوٹ کی
اندرونی جیب میں رکھ کر آئینے میں جھول وغیرہ کا جائزہ لیا اور اس
رات سوٹ پہننے کا فیصلہ کر لیا۔

میرے نسوانی حسن کا راز
قدرتی جڑی بوٹیوں پر برسہابرس کے تجربے اور تحقیق کے بعد ایک نئی ایجاد بلوسم بریسٹ یونانی کریم جو بریسٹ کے ٹشوز کو سخت کر کے اُبھار لاتی ہے۔
بلوسم
بریسٹ یونانی کریم
قیمت =/150
ٹ کے چھوٹے پن میں اضافہ کر کے پروقار شخصیت کا مالک بناتی ہے کھوئی ہوئی نسوانی خوبصورتی کو دوبالا کرتی ہے

ٹ کوٹ:
خواجہ اسٹور ایمپریس مارکیٹ صدر کراچی
صدر سپر بازار اسٹور ایمپریس مارکیٹ صدر کراچی
مسلم جنرل اسٹور لیاقت مارکیٹ ٹیلر کراچی
ابراہیم برادرز لیاقت مارکیٹ ٹیلر کراچی
روس سپر بازار اسٹور ۱۰ اسٹاپ اسکوائر ریتی روڈ کراچی۔
قمری اسٹار جنرل اسٹور صدر پیپلز چوک ریگل ٹاور حیدرآباد
نیو فرینڈلی دواخانہ نزد ریڈیو اسٹیشن
حافظ سپر بازار بکل کمپنی پیر روڈ لاڑکانہ
ڈسٹری بیوٹرز:
بادشاہ دی ہٹی ڈھوک کھبہ راولپنڈی ۔ مشورہ مفت 5502903
مقیم الدین برادرز کچی گلی نمبر ۱ ڈیمو ہال کراچی۔ فون: 2433682 ☐ ریاض محمود 69 نیو عالمگیر مارکیٹ شاہ عالم لاہور۔ فون: 7666264
باب الاشفاء دواخانہ اندرون بخاری مارکیٹ گھنٹہ گھر ملتان۔ فون: 574058 ☐ شاہی طبی دواخانہ بوہڑ بازار راولپنڈی۔ فون: 5505519
گھر بیٹھے بذریعہ ڈاک وی پی پارسل منگوانے کے لئے
حکیم اینڈ سنز۔ پوسٹ بکس 2159، کراچی۔ 74600 پاکستان

Downloaded from https://paksociety.com

اسد اپنے وعدے کے مطابق گاڑی لے کر دس بجے آ گیا۔ انٹر کام پر اس کی آمد کی اطلاع ملتے ہی ہم نے کمرا چھوڑ دیا۔ فاضل ٹائم بم غزالہ کے وینٹی بیگ میں رکھ لیا گیا تھا۔

اسد نے ہم دونوں کو دیکھا اور بے اختیار مسکرا دیا ''اب کوئی مائی کا لال تم دونوں کو وہاں سے نہیں لوٹا سکے گا۔ دونوں ایک دوسرے کی شان بڑھا رہے ہو۔''

سفر مختصر تھا۔ میں نے راستے میں فاضل ٹائم بم اسد کے حوالے کر دیا۔ ذرا سی دیر میں ہماری گاڑی گولڈن ڈریگن کے سامنے جا رکی۔ برآمدے سے ایک پستہ قامت آدمی لپک کر گاڑی کی طرف آیا اور میری سمت کا دروازہ کھول کر ادب سے کھڑا ہو گیا۔ اسد نے پیشہ ور ڈرائیور کی طرح اتر کر غزالہ کا دروازہ کھول دیا۔

ہم دونوں اتر کر برآمدے کی طرف بڑھے۔ وہاں موجود دربان نے ہمارے لیے دروازہ کھول دیا۔ میں نے برآمدے میں گھستے ہی یہ نوٹ کیا تھا کہ کیسینو میں بڑے گلے کثرت سے رکھے ہوئے تھے۔

داخلی زینوں کے قریب رکھی ہوئی تختی سے پتا چلا کہ کیسینو کی اوپری منزل بھری ہوئی تھی وہاں داخلہ بند تھا۔ میں نے کاؤنٹر سے دو ہزار بھات کے ٹوکن خریدے اور غزالہ کے ساتھ ہال میں داخل ہو گیا جہاں مخصوص بوجھل ماحول میں ہر طرف رقموں کی بازیاں لگی ہوئی تھیں۔

وہاں کارڈز اور بلیرڈ سے لے کر مشینوں پر رقمیں لگ رہی تھیں۔ ہال کی فضا میں الکحل اور تمباکو کی تیز بو رچی ہوئی تھی۔ ہال مردوں اور عورتوں سے بھرا ہوا تھا۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ وہاں جوڑوں کے علاوہ پیشہ ور لڑکیوں اور عورتوں کی خاصی تعداد بھی موجود تھی۔

ہال کے کئی گوشوں میں پودوں کے گملے نظر آ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے راجن کو پھولوں اور پودوں کے استعمال کا خبط ہو۔ عین ممکن تھا کہ چاؤ نے اسی وجہ سے راجن کے ٹھکانوں کے لیے پھولوں اور گملوں کے استعارے استعمال کیے ہوں۔

میں غزالہ کے ساتھ ایک رولیٹ مشین پر رک گیا۔ وہاں آنے کا جواز پیدا کرنے کے لیے کام کرنے سے پہلے کچھ رقم گنوانی ضروری تھی۔ ہم دونوں مشین پر کافی دیر تک مختلف نمبروں پر ٹوکن لگاتے رہے۔ ہمارے ستارے یاور نہیں تھے۔ ٹوکن تیزی کے ساتھ ختم ہوتے رہے۔

تقریباً پون گھنٹے میں ہمارے ہاتھ خالی ہو چکے تھے۔ میں ہال کے دور افتادہ گوشے کی طرف بڑھ گیا جہاں میزوں پر لوگ خورونوش میں مصروف تھے۔

ایک خالی میز پر قبضہ جمانے کے بعد میں نے خوبرو ویٹرس کو مشروبات کا آرڈر دیا۔ میں اپنی جیب میں موجود زنی ٹائم بم کی وجہ سے بہت بے آرامی محسوس کر رہا تھا۔ میری نظریں کیسینو کے واش روم کی تلاش میں چکرا رہی تھیں۔

آخر کار مجھے واش روم نظر آ گیا۔ غزالہ کو میز پر چھوڑ کر میں تیزی سے واش روم کی طرف بڑھ گیا۔ وہاں اوٹ میں ایک مسلح محافظ موجود تھا۔ میں اندر داخل ہوا تو میدان بالکل صاف تھا۔

میرے سوا اندر کوئی موجود نہیں تھا۔ میں لمحہ بھر کے لیے واش بیسن پر رکا۔ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اپنی جیب سے ٹائم بم نکالا، پلٹ کر دیکھا تو میدان بدستور صاف تھا۔ میں اندر آتے ہوئے ان دو گملوں کو دیکھ چکا تھا جو ان حدود میں قرینے سے رکھے ہوئے تھے۔ میں نے بم نکال کر اس کا سرخ بٹن آن کیا اور بہت سرعت سے وہ ڈبیا گملے پر جھکے ہوئے پتوں کے نیچے ڈال دی۔

میں سیدھا ہونے بھی نہ پایا تھا کہ اچانک ایک آواز نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ''مسٹر! تم نے وہاں کیا رکھا ہے؟''

وہ درشت آواز سن کر میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ میں پلٹا تو باہر والا مسلح چوکیدار اندر آ چکا تھا۔ اس کی نگاہوں میں واضح طور پر شکوک و شبہات نظر آ رہے تھے۔

''یہاں مجھے سرسراہٹ کی آواز آئی تھی۔'' بوکھلاہٹ کے عالم میں، میں نے اسے بتایا ''شاید اس گملے میں کوئی چوہا گھسا ہوا ہے۔''

''چوہا!'' اس نے حیرت سے دہرایا اور تیزی سے آگے گملے کی طرف بڑھ گیا۔

میرے لیے وہ بہت نازک لمحات تھے۔ چوہے کی تلاش میں محافظ ٹائم بم تک پہنچ جاتا تو میرے فرار کی ہر راہ مسدود ہو سکتی تھی۔ وقت بہت کم تھا۔ میرے پاس اس محافظ کو ختم کرنے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا۔

وہ جان دار آدمی تھا۔ اس کا گلا گھونٹا آسان کام نہ ہوتا۔ دوسری طرف مجھے ہر آن کسی ضرورت مند کی ادھر آمد کا دھڑکا لگا ہوا تھا۔ میرے پاس انگوٹھی کا زہر موجود تھا جو میرا سب سے موثر ہتھیار ثابت ہو سکتا تھا۔

میں نے نگینے کو ہتھیلی کے رخ پر گھمایا۔ جوں ہی محافظ چوہا تلاش کرنے کے لیے گملے پر جھکا، میں نے عقب سے جھپٹ کر اس کی برہنہ گردن پر ہاتھ رکھ دیا۔

وہ اپنے منہ سے کوئی آواز نکالے بغیر اسی گملے پر ڈھیر ہو گیا جس میں ٹائم بم رکھا ہوا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کے خلاف جاری اس جنگ کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

Downloaded from https://paksociety.com

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

لاہور میری جائے پیدائش ہے۔ والد صاحب کی وفات اور سوتیلی ماں کے مظالم پر میں نے گھر اور شہر چھوڑ کر کراچی میں پناہ لی تو یہاں جہانگیر، داؤد اور نادر سے میری دوستی ہوئی اور ہم چاروں بے روزگاری سے نجات حاصل کرنے کی فکر میں منشیات فروشوں کی ایک بین الاقوامی تنظیم کے ہتھے چڑھ گئے۔ ان لوگوں نے مغربی معاشرے کو ہیروئن کی وبا سے محفوظ رکھنے کے لیے پاکستان میں چرس کا بحران پیدا کر کے ہیروئن کو فروغ دیا اور قدم جمانے کے بعد پاکستان کے خلاف ہر محاذ پر مخبر ہی کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔ ان ہی دنوں سلطان شاہ مجھ سے آنکھ ملا کر اور بعد میں میرا دست راست ثابت ہوا۔ شی کے سربراہ جمی لائیڈ کی ملک دشمن سرگرمیوں نے مجھے شی سے بغاوت پر مجبور کر دیا جس پر جمی لائیڈ میرے لہو کا پیاسا بن گیا۔ میں نے ملک میں اور ملک سے باہر ان کی مخبری اور دہشت گرد کارروائیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ میرا گلابی رنگ انہی لوگوں کے اشتعال میں اضافہ کر دیتا تھا مگر وہ میرا بال بھی بیکا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ قومی مفاد کے اہم ترین منصوبوں کے تحفظ نے مجھے اول خان نے بہت مدد فراہم کی۔ وہ زندگی سے بے پروا اور دھن کے پکے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے انٹیلی جنس کی دنیا میں سوسائٹی آف فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی روبی بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ وہ میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈوبن گو انگ نوفا نی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آئزک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابو پا کر انہیں ڈیوڈ اسٹارنر نامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخابات میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آئزک بیل اس غلطی کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا، ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ اسٹارنر اور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کی کیفیت کے باعث امریکیوں کی نظر میں مشکوک ٹھہرا۔ اپنے مشن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آ گئے۔ ہمارا اگلا معرکہ بھارتیوں سے ان کے اپنے دیش میں ہوا جس میں ہم سرخرو ہوئے۔ بھارت سے واپسی پر ہمیں علم ہوا کہ پاکستان میں راسرگرم عمل تھی اور اس کی پشت پناہی کو برا کے کوڈ نیم تلے ایک پاکستانی سیاست دان کر رہا تھا۔ بہت جلد ہمیں اس کا سراغ مل گیا۔ وہ سوہ مجراج تھا۔ ہم اس پر سنجیدگی سے ہاتھ ڈالنے کا سوچ رہے تھے۔ اسی وقت ہمیں اطلاع ملی کہ جہانگیر کے گھر میں گھس کر اسے اغوا کرنے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ جہانگیر نے ایک بدمعاش کو قابو میں کر لیا تھا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ کام سہیل کے ذریعے سوہ مجراج نے کرایا تھا۔ تاہم ناکامی کے بعد وہ معافی تلافی پر اتر آیا تھا۔ سوہ مجراج کے خلاف تمام تیاریاں مکمل تھیں اور اس کا ناک آؤٹ شروع ہو گیا تھا۔ اس موقع پر اس نے ملک سے فرار کی راہ اختیار کی۔ اس دوران سوہ مجراج واپس لوٹ آیا اور میری آنکھوں کے سامنے اس پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ حملہ آور امریکی کمانڈو تھے۔ میں نے سلمانٹ فون پر اس سے رابطہ کیا تو وہ مجھ سے سخت ناراض تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں نے اسے کوئی مہلت نہیں دی تھی۔ میں نے اسے سمجھایا کہ حملہ میں نے نہیں بلکہ سی آئی اے اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کرایا گیا تھا۔ میں نے سوہ مجراج کے سیکریٹری سہیل کی خوبرو بیوی سے ملاقات کی وہ خاصی کھلی کھیلی ہوئی عورت تھی نور اسے ہی بے تکلف ہونے کی کوششیں کرنے لگی اور مجھے بتایا کہ سوہ مجراج کو سہیل کے ساتھ راج محل میں ہی ہونا چاہیے۔ جلال اس دوران راج محل پر چڑھائی کر چکا تھا مگر سوہ مجراج نے راج محل کو اکھاڑا دھیرنا کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ اب وہ زخمی سانپ کی طرح خطرناک ہو چکا تھا۔ اسی دوران سوہ مجراج نے مجھے بتایا کہ اس کا اگلا نشانہ جہانگیر ہوگا۔ ویرا کے لیے یہ دھمکی اضطراب کا باعث تھی۔ وہ اسی وقت جہانگیر کے گھر روانہ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ سوہ مجراج اپنی دھمکی کو عملی جامہ پہنانے میں کچھ وقت لگائے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ ویرا، سلمی اور جہانگیر کی ہمراہی میں گھر سے نکلی اس کا ارادہ ہوا خوری کا تھا مگر سوہ مجراج کے بارے میں ہمارے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ ان کا تعاقب کیا گیا اور ویرا تعاقب کنندگان میں سے ایک کو جہنم واصل کرنے میں کامیاب ہوئی جبکہ دوسرا شدید زخمی حالت میں پولیس کے قابو میں آ گیا۔ اسی وقت سہیل کی خوب رو بیوی نے فون کر کے بتایا کہ سہیل اس کے گھر میں موجود تھا۔ میں اور سلطان شاہ اس کو اس کے گھر سے پکڑنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس سے سوہ مجراج کا پتا معلوم ہو گیا۔ آئی بی نے وہاں چھاپا مارا مگر سوہ مجراج اپنی ذہانت کے باعث بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے ساتھ اسے میرے خلوص کا بھی یقین آ گیا۔ اسی دوران میں ایس پی الیف کا سربراہ کراچی میں وارد ہوا۔ میری اور اس کی ملاقات کے دوران اسٹیشن نور کی حدود میں اس کی گاڑی کو میزائل سے نشانہ بنا کر تباہ کر دیا گیا۔ اس حملے کی ذمے داری کیری ہارٹ نے قبول کر لی۔ دوسری طرف سوہ مجراج نے بتایا کہ وہ ایجنٹ کراچی آ چکے ہیں۔ میں نے ان کو پکڑنے کے لیے کوشش کی مگر وہ تیزی دکھا کر میرے ہاتھ سے نکل گئے۔ سوہ مجراج نے بتایا تھا کہ شاید وہ اس کے مشورے کے مطابق کلفٹن کے علاقے میں تھے۔ ہم ریڈیائی لہروں کے ذریعے سراغ لگانے والی اسپیشل گاڑیوں کے ذریعے ان کا سراغ لگانے اس علاقے میں پہنچ گئے۔ خوش قسمتی سے ان میں سے چار ہی ایک جیپ عملی معرکے کے بعد میرے ہاتھ آ گیا۔ اس سے تفتیش آئی بی کی ذمے داری تھی۔ اسی دوران سوہ مجراج کا سامنا ویرا سے ہو گیا۔ وہ ویرا کو نہیں دیکھ سکا مگر ویرا نے اسے پکڑنے کی کوشش میں اس کی گاڑی تباہ کر ڈالی اور اسے وہ کار سڑک پر چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے رابطہ کیا اور فرمائش کی کہ میں اس کے دوست کی کار اس کے گھر تک پہنچا دوں۔ میں رضامند ہو گیا۔ سلطان شاہ میرے ساتھ تھا۔ میں گاڑی پہنچانے اس کے دوست کے گھر پہنچا تو وہاں خود سوہ مجراج سے ملاقات ہو گئی۔ میں اس سے ذہنی طور پر کمزور بن کر ملا تھا۔ اس نے باتوں باتوں میں اندازہ لگایا کہ میں اپنی وفاداری تبدیل کر سکتا ہوں تو وہ میرے ساتھ میرے ہی شکار پر روانہ ہو گیا تا ہم راستے میں شاید اسے کچھ عقل آ گئی اور وہ ہم پر فائرنگ کرتا ہوا فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے دوست کو بھی قتل کر دیا۔ اس دوران را کے دوسرے ایجنٹ کا کچھ پتا نہیں چل سکا تھا۔ ہمیں توقع تھی کہ اکیلا ہونے کے باعث وہ کوئی کارروائی نہیں کر سکے گا مگر ہمارا یہ اندازہ غلط نکلا اور ایک اہم شخصیت پر ناکام قاتلانہ حملہ ہوا۔ جائے واردات سے امریکن رائفل کی بازیابی ظاہر کر رہی تھی کہ یہ را کے ایجنٹ نے امریکیوں سے حاصل کی تھی۔ دوسری طرف چند معلوم افراد جہانگیر کو اس کے گھر سے اغوا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ میرا خیال تھا کہ یہ مذموم حرکت سوہ مجراج نے کرائی ہوگی۔ اسی دوران نام نے مجھ سے رابطہ کیا اور میں نے اسے امریکی رائفل کے حوالے سے کھری کھری سنا دیں۔ اس کے بعد اس نے مجھے پراسرار انداز میں بلایا اور دوران ملاقات مجھے بتایا کہ اس کے ایک ایجنٹ نے مجھے شناخت کر لیا تھا۔ وہ ایجنٹ الفا تھا جو مجھے مارنے کے لیے رائفل سے لیس اپنی کمین گاہ میں چھپا ہوا تھا۔ میں تن بہ تقدیر اس کی گاڑی سے اتر آیا جب ہی ایک فائر ہوا اور الفا آئی بھی والوں کا نشانہ بن گیا۔ اسی وقت اول خان نے بتایا کہ جہانگیر کے اغوا میں ملوث بدمعاش کا سراغ مل گیا تھا۔ وہ جہاں تھا وہیں جلال کے آدمی بھی منڈلا رہے تھے یہ ایک خطرناک صورت حال تھی۔ میں نے جلال کو اس کے بارے میں آگاہ کیا اور ایس ایل الیف کے ہمراہ قاسم شریز پہنچ گیا۔ وہاں جہانگیر تو نہیں ملا البتہ سوہ مجراج کا ایک گرگا ہمارے ہاتھ لگ گیا۔ کچھ دیر بعد فشریز کا مالک بھی وہیں تھا۔ اس نے بتایا کہ جہانگیر اس کے گھر میں قید تھا۔ ہم نے فوراً طور پر جہانگیر کو بازیاب کرا لیا۔ اب بازی سوہ مجراج کے ہاتھ سے نکلتی جا رہی تھی۔ میں نے اس سے رابطہ کیا تو اس نے بتایا کہ گرین کوبرا نامی فائل اس کی تحویل میں تھی۔ یہ سن کر میری آنکھ کے نیچے امدھیر اچھلنے لگا۔ بعد میں جلال نے اس بچوے کی تصدیق کر دی۔ اس کے مطابق مذکورہ فائل سوہ مجراج نے اپنے ایک دوست کے ذریعے حاصل کی تھی۔ سوہ مجراج کا کہنا تھا کہ وہ گرین کوبرا کیا ہے کی سلامتی کی ضمانت تھی۔ دوسری طرف امریکی بہت زیادہ پریشر نکال رہے تھے ان کا ایک سفارت کار کرنل داور کی تلاش میں انٹیشن کے اوپر بیل کا پٹر میں چکر لگا رہا تھا۔ اب ان سے پیچھا چھڑانا ضروری تھا لہٰذا کرنل داور کی خود کش کار ڈراما کھیلا گیا اور اس کی اطلاع مخالف کیمپ میں بھجوا دی گئی۔ اس خبر نے امریکیوں میں جشن کا سا ماں پیدا کر دیا اور اس خوشی کو منانے کے لیے وہ سمندر کی طرف روانہ ہو گئے۔ اپنی کوبستی سمجھا ہے کا یہ سنہری موقع تھا۔ جس سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا۔ جلال نے اپنی ٹیم میں شرکت سے

Downloaded from https://paksociety.com

معذوری ظاہر کی تھی لہٰذا میں ایس ٹی ایف کے چند جانبازوں اور اپنی ٹیم کے ساتھ ان کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوگیا۔ خوش قسمتی سے تھوڑی سی جدوجہد کے بعد ان کے کمانڈوز کیے بعد دیگرے میرے ہاتھوں ناکارہ ہوتے چلے گئے اور بالآخر ہم میرے ہاتھوں واصل جہنم ہوا۔ تین امریکی کمانڈوز اور ہم کی ہلاکت نے مخالفین کا جوش وخروش ٹھنڈا کردیا۔ اسی وقت سوبھراج نے مجھ سے ملنے پر آمادگی ظاہر کردی۔ میں نے اس سے ملاقات کی میں اسے گھیرنا چاہتا تھا مگر وہ بہت عیار تھا۔ گرین کو برا می فائل کے باعث مجھے اسے واپس جانے کی اجازت دینا پڑی۔ سلطان شاہ اس کے پیچھے تھا مگر وہ اسے بھی جل دے کر فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ جلال نے مجھ سے کہا کہ مجھے چند دنوں کے لیے تھائی لینڈ کا رخ کرنا چاہیے۔ میں اس کی تجویز پر بات چیت کررہا تھا کہ میرے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی۔ فون سوبھراج کا تھا۔ اس نے بلا توقف مجھے برا بھلا کہنا شروع کردیا۔ اس کے خیال میں، میں نے اسے پھنسوانے کے لیے اپنے کارندے پارک ہاورز کے آس پاس پھیلا رکھے تھے۔ میں نے سختی سے اس کی تردید کی تو وہ تذبذب کا شکار ہوگیا۔ اس کے ساتھ اس نے مجھے تجویز دی کہ یہ ملک میرے لیے ناخوشگوار ہوگیا تھا لہٰذا مجھے یہاں سے باہر نکل جانا چاہیے تھا۔ اس نے پیش کش کی کہ وہ پاکستان سے باہر جانے میں میری مدد کرسکتا تھا۔ میں نے اس کی پیش کش قبول کرلی۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ مجھے ہر قیمت پر گھیرنا چاہتا تھا تاکہ امریکیوں سے اپنے بگڑے معاملات کو سیدھا کرسکے۔ اس نے مجھے ایک ویران مقام پر بلایا۔ مجھے توقع تھی کہ وہ خود بھی وہاں ہوگا۔ اس کا منصوبہ شاندار تھا مگر جلال کی حکمت عملی کے باعث اسے ناکامی ہوئی۔ میں اس کے بلائے ہوئے مقام پر گیا مگر سوبھراج وہاں نہیں تھا البتہ اس کے گرگے مجھے گھیرنے کی پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے تاہم جلال کے باعث وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکے اور کئی افراد آئی بی کے نشانہ بازوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ اس اثنا میں امریکیوں نے ہم کے قتل کی ذمے داری مجھ پر ڈالتے ہوئے قانونی مدد طلب کرلی تھی۔ میری گرفتاری کے وارنٹ جاری ہوگئے تھے۔ ان حالات میں جلال اور اول خان دونوں نے مجھے ملک سے نکل جانے کا مشورہ دیا۔ میں نے تھائی لینڈ کا رخ کیا جبکہ جیرت انگیز طور پر ویرا اور سلطان شاہ کو ہمراہ لے کر امریکا عازم سفر ہوئی۔ تھائی لینڈ میں آئی بی ایجنٹ اسد ہمارا منتظر تھا۔ وہ چھوٹا راجن اور سوبھراج دونوں سے بخوبی واقف تھا۔ میرے مشن کی تفصیلات جاننے کے بعد اس نے بتایا کہ بنکاک کی زیرزمین دنیا کا ڈان برنارڈ راجن کے خلاف ہماری مدد کرسکتا تھا۔ اس کے بارے میں اسد کا کہنا تھا: ڈان برنارڈ خود بھی چھوٹا راجن کا ڈسا ہوا تھا اور بنکاک کے بدمعاشوں کی بزدلی پر سخت نالاں تھا۔ ڈان سے ملاقات دلچسپ رہی اور وہ چھوٹا راجن کے خلاف میری مدد کے لیے تیار ہوگیا۔ اس نے مجھے چاؤ فان سے ملایا جو نہایت تیز بدمعاش تھا۔ ویرا اور سلطان شاہ امریکا پہنچ چکے تھے اور بے کاری کے دن گزار رہے تھے۔ میں نے چھوٹا راجن کے مختلف کلبوں میں دھماکے کرنے کی ٹھانی۔ چاؤ فان میرے ساتھ تھا۔ سب سے اہم ٹھکانے پر میں خود گیا۔ غزالہ میرے ساتھ تھی۔ جب میں نے وہاں بم رکھا ہی تھا، ایک محافظ میرے سر پر مسلط ہوگیا۔

اب آپ قسط نمبر 245 کے واقعات ملاحظہ کیجئے

وہ فرش سے دیواروں تک سفید ٹائلوں سے مزین ایک کافی کشادہ کمرا تھا جہاں ایک طرف دیوار کے ساتھ چھ بڑے بڑے واش بیسن ٹھنڈے اور گرم پانی کی دہری ٹونٹیوں کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ ہر واش بیسن کے اوپر الگ دمکتا ہوا آئینہ لگا ہوا تھا' بغلی دیوار کے ساتھ مردوں کے لیے کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کا بندوبست تھا۔ عقب میں ایک قطار سے کموڈ وغیرہ کے ساتھ کئی کیبن بنے ہوئے تھے میں ان میں سے کسی کیبن میں داخل نہیں ہوا تھا لیکن ان کے دروازوں کی قدرے کشادہ جھریوں سے مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ اس وقت وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔

مسح محافظ اس کمرے سے باہر جس طرح جم کر کھڑا تھا اس کے پیش نظر مجھے گمان تک نہیں تھا کہ وہ اپنی جگہ چھوڑ کر اندر کا رخ کرے گا۔ مجھے زیادہ سے زیادہ یہ دھڑکا تھا کہ گولڈن ڈریگن کا کوئی اور گاہک فطری دباؤ کے تحت مجبور ہوکر ادھر نہ آنکلے۔

ایسی کسی امکانی مداخلت سے بچنے کے لیے میں نے بہت تیزی سے اپنا کام مکمل کیا تھا۔ محافظ کو وہاں آنے میں لمحہ بھر کی بھی تاخیر ہوتی تو میں سرسبز گملے کے پتوں میں ٹائم بم چھپا کر وہاں سے صاف نکل گیا ہوتا۔

قدرت کو وہ منظور نہیں تھا۔ چوکیدار نہ صرف وہاں آیا تھا بلکہ اس نے مجھے گملے میں کچھ ڈالتے ہوئے بھی دیکھ لیا تھا۔ میرے لیے وہ زندگی کے بدترین لمحات تھے۔ میں اسے ذرا بھی مہلت دیتا یا کچھ سمجھانے کی کوشش کرتا تو وہ لپک کر مشکوک گملے تک پہنچ جاتا اور سیاہ ڈبیا میں بند ٹائم بم دریافت کرلیتا۔ اس کی نوعیت سمجھنے کے لیے محافظ یا چوکیدار کو کسی خاص مہارت کی ضرورت نہیں تھی۔ میں ٹائمر چلا چکا تھا۔ بم ہاتھ میں لیتے ہی اسے موت کی گھڑی کی ٹک ٹک سنائی دے جاتی اور میرا وہاں سے بچ کر نکلنا ناممکن ہوجاتا۔

گولڈن ڈریگن راجن کی ملکیت تھا۔ بات اس تک پہنچتی تو وہ کسی صورت میں مجھے معاف نہیں کرسکتا تھا۔ اس کی سفاکی اور بربریت کے قصے میں سن چکا تھا۔ ڈان نے اس کی بدقماشی کا بھی ذکر کیا تھا۔ میرے ساتھ جو ہوتا سو ہوتا' غزالہ اس درندے کے ہاتھوں زندہ درگور ہوجاتی۔ اس وقت میرے پاس وقت نہیں تھا۔ میں نے بہت تیزی سے وہ سب سوچا۔ مجھے یہ خیال بھی آیا کہ پاکستان میں زہریلی سوئیوں سے ہونے والی اموات کا بہت چرچا ہوچکا۔ انہیں میری شناخت بنادیا گیا تھا۔ ہاکس بے کے سنی ہٹ کے پاس دو امریکی کمانڈوز اس ہتھیار کے زیادہ پرانے شکار نہیں تھے۔

سوبھراج کو ڈان کے ذریعے اس محافظ کی موت کا سبب معلوم ہوتا تو فوری طور پر اس کا ذہن میری طرف میذول ہوجاتا۔ انگوٹھی کے کھوکھلے نگینے میں پوشیدہ زہر کے استعمال کے نتیجے میں بنکاک میں میری موجودگی کا راز فاش ہوسکتا تھا۔

نفع اور نقصان' زندگی اور موت..... وہ سب پلک جھپکتے میں ایک فلم کی طرح میرے ذہن میں گھوم گیا۔ اس وقت میرے لیے اپنی جان بچانا سب سے زیادہ ضروری تھا۔ اس فیصلے پر پہنچنے کے بعد میں نے گملے پر جھکے ہوئے مسح محافظ کی

Downloaded from https://paksociety.com

ننگی گردن میں سرعت سے زہر اتار دیا تھا۔

وہاں خون کا کوئی نشان تھا نہ تشدد کی کوئی علامت۔ اس کے باوجود وہ جس غیر فطری انداز میں منہ کے بل گھٹنے گملے کے پتوں پر گرا ہوا تھا اس سے کوئی بھی آنے والا دور سے یہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ اس کے ساتھ کوئی اچانک اور ناگہانی حادثہ پیش آیا ہے۔

اسے اٹھایا جاتا تو ٹک ٹک کی بہت مدھم سی آواز پیدا کرتا ہوا ٹائم بم لوگوں کی نظر میں آجاتا۔ گولڈن ڈریگن کے منتظمین کو اس کی اصلیت معلوم ہونے میں دیر نہ لگتی۔ بم کے پھٹنے کا وقت صبح کا تھا کسی نہ کسی طرح اسے ناکارہ بنا دیا جاتا لیکن اگلی صبح راجن کے چار ٹھکانوں پر دھماکے ہونے کے بعد پانچوں واقعات ایک لڑی میں پرو دیے جاتے۔

وہاں بم کی افادیت ختم ہو چکی تھی۔ وہ کسی بھی طرح گولڈن ڈریگن کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔

میں نے مسلح محافظ کو مار کر اپنے خلاف ایک شہادت پیدا کر لی تھی۔ بے مصرف بم کو وہاں چھوڑنا مناسب نہیں تھا۔ میں نے مردہ محافظ کے سینے کے نیچے ہاتھ ڈال کر گلے میں سے بم اٹھایا اور کچھ دیکھے بھالے بغیر دوبارہ کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔

اس زندہ بم کی ٹک ٹک محسوس کر کے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ اگلی صبح سے پہلے نہیں پھٹے گا مگر وہ انسان کا بنایا ہوا تھا۔ سرکٹ کے کسی معمولی نقص کی وجہ سے میری جیب میں ایک ہولناک دھماکا ہو سکتا تھا۔

خیالات کی تیز ترین روانی جگہ پر تھی۔ اس کی وجہ سے میری عملی کارروائی میں کہیں بھی کوئی تاخیر نہیں ہوئی۔ بم اپنی جیب میں ڈالتے ہی میں نے واش روم کا وہ حصہ چھوڑ دیا اور تیزی سے باہر نکل آیا۔

ہال میں جواری اپنے کھیل میں بہت زیادہ منہمک تھے یا پھر ان کے مشانے مضبوط تھے۔ یہ میرے مقدر کی یاوری تھی کہ قریب میں کوئی اسپیدار موجود نہیں تھا۔ کئی قدم دور سے ایک ادھیڑ عمر امریکی سیدھ باندھ کر ٹوائلٹ کی طرف آرہا تھا۔ مجھے امید تھی کہ اس کے باتھ روم میں پہنچنے سے پہلے میں غزالہ تک پہنچ جاؤں گا۔

حالات کی نزاکت کی وجہ سے میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں پوری قوت سے غزالہ کی طرف دوڑ لگا دوں لیکن میں دل پر جبر کر کے ہموار قدموں سے چلتا رہا۔ میری کوئی بھی غیر معمولی حرکت وہاں کے نگرانوں کو میری طرف متوجہ کر سکتی تھی۔

اسے معلوم تھا کہ میں کس ارادے سے واش روم کی طرف گیا تھا۔ وہ کسی اضطراب کا مظاہرہ کیے بغیر کن انکھیوں سے واش روم کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جوں ہی میری اور اس کی نظریں چار ہوئیں میں نے گردن کی خفیف سی جنبش سے اسے اٹھنے کا اشارہ کیا۔

میرے موجود نہ ہونے کی وجہ سے اس وقت تک غزالہ نے مزید کسی چیز کا آرڈر نہیں دیا تھا۔ مشروب کے دو گلاس میز پر آئے تھے جن میں سے ایک خالی ہو چکا تھا۔ میرے لیے آنے والا دوسرا گلاس جوں کا توں لبریز رکھا ہوا تھا۔

میری گردن کی جنبش دیکھتے ہی غزالہ نے کمال ہوشیاری کا مظاہرہ کیا۔ میرے میز تک پہنچنے کا انتظار کیے بغیر اپنے ونٹی بیگ سے ایک بڑا نوٹ نکال کر خالی گلاس کے نیچے دبا دیا اور وہاں سے اٹھ کر پورے اطمینان سے نکاس کے راستے کی طرف چل دی۔ میں چند قدموں کے فاصلے سے اس کے پیچھے جا رہا تھا۔

اس وقت میری کیفیت ناقابل بیان حد تک عجیب تھی۔ بدن میں رہ رہ کر پھریریاں دوڑ رہی تھیں کہ میں جاتے جاتے کسی ناگہانی مصیبت میں دوچار نہ ہو جاؤں۔

ہال کے سرے پر پہنچنے تک مجھے یقین ہو چکا تھا کہ اس وقت تک ادھیڑ عمر امریکی نے واش روم جا کر محافظ کی لاش دریافت کر لی ہوگی یہ اور بات تھی کہ اس کی ساکت نبضیں دیکھے بغیر کسی کو یہ اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ مر چکا ہے۔

گڑبڑ کی ابتدا مردہ محافظ کی دیکھ بھال سے ہوتی۔ جب تک لوگوں کو اس کی ہلاکت کا اندازہ ہوتا، ہم دونوں گولڈن ڈریگن سے دور نکل گئے ہوتے۔

میں نے راستے میں عجلت دکھانے کی کوئی کوشش نہیں کی' کیسینو کے باہر ہماری گاڑی موجود نہیں تھی' اسد کسی فرض شناس پیشہ ور ڈرائیور کی طرح ہمارے انتظار میں برآمدے کے نیچے منڈلا رہا تھا تاکہ گاڑی تک ہماری رہنمائی کر سکے۔

ہم دونوں کی جھلک دیکھتے ہی وہ آگے چل دیا۔ گولڈن ڈریگن کے برآمدے سے اتر کر میں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ میں برابر میں پہنچا تو غزالہ نے لاتعلقانہ انداز میں میری طرف دیکھا اور اس کے قدم بھی تیز ہو گئے۔

چند لمحوں میں ہم اسد کی لائی ہوئی گاڑی میں سوار ہو کر وہاں سے روانہ ہو چکے تھے۔

''آپ کچھ خاموش اور گھبرائے ہوئے نظر آرہے ہیں۔'' گاڑی کے حرکت میں آتے ہی غزالہ نے میری طرف

Downloaded from https://paksociety.com

دیکھتے ہوئے فکرمندی سے کہا۔

''بہت بڑی گڑبڑ ہوگئی' چلتا ہوا ٹائم بم میری جیب میں ہے وہاں ایک محافظ میرے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ انتہائی مجبوری کے عالم میں مجھے اس پر انگوٹھی استعمال کرنی... پڑگئی۔'' میں نے مختصر ترین الفاظ میں ان دونوں کو اپنی روداد سے آگاہ کیا۔

''کیا..... زندہ بم تمہاری جیب میں ہے؟'' میرا انکشاف سنتے ہی اسد اپنی نشست میں تقریباً اچھل پڑا'' مجھے ایسے بموں کے بارے میں تھوڑی بہت شدبد ہے۔ اسے جیب سے نکالو میں گاڑی کسی ویران مقام پر روک کر اسے ناکارہ بنانے کی کوشش کرتا ہوں۔''

''نہیں اسد!'' میں نے سختی سے کہا'' کسی تجربے کی گنجائش نہیں ہے' ذرا بھی گڑبڑ ہوگئی تو ہم تینوں کے چیتھڑے اڑجائیں گے میں یہ خطرہ مول نہیں لوں گا۔''

''تو کیا اس مصیبت کو ساتھ لے کر پھرتے رہو گے؟'' وہ اعصاب زدہ ہوا جارہا تھا۔

''اگر کوئی بدنصیبی آڑے نہ آئی تو یہ بم صبح گیارہ بجے سے پہلے نہیں پھٹے گا۔ اپنے حواس یکجا کرو اور اسی حالت میں اسے ٹھکانے لگانے کا کوئی طریقہ سوچو!''

اسد چپ ہوگیا۔ غزالہ کے استفسار پر میں نے پورا واقعہ سنادیا جو بہت مختصر لیکن انتہائی ہولناک تھا۔

''کچھ لیا دیا کام آگیا تم بال بال بچے ہو۔'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا'' کولڈن ڈریگن کے بارے میں مشہور ہے کہ وہاں گڑبڑ کرنے والا اچانک غائب ہوجاتا ہے پولیس ڈھونڈتی رہ جاتی ہے مگر اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ وہاں کا ہر محافظ تربیت یافتہ اور ظالم ہے۔ وہ کسی پر رحم کھانا نہیں جانتے۔''

''آئندہ ان باتوں کا خیال رکھوں گا۔'' میں نے ہنس کر بے پروائی سے جواب دیا۔ میں خود بھی اس واقعے کے اعصاب شکن اثرات سے نکلنے کی شعوری کوشش کررہا تھا

''ہم نے ابھی تک بم کو ٹھکانے لگانے کے بارے میں کچھ نہیں سوچا!'' غزالہ نے مخل ہوکر ہم دونوں کو یاد دلایا۔

''گاڑی کسی ویرانے کی طرف نکال لو۔'' میں نے اسد سے مخاطب ہوکر کہا'' موقع پاکر بم وہیں کہیں پھینک دیں گے تاکہ کوئی جانی نقصان نہ ہو۔''

''اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔'' وہ سوچتے ہوئے بولا'' رات کے اندھیرے میں ہر غیر آباد جگہ ویرانہ نظر آتی ہے کیا پتا اجالا پھیلتے ہی وہاں لوگوں کی آمد و رفت شروع ہوجائے۔ تمہارے حساب سے یہ بم صبح گیارہ بجے کے لگ بھگ پھٹے گا۔''

''ہم نے اس سے چھٹکارا نہ پایا تو یہ بم ہمیں لے ڈوبے گا۔''

''میرا خیال ہے کہ دریا کی طرف نکلا جائے۔'' اسد نے تجویز پیش کی۔

''کس دریا کی بات کررہے ہو؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''دریائے چاؤ پرایا۔'' اس نے کہا'' بنکاک کسی طرح لندن سے کم نہیں ہے یہ دریا شہر کے وسط میں بہتا ہے۔ پل سے دریا عبور کرتے ہوئے تم اس منحوس بم کو دریا میں اچھال دینا جان چھوٹ جائے گی۔''

''اگر بم کی کشتی وغیرہ پر جاگرا تو کیا ہوگا۔''

''رات کو دریا میں زیادہ کشتی رانی نہیں ہوتی۔ بنکاک کی تفریحات دوسری ہیں۔ دریا کی تہ گہری ہے۔ ہوسکتا ہے کہ پانی میں بھیگ کر بم ناکارہ ہوجائے۔ یہ دریا کی تہ میں پھٹا تو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ گہرائی میں دھماکے کی آواز بھی دب جائے گی۔''

اسد کی وہ تجویز قابلِ عمل محسوس ہورہی تھی۔ میں نے پوچھا'' دریا یہاں سے کتنی دور ہے؟''

''میں گاڑی اس راستے پر ڈال چکا ہوں۔ چند منٹ میں ہم میموریل برج پر سے گزریں گے۔ میں گاڑی کی رفتار دھیمی رکھوں گا۔ تم دیکھ بھال کر اپنا کام کرلینا۔''

اس سمت میں سفر جاری رہا۔ ہمارے درمیان گزرے ہوئے واقعے کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی۔ میں نے اپنے ذہن میں جائے واردات کا پورا نقشہ بنایا ہوا تھا۔ وہ دونوں ہمارے فرار کے بعد کے واقعات کے بارے میں بے یقینی کا شکار تھے اور مسلسل قیاس آرائیاں کررہے تھے۔ میں خاموشی سے کچھ سوچنے میں مصروف تھا۔

وہ علاقہ زیادہ روشن نہیں تھا۔ دور سے دریا کے تاریک پانی میں قرب و جوار کی روشنیوں کا انعکاس نظر آرہا تھا۔ گاڑی پل پر چڑھی تو اسد کے اندازے کی تائید ہوگئی۔ دریا میں تیرتی ہوئی روشنیوں کے فقدان سے میری ہمت بندھی اور میں نے جیب سے سیاہ وزنی ڈبیا نکال کر اپنی سمت کا پورا شیشہ اتار دیا۔

اسد کہہ چکا تھا کہ دریا گہرا ہے مگر میں بھی عقل سے پیدل نہیں تھا وہ گہرائی دریا کے وسط ہی میں مل سکتی تھی میں نے مڑ کر دیکھا ہمارے پیچھے زیادہ ٹریفک نہیں تھا۔ اسد کی سست

Downloaded from https://paksociety.com

روی کی وجہ سے دو گاڑیاں تیزی سے قریب آتی جا رہی تھیں۔ کے بعد دیگرے وہ دونوں گاڑیاں ہمارے برابر سے آگے نکل گئیں۔ اس وقت اس کی کار پل کے وسط سے ذرا دور تھی۔ اس سے پہلے کہ ہمارے پیچھے کسی اور گاڑی... کی روشنیاں نمودار ہوتیں' میں نے بم کو اپنے ہاتھ میں تولا اور سیٹ سے اچک کر اسے پوری قوت سے کھڑکی سے باہر اچھال دیا۔ وہ فضا میں اڑتا ہوا نیچے کی طرف چلا اور لمحہ بھر میں نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

میں دم بخود اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے غزالہ بھی سہمی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ میرے کان کسی بھی لمحے دھماکے کے منتظر تھے۔

اسد باقاعدہ ڈرائیور کے روپ میں تھا اس لیے اس کے برابر والی سیٹ خالی تھی۔ ہم دونوں عقبی نشست پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اسے کچھ پتا نہیں چل سکا کہ کب کیا ہوا۔ چند ثانیوں بعد وہ بولا ''میدان صاف ہے اب اسے پھینک دو!''

''ہم اب تک دریا میں تہ نشین ہو چکا ہوگا۔'' میں نے اسے مطلع کیا ''میں پہلے ہی اس بوجھ سے آزاد ہو چکا ہوں۔''

''زندہ باد!'' اسد نے بے ساختہ کہا اور گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔

میموریل برج کے اختتام پر واقعی کوئی یادگار تھی جہاں روشنیوں کا ایک سیلاب آیا ہوا تھا مگر اس وقت ہم تینوں میں سے کسی کو ایسی چیزوں سے دلچسپی نہیں تھی' اسد اپنی گاڑی حتی الامکان تیزی سے بھگاتا لے گیا۔

اسد کی معلومات کے مطابق اس دریا پر کئی پل تھے۔ وہ کسی دوسرے پل سے دریا کو واپس عبور کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ میں نے فرمائش کی کہ وہ دوبارہ اسی طرف سے لوٹے جہاں سے ہم آئے تھے تاکہ ہمیں اپنے پھینکے ہوئے ٹائم بم کے بارے میں کچھ معلوم ہو سکے۔

اس نے میری بات مان لی۔ ہم وہیں سے گزرے' دونوں سمتوں کا ہلکا پھلکا ٹریفک پل پر سے معمول کے مطابق گزر رہا تھا۔ کہیں کوئی ہلچل نظر نہیں آ رہی تھی۔ ان علامتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بم ایک چھپاکے کے ساتھ دریا کی دلدلی تہ میں بیٹھ چکا تھا۔ امید یہ تھی کہ پانی میں غرق ہو جانے کی وجہ سے وہ مقررہ وقت پر ناکارہ ثابت ہوگا۔

''سب کچھ خیریت سے ہو گیا' صبح گولڈن ڈریگن پر دھماکا نہیں ہو سکے گا۔'' غزالہ نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا ''چاؤ کے چاروں پھول شاید کھل جائیں گے۔''

''میری کوشش کو حاؤفان کی نظر لگ گئی۔ وہ مسلسل مجھے اس کوشش سے باز رہنے کے مشورے دے رہا تھا۔'' میں نے جواب دیا۔

''وہاں کے محافظ کو مار کر تم نے دھماکے سے بڑا دھماکا کر دیا ہے۔'' اسد حوصلہ افزائی کرتے ہوئے بولا ''آج چھوٹا راجن کی نیند حرام ہو جائے گی۔ لاش کا معاصل ہونے سے پہلے صبح چار دھماکے بھی ہو جائیں گے۔''

''چاؤ کی دم اونچی ہو جائے گی۔'' میں نے افسردگی سے کہا ''وہ بدمعاش مجھے ماسٹر کہتا ہے لیکن میرے ساتھ اس کا رویہ کسی اتالیق جیسا ہوتا ہے۔''

''اس طرف کے لوگوں سے آپ کا تال میل نہیں ملتا۔'' غزالہ ہنس کر بولی ''ڈان کو انگ فو' ڈان برنارڈ اور اب چاؤفان آپ سے ٹکرایا ہے۔''

باتوں باتوں میں ہم ہوٹل پہنچ گئے۔ اسد نے ہمیں پورچ میں اتارا اور وہیں سے گاڑی میں ہوا ہو گیا۔

ہم دونوں کمرا کھول کر بیٹھنے بھی نہیں پائے تھے کہ فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

میں نے بڑھ کر ریسیور اٹھایا اور پھاڑ کھانے والی آواز میں ہیلو کہا۔

''ماسٹر! گرم معلوم ہو رہے ہو!'' میرے کان میں چاؤ کی دھیمی آواز گونجی ''وہاں تم بہت کرارا کام کر کے آئے ہو!''

میری سمجھ میں نہ آ سکا کہ میں فون پر اس کی بات کا کیا جواب دوں۔ میں نے خشک لہجے میں پوچھا ''تم کہاں ہو؟''

''میں نیچے لابی میں ہوں' کافی دیر سے تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ تم وہاں سے بہت پہلے نکل گئے تھے۔ اتنی دیر کہاں ہو گئی؟''

اس نے ایک سانس میں سب کچھ کہہ ڈالا۔ ابتدائی فقروں میں پورے وثوق سے کرارے کام کا حوالہ دے کر اس نے مجھے یہ جتا دیا تھا کہ وہ گولڈن ڈریگن میں رونما ہونے والی واردات سے باخبر تھا۔

میرے ذہن میں کڑیاں یکجا ہونے لگیں۔ وہ مقررہ وقت پر کسی کونے کھانچے سے کیسینو میں آنے جانے والوں کی نگرانی کرتا رہا تھا۔ اس نے ہمیں کیسینو میں جاتے اور وہاں سے لوٹتے ہوئے دیکھا تھا۔ شاید ہمارے گاڑی تک پہنچنے سے پہلے کیسینو میں ہلچل پیدا ہو گئی۔ گولڈن ڈریگن جیسی پرسکون جگہ پر کسی ملازم کا پراسرار حالات میں بے ہوش پایا جانا ایک ایسا واقعہ تھا جس نے الکحل کے نشے میں مخمور جواریوں کو ہراساں کر دیا ہوگا۔ مجھے پوری امید تھی کہ پہلی نظر میں کسی کو اندازہ نہیں ہو سکا ہوگا کہ محافظ اپنی زندگی کے بوجھ سے ہمیشہ

Downloaded from https://paksociety.com

کے لیے آزاد ہو چکا تھا۔

تفریحی مقامات پر رونما ہونے والے معمولی واقعات بھی اہم ثابت ہوتے ہیں اور ذرا سی دیر میں وہاں اُلّو بولنے لگتا ہے۔ چاؤ نے گولڈن ڈریگن سے من چلوں کی اچانک روانگی کا منظر دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا ہوگا کہ وہاں کوئی گڑبڑ ہو چکی تھی۔

ہم دونوں کو اس نے خیریت کے ساتھ وہاں سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ میرے مشن سے پوری طرح باخبر تھا۔ اسے اطمینان تھا کہ میں نے اپنا کام پورا کر دیا تھا اور ہم وہاں سے واپس اپنے ہوٹل جائیں گے۔

چاؤ گولڈن ڈریگن میں یکا یک رونما ہونے والی افراتفری کے اسباب جاننے کے لیے وہاں رک گیا۔ اسی دوران میں یہ انکشاف ہو گیا ہوگا کہ واش روم میں پایا جانے والا مسلح محافظ بے ہوش نہیں ہوا تھا بلکہ مر چکا تھا۔

وہ وہاں سے پوری بات کا کھوج لگانے کے بعد اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ محافظ کی موت کا میرے مشن سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور تھا۔ اس نے ہمارے ہوٹل کی طرف دوڑ لگا دی۔ اس کے اندازے کے مطابق ہمیں اس سے پہلے اپنے ہوٹل پہنچ جانا چاہیے تھا مگر ہم غائب تھے اور ٹائم بم کی مصیبت سے نجات حاصل کرنے کے لیے مخالف سمت میں دریا کے پار نکل گئے تھے۔

میں نے شاید ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں ان سب نکات کے بارے میں سوچا اور فون پر چاؤ سے کہا ”فوراً واپس چلے جاؤ اس وقت تمہارا یہاں پایا جانا بہت خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ میں الجھن سے دوچار ہو گیا تھا۔ کل دن میں ملاقات ہوگی۔“

میں نے اس کا جواب سنے بغیر فون بند کر دیا وہ زیر زمین دنیا کا ایک سکہ بند آدمی تھا۔ میرا جواب سن کر اسے حالات کی نزاکت کا اندازہ ہو جانا چاہیے تھا۔

”کون تھا؟“ غزالہ نے اسی لمحے اضطراری لہجے میں پوچھا۔

”ان اطراف کے لوگ جونک ہوتے ہیں۔“ میں نے بے زاری سے جواب دیا ”جس کام کے پیچھے لگ جاتے ہیں، اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اُلّو کا پٹھا مجھ سے بات کرتا ہے تو ماسٹر، ماسٹر کرتے ہوئے آدھا ہوا جاتا ہے اور اب میری نگرانی کر رہا تھا۔ اسے سب معلوم ہے۔ پوچھ رہا تھا کہ مجھے وہاں سے ہوٹل پہنچنے میں اتنی دیر کیوں ہوئی!“

”ایسے جاں نثار معاون مشکل سے ملتے ہیں۔ آپ کو اس کی قدر کرنی چاہیے۔ ڈان نے کچھ سوچ سمجھ کر اسے آپ کے حوالے کیا ہے۔“ غزالہ نے ہنس کر مجھے چڑانے کی کوشش کی۔

”آئندہ اس نے میری اجازت کے بغیر ایسی حرکت کی تو اس کی ایسی قدر کروں گا کہ وہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔“

”ویرا سچ کہتی ہے۔ جہاں آپ کے قدم جاتے ہیں وہاں کوئی نہ کوئی کام پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ گولڈن ڈریگن میں سیدھا سا کام تھا لیکن وہ ناگہانی سامنے آ کر اپنی جان گنوا بیٹھا۔ خدا کرے کہ افراتفری میں کسی نے ہماری طرف دھیان نہ دیا ہو۔“

”ہمارے بارے میں کوئی کچھ نہیں سوچ سکے گا۔ مجھے صرف اس ویٹر کی فکر ہے جو تمہاری میز پر مشروب لایا تھا۔ میرا گلاس بھرا ہوا تھا اور تم ویٹر کا انتظار کیے بغیر بڑی مالیت کا ایک نوٹ میز پر رکھ کر آ گئی تھیں۔ اس کے لیے یہ بات بھلانی مشکل ہے“ میں نے ویرا کے حوالے کو دانستہ نظر انداز کر کے کہا۔

”اسے واقعہ ضرور یاد رہے گا، میری شکل یاد نہیں رہ سکتی“ غزالہ نے وثوق سے کہا ”جب کسی حادثے کی خبر اچانک پھیلتی ہے تو جائے واردات کے آس پاس پائے جانے والے لوگوں کے اوسان خطا ہو جاتے ہیں۔ ذہن میں اٹکی رہ جانے والی چیزیں بھی یقین اور بے یقینی کے درمیان گم ہو جاتی ہیں۔“

”خدا کرے کہ ایسا ہی ہو“ میرے دل سے بے ساختہ دعا نکلی ”رات یوں ہی گزر جائے گی۔ کل پتا چلے گا کہ ہمارے چلے آنے کے بعد حالات کیا رہے تھے؟“

”یہاں ایک بڑی خرابی ہے کہ ہر طرف مقامی زبان کا راج ہے۔ کچھ پتا نہیں چلتا کہ مقامی ٹی وی پر کیا ہو رہا ہے۔ ابھی تک مجھے کوئی انگریزی پروگرام نظر نہیں آیا۔ ہمیں کہیں سے تازہ خبریں نہیں مل سکیں گی۔ بازار میں کوئی انگریزی اخبار ڈھونڈنا پڑے گا۔“

”مختصر دورانیے کی انگریزی خبریں ضرور آتی ہوں گی۔ وقت کا دھیان رکھنا ہوگا“ میں نے کہا ”یہاں دنیا بھر سے سیاح آتے ہیں اور وہی تھائی لینڈ کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔ ان کے لیے انگریزی پروگرام بھی آتے ہوں گے۔ اس بارے میں اسد سے معلوم کرنا پڑے گا۔ معتبر انگریزی اخبار کے بارے میں بھی وہی بتا سکے گا۔“

میں نے چاؤ کو اپنی دانست میں ڈانٹ کر اس سے بات کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ میں بستر پر دراز ہوا تو میرے

Downloaded from https://paksociety.com

ذہن میں ایک خلش موجود تھی۔ غصے میں آ کر مجھے اس سے یہ پوچھنا ہی یاد نہیں رہا تھا کہ شہر میں پائے جانے والے راجن کے بقیہ چار ٹھکانوں میں ٹائم بم نصب کرنے کے پروگرام کا کیا رہا تھا۔

غزالہ من موجی عورت تھی۔ گھر کے کاموں سے لے کر بیرونی مہم جوئی تک پر پوری سنجیدگی سے محنت کرتی تھی۔ جب تک کوئی بھی کام اس کے سامنے رہتا تھا، وہ جی جان سے اسے پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں مصروف رہتی تھی، اسے بھول کر بھی آرام کا خیال نہیں آتا تھا۔ ہر طرف سے فارغ ہو کر وہ بستر پر دراز ہوتی تو ذرا سی دیر میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر گہری نیند کی آغوش میں پہنچ جاتی تھی۔ دنیا کا بڑے سے بڑا مسئلہ بھی اس کی بے فکری کی نیند میں حارج نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ بستر پر لیٹی اور مجھ سے باتیں کرتے کرتے سو گئی۔

مجھے اکثر اس پر رشک آتا تھا۔ میں اس کی طرح دنیا جہان کے بکھیڑوں کو نہیں بھول سکتا تھا۔ بستر پر دراز ہونے کے بعد ادھورے رہ جانے والے کام ایک آسیب بن کر میرے ذہن پر سوار ہو جاتے اور جب تک سوچتے سوچتے میرے اعصاب شل نہ ہو جاتے، نیند کی دیوی مجھ سے روٹھی رہتی۔

اس وقت بھی میری یہی کیفیت تھی۔ اسد اپنا کام خوش اسلوبی سے نمٹا کر اپنے گھر جا چکا تھا۔ چاؤ کو میں نے ہوٹل سے بھگا دیا تھا۔ ڈان برنارڈ کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ راجن کے معاملے کو میرے اور چاؤ کے سپرد کر دینے کے بعد ہماری سرگرمیوں میں کس حد تک دلچسپی لے رہا تھا۔

مجھے جو کچھ کرنا تھا، میں کر گزر رہا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ شومئی قسمت کی وجہ سے میرا ہدف از خود بدل گیا تھا۔ میں اگلی صبح گولڈن ڈریگن کی عمارت کو نقصان پہنچانے کا کوئی بندوبست نہیں کر سکا تھا۔ راجن کے قیمتی کیسینو کے بجائے اس کا ایک تربیت یافتہ نمک خوار میرا نشانہ بن گیا تھا۔

رات بہت لمبی تھی۔ نیند کب تک نہ آتی۔ کمرے کی خوابناک اور خنک فضا نے آخر کار مجھے نیند کی دیوی کی آغوش میں پہنچا دیا۔

میں دیر سے سویا تھا اس لیے صبح دیر سے میری آنکھ کھلی۔ غزالہ مجھ سے پہلے نہ صرف بیدار ہو چکی تھی بلکہ اس نے تیار ہونے کے بعد کمرے میں ہی ناشتا بھی کر لیا تھا۔ ہوٹل کی روم سروس کا عملہ بہت مستعد تھا۔ وہ کمرے میں جھوٹے برتن زیادہ دیر تک نہیں چھوڑتے تھے۔ کمرے میں موجود ٹرے وغیرہ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ غزالہ کو ناشتا کیے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔

میں نے بستر سے اٹھ کر اس کی طرف دیکھا اور پھر میری نظریں اس کے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔

پچھلی رات اس نے گولڈن ڈریگن جانے کے لیے بھرپور تیاری کی تھی تو میں نے رواروی میں اس پر زیادہ دھیان نہیں دیا تھا۔ اس وقت غزالہ کے چہرے پر نظر پڑی تو مجھے احساس ہوا کہ پچھلی شب اس نے میک اپ کا سہارا لے کر اپنے چہرے مہرے کو اس حد تک بدل لیا تھا کہ دوبارہ اسے اس حیثیت میں کسی طرح نہیں پہچانا جا سکتا تھا۔

''صبح ہی صبح میرے چہرے کو کیا تک رہے ہیں؟'' غزالہ نے میری تیز... نگاہوں سے کسمسا کر خفت آمیز لہجے میں کہا۔

''اللہ کی قدرت دیکھ رہا ہوں'' میں نے مسکرا کر جواب دیا ''رات کو تم آفت کی پرکالہ بنی ہوئی تھیں۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ کل رات تم گولڈن ڈریگن میں تھیں۔''

''آپ کو میرا وہ روپ اچھا لگا ہو تو میں پاکستان جانے کے بعد وہی ڈھنگ اپنا لوں گی'' اس نے خوش ہو کر ایک ادا سے کہا ''میں نے کوشش کی تھی کہ میک اپ سے میری شکل صورت بدلی ہوئی نظر آئے۔ شاید میں اس کوشش میں کامیاب رہی، مجھے یہ گر ویرا نے سکھائے ہیں۔''

''مجھے سرخی پاؤڈر اور ایسے دوسرے لوازم کھانے کا شوق نہیں ہے۔ تم جیسی ہو اسی طرح زیادہ اچھی اور لذیذ لگتی ہو؟'' میں نے ذومعنی لہجے میں اس کی ستائش کی ''فی الحال میرے لیے ناشتے کا آرڈر دے دو۔ میں پانچ منٹ میں آ رہا ہوں'' اس کا آخری فقرہ میں نے نظر انداز کر دیا۔

اسے ہدایت دیتا ہوا میں باتھ روم میں گھس گیا۔

چند منٹ بعد میں شاور سے گرنے والی ٹھنڈے پانی کی تیز دھاروں کے نیچے کھڑا ہوا نہا رہا تھا کہ مجھے کمرے میں فون کی گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی جو فوراً ہی معدوم ہو گئی۔ شاید غزالہ نے فون اٹھا لیا تھا۔

میرا ذہن فون کی طرف مبذول ہو گیا۔ میں نے تیزی سے شاور میں پانی کا بہاؤ بڑھا دیا تا کہ بدن پر لگے ہوئے صابن سے جلد چھٹکارا مل جائے۔

میں غسل ختم کر کے تولیے سے بدن خشک کر رہا تھا کہ باتھ روم کے دروازے پر غزالہ کی آواز سنائی دی۔ وہ کہہ رہی تھی ''آپ کے ہم زاد کا فون تھا۔ وہ دس منٹ بعد دوبارہ فون کرے گا۔''

بنکاک میں میرے دو ہم زاد کہے جا سکتے تھے۔ ایک

Downloaded from https://paksociety.com

اسد اور دوسرا چاؤ۔ پتا نہیں وہ کس کا فون تھا۔ میں نے غزالہ کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بدن خشک کر کے کپڑے پہنے اور باتھ روم سے باہر آ گیا۔

''میرے کس ہم زاد کا فون آیا تھا؟'' باہر آتے ہی میں نے غزالہ سے پوچھا۔

''وہ بے چارہ ایک ہی تو ہے'' وہ ہنستے ہوئے بولی ''رات کو آپ نے اسے ڈانٹ کر بھگا دیا تھا۔ اب وہ ہوٹل نہیں آیا، کہیں اور سے فون کر رہا تھا۔ میں نے اسے بتا دیا کہ آپ نہا رہے ہیں.....''

''یہ سب کہنے کی کیا ضرورت تھی؟'' میں نے اس کی بات کاٹ کر قدرے سختی سے کہا ''تم نے اسے دیکھا ہے، نہ اب سے پہلے اس کی آواز سنی تھی۔ تم نے کیسے یقین کر لیا کہ آنے والی کال چاؤ فان ہی کی تھی؟''

''میری آواز سنتے ہی اس نے نہایت فدویانہ انداز میں ماسٹر سے بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ اس کے بعد اس پر شبہ کرنے کی کوئی بنیاد نہیں رہ جاتی تھی۔''

''اس نے تمہیں کیا کہا تھا؟'' میں نے اشتباہ آمیز لہجے میں سوال کیا۔

غزالہ بے ساختہ ہنس پڑی ''آپ اس بے چارے کے بارے میں اتنے بدگمان کیوں ہو رہے ہیں، وہ مجھے مادام کہہ رہا تھا۔''

''آہستہ آہستہ یہ باتیں سمجھنے لگو گی'' میں نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کر اپنے بال سنوارتے ہوئے کہا ''میرے ہاتھوں ایک آدمی کی ہلاکت کے بعد ہماری پوزیشن بہت نازک ہو گئی ہے۔ آئندہ محتاط رہنا۔ تم کو سب سے پہلے اس کا نام پوچھنا چاہیے تھا۔''

اس نے کسی تاخیر کے بغیر اپنی غلطی مان لی، بات وہیں ختم ہو گئی۔

چند منٹ بعد میرے لیے ناشتا آ گیا۔ ناشتے کے دوران میں چاؤ کا فون آ گیا۔

''ماسٹر!'' میری آواز سنتے ہی چاؤ مودب انداز میں بولا ''میں مارکیٹ کے چوراہے پر تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔''

''مگر ہمارا تو کوئی پروگرام طے نہیں تھا!'' میں نے دانستہ بے اعتنائی سے کہا۔

''میں تم سے ملنے کے لیے بے چین ہوں، پندرہ منٹ رہ گئے ہیں۔ میں تمہارے ساتھ کسی ایک گملے کے پاس موجود رہنا چاہتا ہوں۔''

میری نظریں بے اختیار وال کلاک کی طرف اٹھ گئیں۔ سوئیاں واقعی پونے گیارہ بجا رہی تھیں، پندرہ منٹ بعد راجن کے ٹھکانوں پر تباہی نازل ہونے والی تھی۔

''میں ناشتے سے فارغ ہو کر آ رہا ہوں'' میں نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد اسے جواب دیا اور فون بند کر دیا۔

''کیا اس کے ساتھ آپ کہیں جا رہے ہیں؟'' غزالہ نے پرتجسس لہجے میں پوچھا۔

''اس کا دماغ خراب ہے۔ وہ کسی ایک ٹھکانے کی تباہی اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا خواہش مند ہے۔ وہ اپنے ساتھ مجھے بھی مروائے گا۔ وہ گولڈن ڈریگن میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں بھی جاننا چاہ رہا ہوگا۔ میں اس سے مل کر تھوڑی دیر میں لوٹ آؤں گا۔'' میں نے اسے اپنی بے لاگ رائے سے آگاہ کر دیا۔

میں نے عجلت میں ناشتا ختم کیا اور بیم گن اپنی جیب میں ڈال کر ہوٹل کے کمرے سے نکل گیا۔ میں خود بھی اس سے مل کر کئی سوالوں کے جواب حاصل کرنا چاہ رہا تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں اس کے آدمی بھی میری طرح ناکامی سے دوچار نہ ہوئے ہوں۔ اس نے پندرہ منٹ بعد کسی گملے کے پاس موجود رہنے کی خواہش ظاہر کر کے مجھے یہ جتا دیا تھا کہ پچھلی رات کم از کم اس کے سب آدمی ناکام نہیں ہوئے تھے۔

بنکاک ایک وسیع شہر ہے۔ میں مختصر سی مدت میں اس کے ہر علاقے سے واقف نہیں ہو سکتا تھا لیکن ہوٹل کے قرب و جوار کا جغرافیہ میں نے اچھی طرح ذہن نشین کر لیا تھا اس لیے مجھے ہوٹل سے نکل کر مارکیٹ کے مجوزہ چوراہے تک پہنچنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔

اس وقت تک اس علاقے میں کاروبار پوری طرح بحال نہیں ہوا تھا لیکن سڑک پر بسوں اور گاڑیوں وغیرہ کا خاصا ہجوم تھا۔ ڈرائیوروں کی عجلت پسندی اور بدنظمی کی وجہ سے ٹریفک کی رفتار بہت سست تھی۔ اصولی طور پر ان اوقات میں وہاں گاڑی پارک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس کے باوجود چاؤ نے اپنی کالی اکارڈ نہایت ڈھٹائی سے ایک طرف کھڑی کی ہوئی تھی۔ وہ بنکاک کا چلن تھا۔ کسی کو اس سے شکایت نہیں تھی۔ سب گاڑیاں کالی اکارڈ سے بچ کر گزر رہی تھیں۔

غیر ارادی طور پر میرے قدموں کی رفتار تیز ہو گئی۔ چاؤ کی بے چین نظریں میری تلاش میں سرگرداں تھیں۔ اس نے دور ہی سے مجھے دیکھ لیا۔ میرے سوار ہونے سے پہلے وہ اپنی گاڑی کا انجن چلا چکا تھا۔ میرے بیٹھتے ہی اس نے ایک ہچکولے سے اپنی گاڑی آگے بڑھا لی۔ اس کے پیچھے سے

Downloaded from https://paksociety.com

آنے والی کئی گاڑیاں ایک دوسرے سے ٹکرانے سے بال بال بچیں۔ کچھ دل جلوں نے ہارن بجائے لیکن چاؤ خان کے کانوں پر جوں بھی نہ رینگی۔ وہ بے فکری سے ٹریفک میں اپنا راستہ بناتا رہا۔

''تم نے پیچھے سے آنے والوں کے ساتھ زیادتی کی ہے'' میں اس کی حرکت پر اپنی زبان کھولے بغیر نہ رہ سکا ''کوئی غصہ ور ڈرائیور اتر کر تمہارا گریبان تھام سکتا تھا۔''

وہ محظوظ ہونے والے انداز میں ہنسا پھر بولا ''ماسٹر! تم یہاں پردیسی ہو۔ رفتہ رفتہ ہم لوگوں کے مزاج کو سمجھ جاؤ گے۔ ہم ٹھنڈے ماتھے کے لوگ ہیں۔ غصہ کر کے رہ جاتے ہیں۔ ہاتھا پائی نہیں کرتے اور ویسے بھی تم دیکھو، اس ٹریفک میں اتنا راستہ کہاں ہے جو کوئی میرے برابر میں آ کر منہ در منہ گالی دے۔ کوئی اپنی گاڑی چھوڑ کر لڑنے کے لیے اترے گا تو پیچھے والے اسے گھسیٹ پر واپس اس کی ڈرائیونگ سیٹ پر پہنچا دیں گے۔ یہ بنکاک ہے، یہاں یہ سب چلتا ہے'' اپنی بات پوری کر کے وہ پھر ڈھٹائی سے ہنسنے لگا۔

''اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' اس کی ہنسی کا سلسلہ ختم کرانے کے لیے میں نے جھلائے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

''میں نے فون پر بتایا تھا نا'' وہ بے پروائی سے بولا ''چھوٹا راجن کا بے بی کلب یہاں سے سب سے زیادہ قریب ہے۔ میں گیارہ بجے وہاں پہنچنا چاہتا ہوں۔''

''میں وہاں نہیں جاؤں گا'' اس کی بے نیازی پر مجھے واقعی غصہ آ گیا۔

''ارے ماسٹر! غصہ کیوں کر رہے ہو؟ وہاں گملے میں پھول کھلتا دیکھو گے تو طبیعت خوش ہو جائے گی۔ میں نے رات تمہارا کام دیکھا تھا۔ اب تم میرا کام دیکھو!''

''ماسٹر میں ہو یا تم؟'' میں نے بھنّا کر سوال کیا۔

''ماسٹر تو تم ہی ہو۔ میں تمہارا معمولی خادم ہوں'' اس نے نیم مردہ آواز میں کہا۔

''بس، میرا حکم ہے کہ ہم کسی گملے کی طرف نہیں جائیں گے'' اس کی آواز کی کمزوری بھانپ کر میں شیر ہو گیا۔

''جیسی تمہاری مرضی!'' وہ منہ لٹکا کے بولا ''شاید تم ڈر رہے ہو کہ کہیں کوئی تمہیں پہچان نہ لے۔ یہ خدشہ بے کار ہے۔ رات کو تم نے کمال کی تیاری کی تھی۔ میں شرط لگا سکتا ہوں کہ راجن کا مرنے والا آدمی زندہ ہو جائے تو وہ بھی اب تمہیں نہیں پہچان سکتا۔''

اس کا انداز سعادت مندانہ تھا لیکن باتیں سلگانے والی تھیں۔ میں نے چیخ کر کہا ''میں کسی کے باپ سے بھی نہیں ڈرتا۔ لیکن جان بوجھ کر اپنی گردن چھری کے نیچے دینے کا قائل نہیں ہوں۔ وہاں جو کچھ ہوگا، تھوڑی دیر میں پورے شہر کو معلوم ہو جائے گا۔''

غنیمت ہوا کہ اس بار چاؤ خان نے اپنی زبان نہیں کھولی، سر ہلا کر رہ گیا۔

''کچھ دیر پہلے تم نے بے بی کلب کا نام لیا تھا۔ اس کا کیا مطلب ہے؟'' چند ثانیوں کے سکوت کے بعد مجھے اپنے تجسس سے مجبور ہو کر سوال کرنا پڑ گیا۔

''بے بی کا مطلب بتاؤں یا کلب کا؟'' اس نے بے ساختہ معصومیت سے پوچھا۔

میں نے گھور کر اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہاں گمبھیر سنجیدگی کا راج تھا۔ مذاق کی کوئی گنجائش نظر نہیں آ رہی تھی۔ یکا یک میرا اشتعال دور ہو گیا۔ میں نے نرمی سے کہا ''دونوں کا مطلب بتاؤ۔ وہ کس قسم کا کلب ہے؟''

''درمیانے درجے کا نائٹ کلب ہے۔ وہاں بیس سال سے کم عمر کی لڑکیاں اپنی اپنی کھال میں ناچتی ہیں اس لیے اس کا نام بے بی کلب رکھا گیا ہے۔ دو بجے فلور شو ختم ہوتا ہے تو وہ ان تماشائیوں کے ساتھ چلی جاتی ہیں جن کو وہ شو کے دوران میں تاک چکی ہوتی ہیں۔''

''وہ کلب دھڑلے سے چل رہا ہے؟''

''ہاں ماسٹر..... اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ بنکاک میں ایسے کئی نائٹ کلب ہیں مگر راجن نے نام چھانٹ کر بہت انوکھا رکھا ہے۔ سب کو لائسنس ملے ہوئے ہیں۔ کلب والے کسی ڈانسر کے ساتھ زبردستی نہیں کرتے۔ پیسہ کمانے کے شوق میں لڑکیاں خود وہاں آتی ہیں۔ رات گہری ہوتی ہے تو ان نائٹ کلبوں میں تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی۔ آنے والے دونوں ہاتھوں سے ڈالر لٹاتے ہیں اور خوش ہو کر جاتے ہیں۔''

''نابالغ اور کم سن لڑکیوں کو اس گندے دھندے میں لگانا سنگین جرم ہے۔ ان کو اس کام کے لائسنس کون دیتا ہے؟''

''ماسٹر! تم بلاوجہ جذباتی ہو رہے ہو۔ یہاں سیکس مافیا بہت مضبوط ہے۔ یہ لوگ ہر کام دیکھ بھال کر کرتے ہیں۔ بارہ برس کی لڑکی کو فلور پر لانے سے پہلے اس کے پکے کاغذات بنوا لیے جاتے ہیں جن کی رو سے وہ بالغ ہوتی ہے۔ ریکارڈ کی رو سے پورے بنکاک کے کسی نائٹ کلب میں اٹھارہ برس سے کم عمر کی کوئی لڑکی نہیں مل سکتی۔ ڈانسر ہو یا ویٹریس، سب بالغ ہوتی ہیں، یہ دھندے ہر فریق کی رضامندی سے ہوتے

Downloaded from https://paksociety.com

ہیں۔''

بے بی کلب سے بات نکلی اور دور چلی گئی۔ دنیا کے کس بڑے شہر میں ایسے گھناؤنے دھندے نہیں ہو رہے تھے۔ لندن، پیرس اور نیویارک جیسے مہذب اور ترقی یافتہ ممالک میں یہ نام نہاد کاروبار اس سے زیادہ کریہہ صورتوں میں خوب پھل پھول رہے تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ بنکاک کو ذرا زیادہ شہرت دے دی گئی تھی۔ اس بگاڑ پر میرا خون کھولانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ چاؤ فان ہر قسم کے جذبات سے عاری ہو کر مجھے ان رموز سے آگاہ کر رہا تھا تو مجھے ان باتوں پر جذباتی ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ میرا ملک تھا نہ میری قوم!

''تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ ہماری اس وقت کی ملاقات کا کیا مقصد تھا؟'' قدرے توقف کے بعد میں نے چاؤ فان سے کہا۔

''ماسٹر! مجھے یہ الزام نہ دو'' اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا ''میں نے پہلے ہی تمہیں بتا دیا تھا۔ تم نے بے بی کلب کی طرف جانے سے انکار کر کے بات ختم کر دی!''

''پھر گاڑی کنارے سے لگا کر مجھے اتار دو'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا ''میں یہاں سے ٹہلتا ہوا اپنے ہوٹل چلا جاؤں گا۔''

''ضرور چلے جانا۔ میری بس ایک گزارش ہے کہ مجھے رات کی کتھا سنا دو'' اس نے حسرت آمیز لہجے میں کہا ''رات کو مرنے والے کی لاش اتنی تیزی سے نیلی ہونا شروع ہوئی کہ گولڈن ڈریگن میں سانپ، سانپ کا شور مچ گیا۔ کیسینو کا خوف زدہ عملہ بہت دیر تک وہاں انڈین کو برا تلاش کرتا رہا، تم نے اسے کیسے مارا تھا؟''

''وہ انڈین کوبرا کے زہر سے مرا ہے۔ زہر اتنی تیزی سے کام کرتا ہے کہ اس کا شکار ہونے والے کو اپنا سانس پورا کرنے کا موقع نہیں ملتا۔''

''یہ زہر تم اپنے شکار کے بدن میں کیسے اتارتے ہو؟'' اس بار میں چاؤ فان کا تجسس حد سے زیادہ بڑھا ہوا تھا۔

''ایک بہت خاص اور مختصر سا ہتھیار ہے'' میں نے اسے گول مول سا جواب دیا۔

''افریقی بلو پائپ جس میں زہریلا تیر رکھ کر منہ سے پھونک ماری جاتی ہے اور ہلکا تیر اڑتا ہوا نشانے میں پیوست ہو جاتا ہے'' اس نے تائید طلب لہجے میں قیاس آرائی کی۔

''آسانی کے لیے کچھ ایسا ہی سمجھ لو'' میں نے بے پروائی سے کہا۔

''ماسٹر! تم مجھے چکر دے رہے ہو؟'' اس نے میرے

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز کا منفرد ماہنامہ

سرگزشت

- اہم قومی اور بین الاقوامی شخصیات کی سوانح
- شکاریات اور مہم جوئی کے کارنامے
- قانون، جرم و سزا اور تاریخ عالم پر دلچسپ معلوماتی اور سنسنی خیز تحاریر
- فلم، ادب اور صحافت کی ان کہی کہانیوں پر مشتمل علی سفیان آفاقی کی یادداشتیں
- شہر شہر اور ملک ملک کی سیر

معاشرے کی دلچسپ اور سبق آموز سچ بیانیوں پر مشتمل معیاری تحریروں کا حسین امتزاج

مئی 2005ء کے شمارے میں پڑھیے

- مونالیزا کے خالق لیونارڈو ڈوونسی کی سوانح
- علی سفیان آفاقی کا سفر سری لنکا
- محی الدین نواب کا دلچسپ سلسلہ ''مقدر''
- اور یو۔ایف۔او کی حقیقت

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

63-C PHASE II EXTENSION,
D.H.A., MAIN KORANGI ROAD,
KARACHI 75500
PHONES: (92) (21) 5802552,
5804200 FAX: 5802551,
E-MAIL: jasoosi@attglobal.net

Downloaded from https://paksociety.com

چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے شکوہ کیا۔ ''میں دیر تک گولڈن ڈریگن کے آس پاس منڈلاتا رہا تھا۔ تیر استعمال کیا گیا ہوتا تو بات صاف ہو جاتی۔ وہ لوگ کوبرا کی تلاش میں پورے یقین کو تہ و بالا نہ کرتے۔ لاش میں کوئی تیر نہیں تھا۔ سچ سچ بتاؤ کہ تم نے اس پر کیا منتر پڑھا تھا؟''

''میں تمہیں کوئی چکر نہیں دے رہا۔ تم نے خود بلو پائپ کا نظریہ پیش کیا۔ اب خود اس کی تردید کر رہے ہو۔ وہ میرا خفیہ ہتھیار ہے، میں تمہیں بس اتنا بتا سکتا ہوں کہ اس کے بدن میں خارجی طریقے سے زہر داخل کیا گیا تھا۔''

''ماسٹر! تم بہت خطرناک آدمی معلوم ہوتے ہو'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ''لاٹھی اور گولی کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے لیکن زہر.....'' وہ ایک جھرجھری لے کر خاموش ہو گیا۔ اس نے اپنا فقرہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

''رات والے واقعے کے بارے میں تمہارے اصلی ماسٹر کی کیا رائے ہے؟'' چند ثانیوں کے بعد میں نے سوال کیا۔ میرا اشارہ ڈان برنارڈ کی طرف تھا۔

وہ فوراً میری بات سمجھ گیا اور خشک لہجے میں بولا ''تم اس کی ہدایت کی خلاف ورزی کر رہے ہو۔ کیا اس نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ اب تم بھول کر بھی اس کا نام اپنی زبان پر نہیں لاؤ گے؟''

''اس نے ایسی کوئی ہدایت نہیں دی۔ یہ ضرور کہا تھا کہ اب میں سیلز ریپ کار کا رخ نہ کروں۔'' میں نے جواب دیا۔

''ایک ہی بات ہے۔ ویسے تم میرے ماسٹر ہو۔ میں تمہارے ہر حکم کی تعمیل کروں گا لیکن یہ نکتہ کان کھول کر سن لو کہ اب تم بڑے آدمی کا کوئی ذکر نہیں کرو گے۔ تم نے ایسی غلطی کی تو ہمارا رشتہ ٹوٹ جائے گا۔ سنگین نتائج کے تم خود ذمے دار ہو گے۔''

اس کا لہجہ ایسا سرد اور سفاکانہ تھا کہ میرے بدن میں پھریری سی دوڑ گئی۔ میں اس کے بارے میں اس سے کوئی اور سوال کرنے کی ہمت نہیں کر سکا۔

ہم دونوں خاموش ہو گئے۔ گاڑی ٹریفک میں اپنی راہ بناتی رہی۔ ڈان کے بارے میں رازداری کے حوالے سے ایک کھلی دھمکی دے کر چاؤ فان نے ماحول میں کشیدگی پیدا کر دی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ اپنی دھمکی کی اہمیت جتانے کے لیے مجھے خاموشی کے ساتھ ہوٹل کی طرف لے جا رہا ہو گا۔

چند منٹ بعد فاسٹ فوڈ کی ایک مخصوص دکان دوبارہ میری نظروں کے سامنے سے گزری تو میں چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ فاسٹ فوڈ کی بڑی اور عالمگیر چین سے تعلق رکھنے والی بیشتر دکانیں یکساں انداز میں بنائی اور سجائی جاتی ہیں اور ہر سلسلہ اپنے مخصوص رکھ رکھاؤ کی وجہ سے الگ پہچانا جاتا ہے مگر مجھے پورا یقین تھا کہ وہ دو دکانوں کی یکسانیت کا معاملہ نہیں تھا۔ چند منٹ کی مدت میں ہم دوسری بار اس دکان کے سامنے سے گزر رہے تھے۔

''ہم ایک ہی علاقے میں کیوں گھوم رہے ہیں؟'' نرم الفاظ میں کسی شک و شبے کا اظہار کرنے کے بجائے میں نے چاؤ فان سے دوٹوک الفاظ میں پوچھا۔

کچھ دیر پہلے کی ترشی کو بھول کر وہ اچانک ہنس پڑا اور بولا ''ماسٹر! تم بہت چالاک ہو..... تم نے کیسے اندازہ لگا لیا کہ ہم ایک علاقے میں گھوم رہے ہیں؟''

پہل اس نے کی تھی۔ میں نے بھی جمود توڑنے کا فیصلہ کرتے ہوئے خوش دلی سے کہا ''ہم کے ایف سی کی ایک برانچ کے سامنے سے دوبارہ گزر رہے ہیں۔''

''تمہارا مشاہدہ واقعی بہت تیز ہے'' یہ کہتے ہوئے اس نے گاڑی کے ڈیش بورڈ میں لگے ہوئے کلاک پر نظر ڈالی اور اپنی بات جاری رکھی ''تم نے مجھے بے بی کلب کی طرف جانے سے روک دیا، میں نے وہ ارادہ ترک کر دیا۔ اب گیارہ بج کر پانچ منٹ ہو رہے ہیں۔ چاروں ٹھکانوں پر جو کچھ ہونا تھا وہ ہو گیا ہو گا۔ اگر تم اجازت دو تو اب دور سے بے بی کلب کا جائزہ لیتے ہوئے گزر جائیں۔''

چاؤ فان کی وہ خواہش غیر فطری نہیں تھی۔ وہ اپنی آنکھوں سے اپنے آدمیوں کی کارکردگی دیکھنے کے لیے بے چین تھا۔ وہ چاہتا تو تنہا ادھر جا سکتا تھا، میرے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو پاتا کہ وہ ادھر گیا تھا۔

وہ ہر کام ترتیب اور تیزی سے کرنے کا عادی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے گیارہ بجے تک بیکار بیٹھنے کے بجائے مجھے بلا لیا تھا کہ میری زبان سے گولڈن ڈریگن کا اصل احوال سن سکے۔ میرا کارنامہ اس نے دیکھ لیا تھا اور موقع سے فائدہ اٹھا کر مجھے اپنی کارگزاری دکھانے کا خواہش مند تھا۔ میں نے اسے اجازت دے دی۔

سوا گیارہ بجے کے قریب مجھے ٹریفک کے بے ہنگم الجھاؤ، رکاوٹوں اور افراتفری سے اندازہ ہو گیا کہ چاؤ فان کی گاڑی راجن کے بے بی کلب کے قریب پہنچ چکی تھی۔ لمحہ بھر بعد چاؤ فان کے مسرت آمیز لہجے نے میرے اندازے کی تائید کر دی۔

''یہاں تو کچھ زیادہ ہی گڑبڑ معلوم ہو رہی ہے، ماسٹر!''

''یہ کون سی جگہ ہے؟'' میں نے انجان بن کر پوچھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

''ماسٹر! وہ دیکھ رہے ہو..... تین اونچے اور دیوہیکل بل بورڈز.....'' وہ ہاتھ سے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا ''چھوٹا راجن کا قحبہ خانہ ٹھیک ان بل بورڈز کے سائے میں ہے۔ ہم زیادہ طاقت ور نہیں تھے، پھر بھی ان سے کافی دہشت پھیلی ہے، سب کچھ درہم برہم نظر آرہا ہے۔''

''تم بے بی کلب کی بات کررہے ہو؟'' میں نے تصدیق چاہی۔

''اس وقت میں اور کس کی بات کروں گا!''

کچھ آگے بڑھنے کے بعد ٹریفک کی حد سے زیادہ بدنظمی کا سبب میرے سامنے آگیا۔

اگر چاؤ فان کے آدمیوں کا نصب کیا ہوا ٹائم بم گیارہ بجے ہی پھٹا تھا تو بے بی کلب میں اس واقعے کو رونما ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ اس قلیل مدت میں بھاری پولیس فورس کے ساتھ امدادی ٹیمیں بھی جائے وقوعہ پر پہنچ چکی تھیں۔ ان کی امدادی کارروائیوں میں سہولت کے لیے پولیس والوں نے عارضی رکاوٹیں کھڑی کرکے آدھی سڑک کو ہر قسم کے ٹریفک کے لیے بند کردیا تھا۔ اس خالی سڑک پر متعدد باوردی افراد کے ساتھ آگ بجھانے والی دو گاڑیاں بھی آموجود ہوئی تھیں۔ سارا دوطرفہ ٹریفک پتلی سی آدھی سڑک سے گزر رہا تھا اور اس کی رفتار بہت سست تھی۔

''ماسٹر! یہاں تو پورا ڈراما چل رہا ہے'' چاؤ فان نے وہ صورت احوال دیکھ کر خوشی سے کہا پھر چونک کر اپنی بات آگے بڑھائی ''اوہو..... وہ دیکھو، بے بی کلب کا ایک حصہ منہدم ہوگیا ہے۔ پرانی عمارتوں میں یہی خرابی ہوتی ہے یہ ذرا سا دھماکا بھی نہیں سہار سکتیں، سیدھی سجدے میں چلی جاتی ہیں۔''

''عمارت کا ایک حصہ گرا ہے تو کچھ لوگ بھی ہلاک اور زخمی ہوئے ہوں گے'' میں نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

''ماسٹر! جس کی موت آگئی ہے اسے عظیم بدھا بھی مرنے سے نہیں بچا سکتے۔ میں نے پوری احتیاط کی تھی کہ کوئی بے گناہ اس دھماکے کی زد میں نہ آئے۔ کوئی مارا گیا ہے تو یقین کرلو کہ وہ بے گناہ نہیں ہوگا۔''

بے بی کلب کی تباہ حال عمارت کا جائزہ لینے کے لیے چاؤ فان کو کوئی کاوش نہیں کرنا پڑی۔ ٹریفک رک رک کر جوں کی رفتار سے آگے بڑھ رہا تھا۔ اس نائٹ کلب کا اگلا حصہ تباہ ہوچکا تھا۔ شاید اندر کسی حصے میں آگ بھی لگی تھی کیونکہ فائر انجنوں کی ٹنکیوں سے منسلک کئی موٹے موٹے پائپ عمارت کے ملبے سے گزر کر اندر جاتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ درمیان میں کھڑے ہوئے فائر مین چلّا چلّا کر دونوں اطراف

بوجھ

طلاق کی درخواست علاقے کے کونسلر کے پاس گئی تو اس نے درخواست گزار کو بلا کر صورت حال معلوم کرتے ہوئے پوچھا ''تم نے لکھا ہے کہ تمہیں اپنی بیوی کے کنبے کی کفالت کا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟''

''جی ہاں۔ جناب عالی!'' درخواست گزار نے جواب دیا۔

''تمہاری بیوی کا کنبہ کتنے افراد پر مشتمل ہے؟'' کونسلر نے پوچھا۔

''آٹھ بچے ہیں جناب عالی!'' درخواست گزار نے بتایا۔

''ان بچوں کا باپ کون ہے؟'' کونسلر نے پوچھا۔

''میں.....'' درخواست گزار نے سر جھکا کر جواب دیا۔

کے ساتھیوں کو ہدایات دینے میں مصروف تھے۔ واقعہ شاید بہت بڑا نہیں تھا لیکن تھائی اہل کاروں کی غیر معمولی مستعدی نے واردات کے مقام پر خاصا سنگین اور پرہول سماں پیدا کردیا تھا۔

وہاں جو کچھ نظر آرہا تھا، وہ میری توقع سے بہت زیادہ تھا۔ دو پاؤنڈ بارودی قوت والے ٹائم بم سے مجھے اتنی بربادی پھیلنے کی امید نہیں تھی۔ اگر بقیہ تین ٹھکانوں پر بھی وہی کچھ ہوا تھا تو چھوٹا راجن کے لیے پیغام بہت واضح تھا۔ بنکاک میں اس کی بادشاہی کا زمانہ لد چکا تھا۔ اسے اپنا بستر بوریا سمیٹ لینا چاہیے تھا۔

ہم یک طرفہ سڑک سے گزرنے والے دوطرفہ ٹریفک سے نکلنے بھی نہ پائے تھے کہ اچانک موبائل فون کی گھنٹی نے میرے خیالات کا سلسلہ درہم برہم کردیا۔ میرا ہاتھ بے اختیار اپنی جیب کی طرف گیا۔

میرا فون خاموش تھا۔ اس اثنا میں چاؤ فان ایک ہاتھ سے اسٹیئرنگ تھام کر دوسرے سے اپنا موبائل فون نکال کر کان سے لگا چکا تھا۔

وہ گاڑی چلاتے ہوئے، فون پر ہوں ہاں کرکے دوسری طرف کی بات سنتا رہا پھر اس نے فون بند کرکے اپنی جیب میں ڈال لیا۔

''ماسٹر! آج کی تازہ خبر!'' اس نے بازاری انداز میں ایک ہاتھ میری ران پر مار کر، خوشی سے کہا۔ وہ شاید کچھ اور بھی کہنا چاہ رہا تھا مگر میں نے خفگی سے اس کی بات کاٹ دی۔

Downloaded from https://paksociety.com

''چاؤ! یہ کیا حرکت ہے۔ کیا تمہارے یہاں ماسٹروں سے اسی طرح بدتمیزی کی جاتی ہے؟ تم نے میری ران پر ہاتھ کیوں مارا؟''

''ماسٹر! مجھے معاف کردو'' اس نے پورے خلوص سے کہا ''میں خوشی سے بے قابو ہوکر یہ اضطراری حرکت کرگیا۔ آئندہ احتیاط رکھوں گا اور ہاں، مجھے چاؤ نہ کہا کرو۔ میرا نام چاؤفان ہے اور یہ ایک ہی لفظ ہے۔''

''کسی وقت میں خوشی میں آپے سے باہر ہوکر تمہارے ساتھ کوئی حرکت کرگزرا تو تم روتے پھروگے۔ ہمارے درمیان کوئی نہ کوئی حدفاصل قائم رہنی چاہیے!''

''تم میرے ماسٹر ہو، میری گردن بھی ماردوگے تو میں اُف نہیں کروں گا'' اس کی زبان تیز چلتی تھی۔ ذرا سا موقع ملنے پر وہ زمین اور آسمان کے قلابے ملانے سے گریز نہیں کرتا تھا لیکن اس کا عمل اس کے قول سے زیادہ میل نہیں کھاتا تھا۔ اس کا اندازہ مجھے ذرا دیر پہلے اس وقت ہوا تھا جب میں نے نادانستگی میں ڈان کا ذکر چھیڑا تھا۔

''تم نے اب تک یہ نہیں بتایا کہ تم کس بات پر خوشی سے بے قابو ہوئے تھے؟''

''بڑی خبر ہے'' وہ مسکراتے ہوئے بولا ''تم باتوں میں اس طرح الجھاتے ہو کہ آدمی اصل بات بھول جاتا ہے۔ میرا آدمی بتا رہا تھا کہ چھوٹا راجن ممبئی سے اچانک بنکاک پہنچ گیا ہے اور اس وقت گولڈن ڈریگن میں ہے۔''

وہ واقعی بہت اہم اطلاع تھی۔ اس کی بنکاک آمد کا سبب بہت واضح تھا۔ اس کے آدمیوں نے فون پر اسے پچھلی رات کو ہی یہ اطلاع دے دی ہوگی کہ گولڈن ڈریگن کا ایک محافظ زہر کا شکار ہوکر پراسرار حالات میں مارا گیا تھا۔ راجن پچھلے دو برسوں سے بنکاک کی زیرزمین دنیا پر بلاشرکت غیرے راج کررہا تھا۔ اس کے لیے وہ دھچکا ناقابلِ برداشت تھا۔ یقینی بات تھی کہ وہ اپنی ساری مصروفیات ترک کرکے بنکاک پہنچنے کے لیے بے چین ہوگیا اور پہلی دستیاب پرواز سے وہاں آ گیا۔

یہ اس کی بدنصیبی تھی کہ اس کے بنکاک پہنچنے تک پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی گزر چکا تھا۔ وہ ایک محافظ کی موت کی خبر سن کر بنکاک آیا تھا۔ وہاں مزید چار تابوت کن دھما کے اس کی آمد کے منتظر تھے۔

''کیا اسے اب تک بے بی کلب میں ہونے والے دھماکے کی خبر نہیں ملی ہوگی؟'' میں نے چاؤفان سے پوچھا۔

''یہ ناممکن ہے'' اس نے سر ہلا کر وثوق سے جواب دیا ''جرائم کی دنیا میں زندہ رہنے کے لیے ہر لمحے باخبر رہنا ضروری ہوتا ہے۔ چھوٹا راجن کا مواصلاتی نیٹ ورک بہت مضبوط ہے۔ اس کے آدمی وائرلیس، موبائل فون اور کمپیوٹر نیٹ ورک پر ہر وقت ایک دوسرے سے رابطے میں رہتے ہیں۔ کہیں بھی کچھ ہوتا ہے تو چھوٹا راجن کو خبر مل جاتی ہے۔''

''میں نے تم سے ایک چھوٹا سا سوال کیا تھا۔ چھوٹا راجن کا قصیدہ پڑھنے کے لیے نہیں کہا تھا!''

''ماسٹر! یہ قصیدہ نہیں، ٹھوس حقیقت ہے۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارا حریف کتنے پانی میں ہے۔ اب تک اس نے بنکاک کی پوری انتظامیہ کو ہلا کر رکھ دیا ہوگا۔ وہ زخمی ناگ کی طرح ہر ایک پر اپنا پھن مار رہا ہوگا لیکن ہمارے کیے ہوئے کام کا کوئی تو ڑ نہیں کرسکتا۔ اس وقت اس پاپی کی حالت دیکھنے والی ہوگی۔''

''مجھے اس کی حالت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ بھیڑیا زخمی ہوتا ہے تو روتا اور غراتا ہے۔ اس کا زخم مندمل ہوجائے تو وہ دوبارہ کمزوروں کو چیرنے اور پھاڑنے پر کمربستہ ہوجاتا ہے۔ میں خوش ہوں کہ وہ یہاں لوٹ آیا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے دشمن کے یعنی ہمارے بارے میں کچھ جان سکے، میں اسے موت کے گھاٹ اتار دینا چاہتا ہوں۔''

''ماسٹر! تمہاری یہ جذباتی تقریر بہت عمدہ تھی۔ میرے جذبات تم سے مختلف نہیں ہیں مگر مسئلہ اسے ٹھکانے لگانے کا ہے۔ اس تک رسائی دشوار ہے۔''

''اس وقت وہ گولڈن ڈریگن میں ہے۔ افراتفری میں ہم اپنا راستہ بنا کر اس تک پہنچ سکتے ہیں۔'' میں نے بے خوفی سے کہا۔

اس نے لمحہ بھر کے لیے حیرت بھری نگاہوں سے میری طرف یوں دیکھا جیسے وہ میری دماغی صحت پر شبہ کررہا ہو۔ پھر وہ دھیرے سے بولا ''تمہیں معلوم ہے کہ اس کے بعد ہمارا انجام کیا ہوگا؟''

''ہم اسے ماریں گے تو اس کے محافظ ہمیں ماردیں گے یا شاید پولیس والے ہمیں پکڑ لیں۔ کچھ بھی ہو، یہ سودا مہنگا نہیں رہے گا۔''

''تم بہت ہوشیار اور ذہین آدمی ہو، میں تمہیں یہی بتانا چاہ رہا تھا کہ اگر وہ وہاں موجود ہے تو اس کے درجنوں محافظوں اور پولیس والوں نے گولڈن ڈریگن کی عمارت کو اپنے حصار میں لیا ہوا ہوگا۔ ہم ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اندر گھسنے میں کامیاب ہوگئے تو زندہ واپس نہیں لوٹ سکیں گے۔ مجھے یہ سودا منظور نہیں ہے۔ ہمارا بڑا ابھی یہ

Downloaded from https://paksociety.com

نہیں چاہتا کہ ہم اپنی جانیں داؤ پر لگا کر اس خبیث کو زیر کریں۔''

''مجھے روک رہے تھے۔ اب خود اس کا ذکر نکال بیٹھے ہو؟'' میں نے غرا کر کہا۔

''غلطی ہوگئی، میں معافی چاہتا ہوں'' اس نے بلا توقف میرا اعتراض تسلیم کرلیا۔

''تم نے یہ نہیں بتایا کہ ہم خطرات سے ڈرتے رہے تو چھوٹا راجن تک کیسے پہنچیں گے؟''

''اسے ٹھکانے لگانے کے لیے خطرہ تو مول لینا ہوگا۔ اس کے بغیر بات نہیں بنے گی۔ تم بہت زیادہ جوش میں آئے ہوئے ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ بات تب بنے گی جب دشمن کا کام تمام ہوجائے اور ہمارا بال بیکا نہ ہو۔ تحمل سے انتظار کیا جائے تو ایسا موقع ضرور ملے گا۔''

''میں دشمنی نکالنے میں اتنی سوچ بچار کا قائل نہیں ہوں'' میں نے اکتائے ہوئے انداز میں جواب دیا ''اب ایسا موقع تم کو تلاش کرنا ہوگا۔''

''اس کے دھندے شہر سے باہر بھی پھیلے ہوئے ہیں۔ جس روز اس کا قافلہ بنکاک سے نکلا، ہم راستے میں اسے گھیر لیں گے'' اس نے مجھے اطمینان دلاتے ہوئے کہا ''تمہاری ذات سے مجھے بہت تقویت مل رہی ہے۔ تم بے خوف ہوکر لڑنے والوں میں سے ہو۔ میں ذرا مکاری سے کام لیتا ہوں۔ مل کر ہم ضرور سرخ رو ہوں گے۔''

''اب تم مجھے کہاں لیے پھر رہے ہو؟'' میں نے بے زاری سے کہا۔

''فکر نہ کرو۔ میں تمہارے ہوٹل کی طرف جارہا ہوں'' چاؤفان نے مجھے دلاسا دیا ''تم کو اتار کر میں بقیہ تین اڈوں کا تماشا دیکھوں گا۔ آج چھوٹا راجن کی زندگی کا بدترین دن ہے۔ ڈان کو دو برسوں میں پہلی بار خوشی ہوگی۔''

''ابھی تم نے اس کے ذکر پر معافی مانگی تھی۔ اب اس کا نام لے رہے ہو۔ آخر تم کیا چاہتے ہو؟'' میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''اس کا ذکر کیے بغیر بات نہیں بنتی'' اس نے اس ایک گہرا سانس لے کر بے چارگی سے کہا۔ ''میرا خیال ہے کہ ہم آپس میں اس کے بارے میں بات کرلیں تو اس کی ہدایت سے کوئی انحراف نہیں ہوگا۔ کسی تیسرے آدمی کو اس بات کی بھنک نہیں ملنی چاہیے کہ ہم کو اس کام میں ڈان کی خوشنودی حاصل ہے۔''

''تمہیں دیر سے عقل آئی ہے۔ ڈان کا اصل مقصد بھی یہی تھا'' میں نے طنز سے کہا۔

وہ ہنس پڑا اور بولا ''ماسٹر! میں غلطی کررہا تھا تو تم مجھے سمجھا سکتے تھے۔''

''میری زبان سے اس کا ذکر سنتے ہی تم کسی شکاری کتے کی طرح غرائے تھے۔ کچھ سمجھانے کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ میں بحث کرتا تو تم لڑ پڑتے۔''

''ماسٹر! تم مجھے کتا کہہ رہے ہو؟'' اس نے منہ لٹکا کے شکایت کی۔

''ہماری طرف بے مثال وفاداری کی تعریف میں کسی کو کتا کہا جاتا ہے'' میں نے بے پروائی سے جواب دیا ''یہاں کے بارے میں، میں کچھ نہیں جانتا۔ اگر تم لوگ کتے کو برا سمجھتے ہو تو میں آئندہ یہ لفظ استعمال نہیں کروں گا۔''

''تم مجھے ضرور کتا کہو مگر کسی اور کے سامنے نہیں۔ یہاں اسے بہت ذلیل اور گھٹیا جانور سمجھا جاتا ہے۔ کسی مقامی نے

فربینا کھائیے جان بنائیے

فربینا جسم کو موٹا اور خوبصورت بنانیوالی یونانی دوا ہے جو ایک ماہ کے قلیل عرصے میں قدرتی طور پر بریسٹ، کمر، کولہے، گردن، کندھے اور چہرے کے گالوں پر گوشت میں اضافہ کرکے جسم بھرا بھرا موٹا اور خوبصورت بناتی ہے۔ دبلے پتلے جسم سے نجات اور وزن میں قدرتی اضافہ کیلئے فربینا 15 سال سے پاکستان بھر میں مشہور ہے۔ نئی فربینا ایکسٹرا سٹرونگ وٹامنز اور سیرپ کا ایسا مرکب ہے جو جسم کو فولاد کی طرح مضبوط اور چہرہ گلاب کی طرح سرخ بناتا ہے۔ مضر اثرات سے قطعی پاک۔ مستقل اثر۔ جسم موٹا اور خوبصورت بنانے کیلئے فربینا فیت/350 روپے۔ خط لکھ کر ہدایہ VP منگوائیں۔

حکیم ارشد لسبلہ ٹریڈ یوسٹ بکس 2608 اسلام آباد

شاکٹ کراچی: خواجہ اسٹورز ایمپریس مارکیٹ صدر فون 521225 • شاپ میڈیکل سٹور بالمقابل بینک آف پنجاب مارکیٹ صدر • محمد علی میڈیکوز آرام باغ روڈ فون 221582 • دہلی دواخانہ مین روڈ لیاقت آباد • کلاسک ہومیو میڈیکل بورڈ آفس ناظم آباد فون 651548 حیدرآباد: مصطفیٰ دواخانہ نزد راحت سینما فون 785189 • ماریہ دواخانہ الرحیم شاپنگ سنٹر پولیس لائن۔ لاہور: علی ہومیو جان محمد آرکیڈ اچھرہ • بلال ٹریڈرز سجویری میڈیکل مارکیٹ بیرن لوہاری • مشتاق ہومیو اچھرہ • ایم حنیف اینڈ سنز ہومیو پوائنٹ والا چوک فیصل آباد: فیضان ہومیو ستاری طبی دواخانہ جنیوٹ بازار سیالکوٹ: گڈ لک ہومیو میڈیکل سٹور • علی ہومیو سرکلر روڈ گجرات • جنرل ہومیو ایڈورڈ یادگار گوجرانوالہ • مہر ہومیو بخاری مارکیٹ ملتان • طاہر ہومیو بانو بازار رحیم یار خان • رجحان ہومیو موتی بازار وزیر آباد • قادری جنیوئی دواخانہ کچہری بازار سرگودہا: اداریہ مرکز ادویات پوسٹ بازار راولپنڈی • عصمت ہومیو پوسٹ بازار • اللطیف بک ڈپو نزد چوک اسلام آباد: محمد علی دواخانہ لبرٹی شاپنگ سنٹر آبپارہ • یونیورسل سٹورز کراچی کمپنی • ہاشمی دواخانہ گلبرگ گلی نمبری • ملت دواخانہ چوک گھنٹہ گھر شاہدرہ • ڈاکٹر ظہیر ہومیو کلینک • فوارہ چوک اٹک شہر

Downloaded from https://paksociety.com

تمہاری زبان سے میرے لیے یہ لفظ سن لیا تو سوچے گا کہ میں نے اپنی روح تمہارے ہاتھ بیچ دی ہے۔''

وہ دلچسپ اور زبان دراز آدمی تھا۔ ڈان نے یقینی طور پر کچھ سوچ سمجھ کر ہی مجھے اس سے رجوع کرنے کی ہدایت کی تھی۔ اس کے ساتھ رہ کر مجھے لمحہ بھر کے لیے بھی کوفت نہیں ہو رہی تھی۔ اسے رگڑا دے کر مجھے دلی خوشی ہو رہی تھی۔

''کیا تھائی لینڈ میں روحوں کی خرید و فروخت بھی ہوتی ہے؟'' میں نے چونک کر پوچھا۔

''جہالت کی وجہ سے یہاں کے لوگ ضعیف الاعتقاد ہیں، ان میں ایسی بہت سی روایتیں چلتی رہتی ہیں'' اس نے خفت آمیز انداز میں ہنستے ہوئے بتایا ''میرے گاؤں میں کوئی مرغی غلطی سے بڑا انڈا دے بیٹھے تو اسے فوراً ہلاک کر کے، اس کا گوشت چیل کوؤں کو کھلا دیا جاتا ہے۔ لوگ بڑے انڈے کو شیطان کا انڈا کہتے ہیں۔ اسے گاؤں سے بہت دور لے جا کر جنگل میں پھینک دیا جاتا ہے۔ بنکاک میں لوگ شوق سے بڑے انڈے خریدتے ہیں۔''

''تم کسی گاؤں سے بنکاک میں آئے ہو؟''

''بنکاک کی آدھی سے زیادہ آبادی دوسرے قصبوں سے آئی ہوئی ہے۔ ویت نام کی جنگ کے اکیس سالوں میں بنکاک کی آبادی بے تحاشا بڑھی ہے۔ اس سے پہلے یہ چھوٹا سا پرسکون شہر ہوا کرتا تھا۔''

میں نے خاموشی اختیار کر لی۔ مجھے اندیشہ تھا کہ میں نے اس کی گفتگو میں ذرا بھی دلچسپی ظاہر کی تو وہ مجھے بنکاک کی تاریخ سنانا شروع کر دے گا۔

''ماسٹر! ایک بات کہوں؟'' چاؤفان اپنی عادت کے مطابق زیادہ دیر تک خاموش نہیں بیٹھ سکا۔

میں اسے مناسب جواب دینے کے بجائے ہوں کر کے رہ گیا۔

''تم پچھلی رات کو اپنی عورت کے ساتھ گولڈن ڈریگن گئے تھے نا؟''

''ہاں..... کیا تمہیں کوئی اعتراض ہے؟'' میں نے تلخی سے پوچھا۔

''مجھے کہنے دو کہ وہ بہت زوردار ہے۔''

''چاؤفان! کیا تم اپنے ہوش میں ہو؟'' میں نے غراتے ہوئے کہا۔

''ماسٹر! یہ خدا کی ایک نعمت ہے جو خوش نصیبوں کو ملتی ہے'' وہ ایک گہرا سانس لے کر بولا ''کل رات میں نے پہلی بار تمہاری عورت کو دیکھا اور بس دیکھتا رہ گیا۔ خدا اسے اپنی امان میں رکھے۔ تم کو بے خوف ہو کر چھوٹا راجن سے لڑنا ہے تو اپنی عورت کو پہلی پرواز سے اپنے وطن واپس بھیج دو!''

اس کی پوری بات سن کر میرا چڑھتا ہوا پارا نیچے گر گیا۔ چاؤفان سے پہلے ڈان بھی مجھے راجن کی بدنگاہی سے ہوشیار رہنے کا مشورہ دے چکا تھا۔ میں نے سرد لہجے میں کہا ''میں اپنے زور بازو سے اپنی بیوی کی حفاظت کر سکتا ہوں۔ وہ خود بھی اپنے دشمن کا سر توڑنے کی اہلیت رکھتی ہے۔''

''سمجھانا میرا کام تھا'' وہ سر ہلا کر بولا ''اس معاملے میں چھوٹا راجن کی شہرت بہت خراب ہے۔ حسین عورتیں اس کی کمزوری ہیں۔ اس کے آدمی آس پاس کے ملکوں سے خوبصورت عورتیں خرید کر یا اغوا کر کے لاتے ہیں۔ وہ کڑے پہرے میں رکھی جاتی ہیں۔ چھوٹا راجن کا دل بھر جاتا ہے تو ان کو کسی نائٹ کلب یا کیسینو میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اسے پتا چل گیا کہ تم ایسی عورت کے مالک ہو تو وہ تمہیں چھوڑ کر اس کے پیچھے پڑ جائے گا۔''

اس کی زبان سے عورت کا لفظ بہت تحقیر آمیز معلوم ہو رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ عورتوں کو بازار کی کوئی بے جان جنس سمجھتا ہو۔ میں نے سخت لہجے میں کہا ''تم نے اپنا فرض پورا کر لیا۔ اب اس بارے میں مزید ایک لفظ بھی نہ کہنا۔ وہ کوئی گئی گزری عورت ہے نہ میں اس کا مالک ہوں۔ ہم دونوں میں میاں بیوی کا مضبوط رشتہ ہے۔''

''ماسٹر! معلوم ہوتا ہے کہ تم آگ سے بنے ہوئے ہو، ذرا ذرا سی بات پر بھڑک اٹھتے ہو۔ میں کوئی غلط بات کہوں تو تم میری میری زبان گدی سے کھینچ سکتے ہو۔ اس وقت میں تمہیں مخلصانہ مشورہ دے رہا تھا، میری نیت بہت نیک تھی۔''

میں نے اسے نظر انداز کر کے اپنی طرف کی بند کھڑکی کے شفاف شیشے سے باہر دیکھنا شروع کر دیا۔

اس بار چاؤفان نے کسی نہ کسی طرح اپنی زبان پر قابو پائے رکھا۔ چند منٹ کا سفر مکمل خاموشی کے ساتھ طے ہوا اور گاڑی ہمارے ہوٹل کی پرشکوہ عمارت کے قریب رک گئی۔

''کہو تو تمہیں اندر پورچ میں اتار دوں'' چاؤفان نے بریک لگاتے ہوئے پوچھا تھا مگر میں نے انکار کر دیا۔ وہ یقینی طور پر بنکاک کا ایک معروف بدمعاش تھا۔ میں غیر ضروری طور پر اس کے ساتھ دیکھا جانا پسند نہیں کرتا تھا۔

''ماسٹر! غصہ تھوک دو۔ جانے سے پہلے ایک بار مسکرا کر میری طرف دیکھ لو'' گاڑی روکتے ہی اس نے عجیب سے خوشامدانہ لہجے میں التجا کی۔

بے اختیار میری ہنسی چھوٹ گئی۔ میں نے دل ہی دل

Downloaded from https://paksociety.com

میں سوچا کہ عجیب ڈھیٹ آدمی سے میرا پالا پڑا تھا۔ وہ بدتمیزیاں اور زبانی گستاخیاں کرنے میں خاص ملکہ رکھتا تھا۔ میری ڈانٹ پھٹکار سن کر بھی برا نہیں مناتا تھا اور غیر ارادی طور پر اپنی حرکتوں کا سلسلہ جاری رکھتا تھا۔

''مجھے سوچنا پڑے گا کہ تم کس مٹی کے بنے ہوئے ہو؟''

میں نے اس سے الوداعی انداز میں ہاتھ ملاتے ہوئے خوش دلی سے کہا۔

''ضرور سوچنا۔ تم کسی اچھے نتیجے پر پہنچو گے؟''

میرے اترتے ہی وہ گاڑی تیزی سے آگے بڑھا لے گیا۔ میں سگریٹ سلگا کر ہوٹل کے احاطے کے داخلی راستے کی طرف بڑھ گیا۔

بنکاک پہنچنے کے بعد واقعات جس انداز میں تیزی کے ساتھ آگے بڑھے تھے، وہ میرے لیے حیران کن تھا۔ کراچی سے روانہ ہوتے ہوئے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس اجنبی شہر میں مجھے اتنی تیزی سے پیش رفت کرنے کا موقع مل سکے گا۔

آئی بی کا اسد ایک مدت سے اسی شہر میں رہ رہا تھا لیکن اپنی تمام تر معلومات کے باوجود وہ زیر زمین دنیا کے کسی بااثر آدمی سے اپنے مراسم استوار کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا تھا۔ اس کے ایما بلکہ نشان دہی پر میں نے راجن کے گوشہ نشین حریف سے رابطہ کرنے کا فیصلہ کیا اور آسانی سے ڈان کو شیشے میں اتارنے میں کامیاب ہوگیا۔

ڈان کے اشیر باد کے بعد جو کچھ ہوا وہ کم حیران کن نہیں تھا۔ چاؤفان نے اپنی چرب زبانی کے باوجود شاندار کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ بروقت مہنگے ٹائم بموں کی فراہمی سے لے کر ان کی طے شدہ ٹھکانوں پر تنصیب تک، ہر کام خوش اسلوبی سے ہوا تھا۔ بیک وقت کیے جانے والے وہ اقدام راجن کے ہوش اڑانے کے لیے کافی تھے۔

میرے ہاتھوں گولڈن ڈریگن میں مارے جانے والے مسلح محافظ کی موت کے اسباب کے سوا، کہیں کوئی ایسا سراغ نہیں چھوڑا گیا تھا جس سے راجن کو یہ اندازہ ہوسکے کہ کہ اس کے دشمن کون تھے۔ جب تک یہ بات پوشیدہ رہتی، ہم پوری بے خوفی کے ساتھ بنکاک میں اس کے مفادات کو نقصان پہنچا سکتے تھے۔

اس دوران میں اگر وہ بنکاک سے کہیں نکلنے کی کوشش کرتا تو چاؤفان کے منصوبے کے مطابق اسے راستے میں گھیر کر جہنم واصل کیا جاسکتا تھا۔ اس کی موت ڈان برنارڈ کے کلیجے میں ٹھنڈک ڈال سکتی تھی لیکن وہ میرا اصل ہدف نہیں تھا۔

چاؤفان کے علم میں لائے بغیر مجھے یہ سراغ لگانا تھا کہ سوبھراج کہاں تھا؟ اس تک رسائی کے بغیر بنکاک میں میرا مشن مکمل نہیں ہوسکتا تھا۔

اس ادھیڑ بن میں، میں اپنے کمرے میں جا پہنچا۔ غزالہ بہت بے چینی کے ساتھ میری واپسی کی منتظر تھی۔

''چاؤ سے آپ کی ملاقات کچھ زیادہ طویل ہوگئی!'' اس نے مجھ سے شکایت کرنے کے بجائے خندہ پیشانی سے تبصرہ کیا۔

''کچھ خبطی سا آدمی ہے'' میں نے بستر پر دراز ہوکر جواب دیا ''کبھی وہ بھیگی بلی بنا رہتا ہے، کینچلی بدلتا ہے تو خادم نما آقا نظر آنے لگتا ہے۔ اس کے ساتھ وقت گزارنے کا یہ فائدہ ہوا کہ راجن کی بنکاک آمد کی خبر مل گئی۔''

''میں یہ سوچ رہی تھی کہ اسے جلد از جلد آنا چاہیے۔ گولڈن ڈریگن کا واقعہ اس کے لیے ایک ڈراؤنا خواب ثابت ہوگا۔''

''سوبھراج کی یہاں آمد کی اطلاع اسد نے دی تھی۔ راجن کی واپسی کی خبر چاؤفان نے دی ہے۔ شطرنج کے سب مہرے رفتہ رفتہ اپنی جگہ لیتے جارہے ہیں۔ قسمت نے اسی طرح ہمارا ساتھ دیا تو کامیابی قریب نظر آرہی ہے۔''

''ڈان برنارڈ آپ سے متاثر نہ ہوتا تو یہ سب ناممکن تھا۔ یہ بتائیں کہ چاؤفان کے ساتھ آپ اتنی دیر تک کہاں مصروف رہے۔''

بنکاک آنے کے بعد ہماری چوپال بکھر گئی تھی۔ کراچی میں سب یک جا رہتے تھے تو مجھے کریدنے کی ذمے داری وہ اپنے سر لے لیتی تھی۔ وہ اس طرح بال کی کھال نکالتی کہ میں زچ ہوجاتا تھا۔ اس مذاکرے میں غزالہ کو اپنی لب کشائی کیے بغیر سب کچھ معلوم ہوجاتا۔ بنکاک میں صورت احوال یکسر بدل گئی تھی۔ پوچھے بغیر اسے کچھ معلوم نہیں ہوسکتا تھا۔ میرا بتایا ہوا خلاصہ اس کا تجسس دور کرنے کے لیے ناکافی تھا۔ میں نے اسے تفصیل سے اس ملاقات کا حال سنانا شروع کردیا۔

غزالہ کے بارے میں چاؤفان کے کہے ہوئے الفاظ میرے دل میں تیر کی طرح بیٹھ گئے تھے مگر میں نے غزالہ کے سامنے انہیں دہرانے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ اسے یہ ضرور بتادیا کہ راجن اپنی زن پرستی کے بارے میں بہت زیادہ بدنام تھا۔

''بے بی کلب ہولناک عشرت کدہ معلوم ہوتا ہے'' پوری تفصیل سن کر غزالہ نے زبان کھولی ''روزگار کی متلاشی کم سن لڑکیوں کو بربادی کی راہ پر ڈالنے والا ہر شخص بدترین موت کا

Downloaded from https://paksociety.com

مستحق ہے۔ اب سمجھ میں آ رہا ہے کہ بنکاک کی بدنامی کے اسباب کیا ہیں۔ یہاں بعض بدنیت لوگوں نے اپنے غیر قانونی دھندوں کو قانون کی نقاب پہنائی ہوئی ہے۔ یہ شرمناک حرکتیں ہیں، ان کا.....''

''بس!'' میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کرادیا ''اس بارے میں چاؤ فان کا مشورہ مجھے پسند آیا۔ ہمیں اس بارے میں جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔ سب نے اپنی آنکھیں بند کی ہوئی ہیں۔ ہمیں بھی اپنی آنکھیں موند لینا چاہیے۔ ہم مصلح نہیں ہیں۔ ایک مشن پر یہاں آئے ہیں۔ ہم کو اپنے کام پر دھیان دینا چاہیے۔''

''بے بی کلب کی تباہی پر مجھے خوشی ہوئی ہے!''

''امید ہے کہ بقیہ تین ٹھکانوں پر بھی یہی حشر ہوا ہوگا۔ شہر کی کوچہ نوردی کے دوران میں نے دیکھا ہے کہ بیشتر تفریحی مقامات پرانی وضع کی عمارات میں پائے جاتے ہیں۔ جدید اور اونچی عمارتوں میں شاپنگ کے مراکز اور دفاتر وغیرہ ہیں۔''

''اب دیکھنا ہوگا کہ گولڈن ڈریگن کے محافظ کی موت کو کیا رنگ دیا جاتا ہے'' وہ لمحہ بھر توقف کے بعد بولی ''سوبھراج اور راجن کا گٹھ جوڑ سامنے آ چکا ہے۔ سوبھراج اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس شخص کو کیسے مارا گیا؟''

''یہی اندیشہ مجھے بھی ستا رہا ہے۔ تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ اب ہم صرف انتظار کر سکتے ہیں۔ سوبھراج سے یہاں چوک ہوگئی تو ہمارا راستہ بالکل صاف ہوگا۔''

''آپ اس لاش کو ٹائم بم سے اڑا دیتے تو زیادہ بہتر ہوتا!''

''کیا احمقانہ بات کر رہی ہو۔ بم کا ٹائمر صبح گیارہ بجے پر سیٹ تھا۔ کیا وہ لاش رات بھر وہاں پڑی رہ سکتی تھی؟''

''یہ تو خیر ناممکن تھا۔ ٹائمر کو پیچھے کیا جا سکتا تھا'' اس نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

''جدید قسم کے بم بہت حسّاس اور خطرناک ہوتے ہیں۔ مجھے ان چیزوں کی ابجد بھی معلوم نہیں ہے۔ مجھ سے ذرا سی غلطی ہوتی اور میرے چیتھڑے اڑ جاتے۔ بدترین اعصابی دباؤ کی حالت میں، میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔''

''سوچنے کی حد تک ہر بات آسان نظر آتی ہے۔ عملاً ایسا نہیں ہوتا۔ آپ کے لیے کوئی اور راستہ اختیار کرنا ممکن نہیں تھا'' میرے جواب پر غور کر کے وہ میری ہم نوا ہوگئی۔

''پتا نہیں اسد کہاں مصروف ہے۔ اس کا کوئی فون تو نہیں آیا تھا؟''

''فون آیا ہوتا تو میں سب سے پہلے اسی کا ذکر کرتی۔ اب آپ سب سے پہلے اس ٹائم بم کے بارے میں فیصلہ کریں جو اس کمرے میں موجود ہے۔ اس کی وجہ سے میں خود کو غیر محفوظ محسوس کر رہی ہوں۔''

میں نے ہنس کر کہا ''ابھی مجھے ٹائمر آگے پیچھے کرنے کے مشورے دے رہی تھیں اور اب ایسے بم سے خوف زدہ ہو رہی ہو جس کا ٹائمر بند پڑا ہوا ہے۔ اسے بھول جاؤ اور یوں ہی پڑا رہنے دو۔ وہ مالِ غنیمت ہے کسی وقت کام آ جائے گا۔''

''ابھی آپ راجن کی آوارہ مزاجی کا ذکر کر رہے تھے تو مجھے بے ساختہ ویرا یاد آ گئی تھی!''

''یہاں آنے کے بعد تم تیسری بار ویرا کا ذکر کر رہی ہو معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمہارے سر پر سوار ہو کر رہ گئی ہے۔''

''ہمارا اور اس کا ایک مدت کا ساتھ ہے اسے آسانی سے نہیں بھلایا جا سکتا۔''

''راجن کے ذکر پر وہ کیوں یاد آ گئی تھی؟''

''بلاسبب یاد نہیں آئی تھی۔'' اس نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا ''وہ بہت خوبصورت ہے۔ مردوں کو رجھانے اور سکانے کے فن میں ماہر ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ راجن جیسے اوباش مرد کو آسانی سے دیوانہ بنا سکتی تھی وہ بہت آسانی کے ساتھ یہ فالتو ٹائم بم اس کی خواب گاہ میں پہنچا سکتی تھی!''

''شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو'' میں نے کمزور آواز میں کہا مجھے محسوس ہوا جیسے اس نے ویرا کا ذکر کر کے مجھے پر لطیف طنز کیا ہو۔ اوباش نہ سہی مگر میں ایک مرد تھا شاید غزالہ یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ ویرا دنیا کے ہر مرد کو اپنی ذات کے سحر میں لینا چاہتی تھی!

میں نے لمحہ بھر کے توقف کے بعد اپنی بات جاری رکھی ''اس کی ذات شکستہ جذبوں اور ناکام امیدوں کا مجموعہ ہے۔ وہ مردوں کو اپنے اشاروں پر نچا کر شاید کسی قسم کی تسکین حاصل کرتی ہے۔ راجن کے لیے وہ ایک بہترین شکاری ثابت ہو سکتی تھی۔ سیکڑوں عورتوں کی بھیڑ میں بھی کوئی نگاہ باز مرد اسے نظر انداز نہیں کر سکتا۔''

''مجھے بے چارے سلطان شاہ پر ترس آیا ہے اب وہ پیر میں موچ کی اداکاری کر کے اسے بری طرح الّو بنا رہی ہے۔''

''کل اس نے اپنی دانست میں ہمارے آرام میں خلل اندازی کی تھی۔ آج میں دیکھتا ہوں کہ وہ دونوں کیا کر رہے ہیں۔''

Downloaded from https://paksociety.com

''اس وقت وہاں آدھی رات ہو چکی ہوگی!'' غزالہ نے مجھے یاد دلایا۔

''یہی تو دیکھنا ہے کہ اس وقت ان کی مصروفیات کیا ہیں۔''

میں نے اول خان کے اس موبائل فون کا جو ویرا کے پاس تھا' نمبر ملالیا۔ پہلی گھنٹی پر سلطان شاہ نے کال وصول کرلی۔

''برخوردار! کیا حال ہیں تمہارے..... کیا ہو رہا ہے؟'' میں نے شگفتہ لہجے میں پوچھا۔

''اللہ کا شکر ہے کہ میرے کانوں میں تمہاری آواز آئی میں تم لوگوں کی آوازیں سننے کو ترس گیا ہوں۔ یہاں بے چاری ریٹا کے بائیں ٹخنے میں موچ آئی ہوئی ہے وہ میرے سہارے کے بغیر چلنے پھرنے سے بھی معذور ہے۔'' میری آواز سنتے ہی وہ یکا یک جذباتی ہوگیا۔

اس کی آواز پر یقین تھی۔ ویرا موچ آجانے کی ایسی مکمل اداکاری کر رہی تھی کہ سلطان شاہ کو اس پر کسی قسم کا شبہ نہیں ہوسکا تھا وہ ویرا کے بارے میں بہت زیادہ فکرمند معلوم ہو رہا تھا۔

''اس وقت ریٹا کہاں ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''ابھی ابھی سہارا دے کر میں نے واش روم میں پہنچایا ہے۔ اس کے آنے کے بعد سونے کا ارادہ تھا یہ سناؤ کہ تمہاری کیسے گزر رہی ہے۔''

''ہم مزے میں ہیں فی الحال آرام کر رہے ہیں' مجھے تمہاری فکر لاحق رہتی ہے۔ ریٹا کو سہارے کے بغیر چلنے پر مجبور کرو بہت زیادہ ہمدردی جتا کر تم اس کی موچ بگاڑ دو گے اور اس کی بیساکھی بن کر رہ جاؤ گے۔'' میں نے ویرا کی مکاری کا انکشاف کیے بغیر اس عافیت کی راہ سمجھانے کی کوشش کی۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو!'' لمحہ بھر کے توقف کے بعد اس کی تفکر آمیز آواز آئی ''میں کھانے پینے کا سامان یا دوائیں لینے کے لیے باہر جاتا ہوں تب بھی وہ کسی نہ کسی طرح چل پھر کر اپنی ضروریات پوری کرلیتی ہے' بستر سے اتر کر کرسی پر چلی جاتی ہے' اٹھ کر دروازہ کھولتی ہے میں آتا ہوں تو اس کا سارا حوصلہ جواب دے جاتا ہے۔ اب مجھے تمہارے مشورے کے مطابق اپنا دل سخت کرنا ہوگا ورنہ وہ یوں ہی پڑی رہے گی۔''

''ریٹا کی دیکھ بھال کے علاوہ اور کیا ہو رہا ہے؟''

''ابھی میں یہاں کے طور طریقوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ماحول اسے طبیعت مانوس ہو جائے تو کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔ ابھی ہمیں یہاں آئے مشکل سے ایک دو دن ہوئے ہیں

.....لو وہ دیوار کا سہارا لے کر واش روم سے باہر آرہی ہے۔''

''اسے آنے دو میں بھی اسے سمجھاؤں گا۔ مجھے امید ہے کہ کل تک وہ چلنے پھرنے کے قابل ہو جائے گی تم اس کی طرف سے اپنا دل ذرا سخت کرلو۔''

''تمہارے سمجھانے سے اس کی موچ کیسے ٹھیک ہو جائے گی؟'' سلطان شاہ کی آواز میں شبہات کی پرچھائیاں لرزاں تھیں۔ اس کی آواز یکا یک دھیمی ہوگئی تھی۔

مجھے احساس ہوا کہ باتوں کی روانی میں' میں بہک گیا تھا میں نے جلدی سے کہا ''سمجھانے سے موچ کا کوئی تعلق نہیں ہے، اسے ہمت کر کے تکلیف کو برداشت کرنا چاہیے۔ میں اسے سمجھاؤں گا کہ اسے اپنے پیر کی رگوں پر زور ڈالنا چاہیے ورنہ وہ ہفتوں لنگڑاتی رہے گی۔''

''سنا ہے کہ تمہارا شکار کراچی سے بھاگ کر بنکاک پہنچ چکا ہے۔'' میرے جواب سے مطمئن ہو کر اس نے موضوع بدل دیا۔

''یہ خبر تم نے کس سے سن لی؟'' میں نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

''آج صبح اول خان سے فون پر بات ہوئی تھی۔''

''خبر درست ہے!'' اس کی زبان سے خبر کا ذریعہ جان لینے کے بعد میں نے تصدیق کی ''وہ یہاں آگیا ہے لیکن اس سے ابھی تک میرا سامنا نہیں ہوا۔''

''سامنا تو ایک بار ہی ہوگا اور وہ فیصلہ کن ثابت ہوگا۔''

''کاش ایسا ہی ہو!'' میں نے اپنے دل کی گہرائی سے کہا۔

''خدائی فوج دار آگئی ہے اور فون مانگ رہی ہے اب تم اس سے بات کرلو۔ میری طرف سے فی امان اللہ۔''

''اس وقت فون کر کے کیا میرا بدلہ چکارہے ہو؟'' چند ثانیوں کے سکوت کے بعد میرے کان میں ویرا کی چہکتی ہوئی آواز آئی۔ شاید سلطان شاہ نے اسے بتا دیا تھا کہ وہ فون پر مجھ سے بات کر رہا تھا۔

''کل تک تم نے موچ کا ڈراما ختم نہ کیا تو میں سلطان شاہ کو تمہاری مکاری سے آگاہ کردوں گا۔'' میں نے خشک لہجے میں کہا ''اس کے بعد جو کچھ ہوگا وہ تم سمجھ سکتی ہو۔''

''بھول کر بھی ایسا نہ کرنا۔'' ویرا نے متحاطر ہ کر کہا ''سب کچھ چوپٹ ہو کر رہ جائے گا۔ اکبر کی محنت سے اب مجھے بہت افاقہ ہے مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ ایک دو روز میں' میں چلنے پھرنے کے قابل ہو جاؤں گی۔''

''دو روز نہیں' میں نے تمہیں صرف کل تک کی مہلت دی

Downloaded from https://paksociety.com

ہے۔''

''ٹھیک ہے..... ایسا ہی ہوگا۔'' وہ اس طرح گول مول بات کر رہی تھی کہ سلطان شاہ کو موضوع سخن کا اندازہ نہ ہو سکے۔ میری بات کا جواب دے کر اس نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھا ''تمہارے چہیتے نے آج پورے دس ڈالر مفت میں برباد کئے ہیں' مزے کی بات یہ ہے کہ دس ڈالر اینٹھنے والے بھکاری نے موصوف کی سخاوت سے مرعوب ہو کر ان کو کل تین بجے اپنے پاس بلایا ہے۔ اسے سمجھاؤ کہ یہاں ہماری آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ یہ اس طرح پیسے لٹانے پر تل گیا تو چند روز میں ہم دونوں نیویارک کی سڑکوں پر بھیک مانگتے نظر آئیں گے۔''

''میں اس کے مزاج سے واقف ہوں وہ اتنا فیاض طبع نہیں ہے۔ تم نے اس سے اس سخاوت کا سبب ضرور پوچھا ہوگا وہ کیا کہتا ہے؟''

''اسے بھکاری کی خستہ حالی اور نقاہت پر بے ساختہ رحم آ گیا تھا۔ اس نے ترحم کے لاہوتی جذبے سے مغلوب ہو کر ہاتھ میں آنے والا نوٹ اس کے ہیٹ میں ڈال دیا۔ بعد میں اسے خود بھی افسوس ہوا کہ اس نے ایک بڑی رقم برباد کر دی۔''

''اگر اسے زیاں کا احساس ہو گیا تو اس سے مزید کچھ کہنا سننا بے سود ہے۔ آئندہ وہ محتاط رہے گا میرا مشورہ ہے کہ کل تین بجے اس بھکاری سے مل لو جب انسان کے سامنے کوئی سرا نہ ہو تو سراب کا بھی پیچھا کرنا چاہیے ہو سکتا ہے کہ وہ کام کا آدمی ثابت ہو۔''

''یہاں ہزاروں حرام خور فٹ پاتھوں پر بھیک مانگتے پھرتے ہیں ہم کس کس سراب کا پیچھا کریں گے!'' ویرا نے چڑ کر کہا۔

''میں تمہیں مجبور نہیں کر رہا۔ یہ میرا مشورہ ہے۔'' میں نے خشک لہجے میں جواب دیا ''اب تم سے کل رات کو بات ہوگی۔''

میں نے فون بند کر دیا۔

''کسی بھکاری کو دینے کے لیے دس ڈالر کی رقم واقعی بہت بڑی ہے۔'' غزالہ نے وہ ماجرا سن کر کہا ''ویرا کی مصنوعی موج نے سلطان شاہ کا دل نرم کیا ہوا ہے وہ آسانی سے گورے بھکاری کے جھانسے میں آ گیا۔''

''ضروری نہیں کہ وہ سفید فام رہا ہو وہ کوئی کالا بھی ہو سکتا ہے۔''

''کل وہ اسے کوئی دردناک کہانی سنا کر مزید رقم اینٹھنے کی کوشش کرے گا۔''

''اب سلطان شاہ میں اس چکر میں نہیں آئے گا۔ اگر ویرا نے میری بات مان لی تو شاید وہ بھی اس کے ساتھ چلی جائے۔''

''آپ کو ان دونوں کے فرضی نام خوب یاد رہے میں بھول گئی تھی کہ وہ اپنے نام بدل کر امریکا کے سفر پر گئے ہیں۔''

''موبائل فون پر کہیں بات نہ سنے جانے کا یقین ہونے کے باوجود احتیاط ضروری ہے۔ امریکا میں انہیں ریٹا اور اکبر بن کر رہنا چاہیے۔''

''موبائل فون پر گفتگو کی راز داری مجھے ڈھکوسلا معلوم ہوتی ہے۔'' غزالہ نے بے اعتباری سے کہا ''پتا نہیں اس چھوٹے سے آلے میں کیا کچھ چھپا ہو۔ میں.....''

اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ میرے موبائل فون کی گھنٹی ایک دو مرتبہ پھر بج اٹھی تھی۔

''تم کہاں ہو؟'' کال وصول کرتے ہی مجھے سوبھراج کی سرد اور تحکم آمیز آواز سنائی دی اور میں اپنی جگہ منجمد ہو کر رہ گیا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اچانک مجھ سے فون پر رابطہ قائم کر بیٹھے گا۔

''جہاں بھی ہوں' خوش ہوں۔ تمہیں دکھ ہوگا کہ تمہاری بدخواہی کے باوجود میں ابھی تک زندہ و سلامت ہوں۔''

''وقت آنے پر میں تمہیں سسکا سسکا کر ماروں گا۔ مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تمہاری شامت اب تمہیں بنکاک میں کھینچ لائی ہے۔''

میں چوکنا ہو گیا۔ وہ بنکاک میں موجود تھا۔ گولڈن ڈریگن میں مارے جانے والے محافظ کی موت کا سبب اس کے علم میں آ چکا تھا۔ اس کا سرپرست ممبئی سے بنکاک واپس آ چکا تھا۔ وہ یہ یقین کرنا چاہتا تھا کہ میں بھی بنکاک میں موجود تھا۔ میں نے اسے جل دینے کا فیصلہ کر لیا۔

''فی الحال میں کراچی میں ہوں اگر تم بنکاک میں مجھ سے مقابلہ کرنا چاہتے ہو تو میں پہلی پرواز سے وہاں آ سکتا ہوں۔'' میں نے زہریلے لہجے میں کہا۔

''تم ذلیل اور کمینے ہو تم جھوٹ بول رہے ہو!''

''گالیاں دینا کمزوروں کا شیوہ ہوتا ہے گالیاں دینے کے بعد تم تالیاں پیٹ کر مجھے بددعائیں دینے لگو گے میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔''

''تم بنکاک میں ایک قتل کا ارتکاب کر چکے ہو۔'' سوبھراج کی آواز غصے سے کانپ رہی تھی۔

''ایف آئی آر درج کرا دو۔ بنکاک کی پولیس مستعد ہے

Downloaded from https://paksociety.com

مجھے گرفتار کرلے گی۔''

''تم کو اندازہ نہیں ہے کہ تم نے کہاں ہاتھ ڈالا ہے تم کو اس حرکت کی بھاری قیمت ادا کرنا پڑے گی۔ یہاں سے تم بچ کر نہیں نکل سکو گے تم سے اپنا حساب میں خود بے باق کروں گا۔ تم پولیس کی پناہ میں نہیں جاسکو گے۔''

''میں کراچی میں بیٹھ کر یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ تمہاری ان بے سروپا باتوں کا کیا مفہوم ہے۔''

''تم جھوٹے ہو' کل رات تم نے گولڈن ڈریگن میں ایک آدمی کو مارا ہے۔''

''ابھی تم نے بنکاک کی رٹ لگائی ہوئی تھی۔ اب گولڈن ڈریگن کی بات کررہے ہو۔ میں اس نام کے کسی شہر سے واقف نہیں ہوں۔'' میں خود پرسکون رہ کر اسے اشتعال دلانے کی کوشش کررہا تھا تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ بولتا رہے۔

''مرنے والے کی گردن کی جلد میں ہلکا سا سوراخ پایا گیا ہے جس سے زہر اس کے بدن میں داخل ہوا۔ زہر وہی ہے' واردات اسی طرح ہوئی ہے تم بہت سے لوگوں کو اس طریقے سے ہلاک کرچکے ہو تم اس قتل سے بری الذمہ نہیں ہوسکتے۔''

''اوہ..... ایک قتل کی وجہ سے تم اتنا طومار باندھ رہے ہو۔'' میں نے اپنی تشویش کے باوجود بے پروائی سے ہنس کر کہا'' یہ میرے نالائق آدمی کی حرکت ہوسکتی ہے میں نے اسے تمہارا کھوج لگانے کے لیے بنکاک بھیجا ہوا ہے۔''

''واردات کا انداز سو فیصد تمہارا ہے میں یہاں موجود نہ ہوتا تو کسی کو پتا نہیں چلتا کہ یہ خون تم نے کیا ہے۔ اتنی تیزی سے اثر کرنے والا زہر کوئی دوسرا استعمال نہیں کرسکتا۔''

''میں پوری بات سمجھ گیا۔ تم بھاگ کر بنکاک پہنچ گئے ہو اور تمہیں میرے خواب آنا شروع ہوگئے ہیں۔ یہ یاد رکھو کہ وہ زہر میرے دانتوں سے خارج نہیں ہوتا' ہتھیار سے حریف کے بدن میں اترتا ہے میرا بھیجا ہوا آدمی اس ہتھیار سے لیس ہے۔ مرنے والے نے میرے آدمی سے بدتمیزی کی ہوگی اور جہنم میں پہنچ گیا۔ اگر وہ تمہارا کوئی رشتے دار تھا تو تمہیں اس کا خون بہا دینے کے لیے تیار ہوں بلاوجہ اس خون کا الزام میرے سر نہ ڈالو۔''

میری بات لمبی ہوگئی تھی۔ سوبھراج نے درمیان میں دخل انداز ہونے کی کوشش نہیں کی۔ شاید وہ میری سنائی ہوئی کہانی کی صداقت کا اندازہ لگانے کی کوشش کررہا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ اس نے صرف قتل کا ذکر کیا تھا' راجن کے بقیہ ٹھکانوں پر ہونے والے دھماکوں کا کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا۔

سوبھراج کی اس کال کا سبب واضح تھا' قتل کی واردات کو اس نے میری ذات سے منسوب کرلیا تھا۔ وہ اس حوالے سے مجھ سے اقبالِ جرم کرانا چاہتا تھا۔ ایک بار یہ بات ثابت ہوجاتی کہ میں بنکاک میں موجود تھا تو بقیہ واقعات خود بخود میرے ذمے آجاتے اور وہ راجن کی مدد سے بنکاک میں میری تلاش کی مہم شروع کردیتا۔

میرے لیے وہ بہت خطرناک صورتحال تھی وہ لوگ بنکاک میں رونما ہونے والے سارے واقعات کی ذمے داری میرے اوپر ڈال کر زور وشور سے ڈینی کی تلاش شروع کرتے تو یہ بات ڈان برنارڈ کے کانوں تک ضرور پہنچتی۔ اسے اور چاؤ فان کو علم تھا کہ محافظ کو میں نے مارا تھا۔ ان کے لیے میرا نام علی احمد تھا۔ ڈان کے ذہن میں پہلا خیال یہی آتا کہ میں نے اسے اپنا غلط نام بتا کر اس کے اعتماد کو دھوکا دیا تھا۔ وہ سرپھرا آدمی تھا۔ غضب ناک ہوکر وہ میرے خلاف کوئی بھی قدم اٹھا سکتا تھا۔

میں نے انتہائی درجے مجبور ہوکر اور اپنے بچاؤ کی کوئی متبادل راہ نہ پاکر گولڈن ڈریگن کے محافظ کو زہریلی انگوٹھی کے ذریعے شکار کیا تھا۔ وہ کام کرگزرنے کے بعد میرے ذہن میں جن بدترین خدشات نے سر ابھارا تھا وہ آخر کار میرے سامنے آگئے تھے' آلہ قتل کی خصوصی نوعیت کی وجہ سے سوبھراج کو سوچنے کی صحیح سمت مل گئی تھی۔

''تم جھوٹ بول رہے ہو میرے لیے اب تمہاری ہر بات ناقابل اعتبار ہے۔'' چند ثانیوں کے غیر محسوس توقف کے بعد اس کی آواز آئی۔

''تمہارے اعتبار نہ کرنے سے میری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔'' میں نے بے پروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا'' اسے میں نے مارا ہو یا میرے آدمی نے، بات ایک ہی ہے اگر مرنے والا تمہارے آدمیوں میں سے تھا تو یہ بہرحال میری کامیابی اور تمہاری شرمناک ناکامی ہے مجھے افسوس ہے کہ یہ بڑا کام میرے ہاتھوں نہیں ہوا.....''

''وہ میرا نہیں' چھوٹا راجن کا آدمی تھا۔'' اس نے میری بات کاٹ کر زہریلے لہجے میں کہا'' اس کے ایک ٹھکانے میں خون ریزی کرکے تمہارے آدمی نے شیر کے جبڑوں میں ہاتھ ڈالا ہے۔ اب تم اپنے حواریوں سمیت چیونٹی کی طرح مسل دیے جاؤ گے۔''

''تم میرے سینے میں شوق کی آگ بھڑکا رہے ہو' کاش میں خود بنکاک میں ہوتا اور یہ مقدس کام میں نے اپنے ہاتھوں سے کیا ہوتا۔'' میں نے سوچے سمجھے مگر بظاہر بے ساختہ انداز

Downloaded from https://paksociety.com

میں بنکاک سے اپنی غیر حاضری پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''آؤ..... تم بھی یہاں آجاؤ میں تمہارا انتظار کروں گا۔''

اس نے لاشعوری انداز میں میری دلیل کو مانتے ہوئے بھڑک کر کہا ''میں تم کو اپنے ہاتھوں سے پیوند خاک کروں گا۔ یہاں تمہارے پر کوئی رونے والا بھی نہیں ملے گا۔''

''فکر نہ کرو میں پہلے سے کرایے پر رونے والوں کا بندوبست کرلوں گا۔''

''تو کون ہے بے؟'' یکا یک میرے کانوں میں ایک بدلی ہوئی' بھاری آواز گونجی۔ سوبھراج نے اپنا موبائل فون کسی اور کو دے دیا تھا۔

میں ایک لمحے کے لیے سناٹے میں آگیا۔ سوبھراج کے برعکس نئے آدمی کا لب ولہجہ بہت توہین آمیز تھا۔ میں نے ترکی بہ ترکی جواب دینے کا فیصلہ کرتے ہوئے کہا ''جو شخص اپنے باپ کو نہ پہچانے اسے حرامی کہا جاتا ہے۔''

''کیا بک رہا ہے..... میں تیری ایسی کی تیسی کردوں گا.....'' میرے جواب نے اسے آپے سے باہر کردیا اور اس کے منہ سے مغلظات کا ایک طوفان ابل پڑا جس میں میرا نام بھی شامل تھا۔

''ویری گڈ!'' اس کی غلیظ گالیوں میں وقفہ آتے ہی میں نے اس کی جھلاہٹ سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا ''اپنی اصلیت معلوم ہوتے ہی تجھے میرا نام یاد آگیا اب اپنا نام بھی بتادے تاکہ مجھے معلوم ہوسکے کہ میں کس نالائق سے بات کررہا ہوں۔''

''میرا نام چھوٹا راجن ہے' راجن..... جسے سن کر بڑے بڑوں کو پسینے آجاتے ہیں تو میرے سامنے آجائے تو میں ابھی تیری تکا بوٹی کردوں گا۔''

''ذات کا قصاب معلوم ہوتا ہے..... میں چھوٹوں کے منہ نہیں لگتا' تیرا کوئی بڑا راجن ہے تو فون اسے دے دے!''

''بزدلوں کی طرح فون پر اول فول بک رہا ہے ہمت ہے تو میرے سامنے آپھر دیکھوں گا کہ تیری ماں نے تجھے کتنا دودھ پلایا ہے۔''

''آج کل بچے ڈبے کے دودھ پر پلتے ہیں اور توانا ہوتے ہیں۔'' میں نے اس کا مضحکہ اڑایا ''تو آمنے سامنے مقابلہ کرنا چاہتا ہے تو اپنے بنکاک کے بل سے نکل کر کراچی آجا۔ تیرے ہاتھ پیر توڑ کر ریڑھی پر نہ ڈال دوں تو میرا نام ڈینی نہیں۔ لنگڑے لولے راجن کی ریڑھی دھکیل کر سوبھراج صدا لگائے گا تو دن بھر میں اچھی کمائی ہوجائے گی۔''

میں ہر بار گھما پھرا کر اس ایک نکتے پر زور دے رہا تھا کہ اس وقت میں بنکاک میں نہیں' کراچی میں تھا سوبھراج کے بعد راجن نے بھی اس پر کوئی سوال نہیں اٹھایا تھا۔

''میں کیڑوں مکوڑوں پر اپنا وقت برباد نہیں کرتا۔'' اس بار راجن کا لہجہ کس حد تک نارمل ہوگیا۔ اسے اندازہ ہوچکا تھا کہ فون پر اس کی بدکلامی رائیگاں جارہی تھی۔ مشتعل ہوکر وہ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا تھا ''یہ تیری اور سوبھراج کی لڑائی ہے وہ اب میرا مہمان ہے کسی نے اس کی طرف ٹیڑھی آنکھ سے دیکھا تو میں اس کی دونوں آنکھیں نکال دوں گا۔''

بے بی کلب اور دوسرے تین ٹھکانوں پر بربادی نازل ہوئے کافی دیر ہوچکی تھی۔ یہ فرض کرنا ناممکن تھا کہ راجن کو ان واقعات کی خبر نہ ملی ہو۔ مجھے حیرت تھی کہ سوبھراج کی طرح اس نے بھی اپنی اشتعال آمیز گفتگو میں ان چاروں واقعات کے بارے میں کوئی مبہم ترین اشارہ نہیں کیا تھا۔

ایک سبب یہ بھی ہوسکتا تھا کہ وہ ان واقعات کو الگ الگ دیکھ رہے ہوں۔ گولڈن ڈریگن سے انہیں ایک سراغ مل گیا تھا اس لیے وہ میرے پیچھے لگ گئے تھے۔ بقیہ چاروں دھماکوں کے بارے میں وہ یہ سوچ بھی نہیں سکے ہوں گے کہ بنکاک کے چار مختلف ٹھکانوں پر بیک وقت دھماکوں کی منصوبہ بندی میرے بس کی بات ہوسکتی ہے۔

''تیرے آدمی کو میں نے مارا ہو یا میرے آدمی نے بات ایک ہی ہے' میں نے اپنا حساب کھول لیا ہے اور تو ایک آدمی کے خسارے میں جاچکا ہے۔ اس کی لاش ٹھکانے لگائے گا تو میں بنکاک پہنچ کر تیرے لیے مزید لاشوں کا بندوبست کردوں گا۔ سوبھراج پر اس وقت نحوست کے سائے لہرا رہے ہیں تو اس کی مہمان داری سے کنارہ کش نہ ہوا تو اس کے ساتھ خود بھی ڈوب جائے گا۔''

''میں دیکھوں گا کہ کون کس کو ڈبوتا ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے میرے انجام کے بارے میں مغلظات کا سلسلہ شروع کردیا۔ وہ مجھے ایسے مقامات پر پہنچانے کے ہذیانی دعوے کررہا تھا جہاں وہ مر کر بھی رسائی حاصل نہیں کرسکتا تھا۔

''آخر کار وہی ہوا جس کا آپ کو اندیشہ تھا۔'' غزالہ نے میرا حوصلہ بڑھانے کے لیے میٹھی مسکراہٹ کے ساتھ کہا ''اب سوبھراج کے ساتھ راجن بھی کھل کر آپ کے سامنے آگیا ہے۔''

''مجھے حیرت ہے کہ ان دونوں کی گفتگو محافظ کے قتل تک محدود رہی۔ انہوں نے دوسرے واقعات کے بارے میں ایک لفظ نہیں کہا۔''

''دوسروں کے ساتھ اب میں بھی آپ کے برجستہ

Downloaded from https://paksociety.com

فیصلوں کی افادیت کی قائل ہوتی جارہی ہوں۔''

اس نے مسہری پر میرے قریب بیٹھتے ہوئے کہا ''گولڈن ڈریگن میں جو کچھ ہوا وہ انتہائی غیر متوقع تھا۔ شاید آپ کو زیادہ سوچنے سمجھنے کا موقع نہ ملا ہو آپ اضطراری طور پر اپنا کام کرتے چلے گئے۔ اب مجھے محسوس ہورہا ہے کہ وہاں سے ٹائم بم واپس لاکر آپ نے بہت دوررس قدم اٹھایا تھا۔ وہاں سے بم برآمد ہونے کے بعد اس واقعے کو دوسری وارداتوں سے الگ نہیں رکھا جاسکتا تھا۔ اب صورت حال مختلف ہے وہ ان کڑیوں کو کبھی یک جا نہیں کرسکیں گے۔''

''تمہاری رائے تھی کہ مجھے اس لاش کو ٹائم بم سے اڑا دینا چاہیے تھا۔''

''وہ میری رائے تھی۔ آپ اس سے پہلے صحیح فیصلہ کرچکے تھے۔ ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی آپ بار بار اپنی کراچی میں موجودگی پر کیوں زور دے رہے تھے؟''

''مجھے خوشی ہے کہ تم نے اس باریک نکتے کا اندازہ لگالیا۔ اس وقت وہ نکتہ ساری بحث کا محور بنا ہوا تھا۔ وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ میں اس وقت کہاں ہوں۔ موبائل فون پر انٹرنیشنل رومنگ کے باعث وہ میرا جھوٹ پکڑنے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔ میرا خیال ہے کہ میں نے انہیں یہ باور کرادیا ہے کہ میں اس وقت کراچی میں ہوں۔''

''اس سے کیا فرق پڑے گا؟'' بات اس کی سمجھ میں نہیں آسکی۔

مجھے اس کو تفصیل سے بتانا پڑا کہ میرے اعتراف کی صورت میں میرے لیے کتنی سنگین پریشانیاں پیدا ہوسکتی تھیں۔

''آپ کی کامیابیاں ڈان برنارڈ کی حمایت کی مرہون منت ہیں۔'' اس نے میری تائید کرتے ہوئے کہا ''اس نے کمال کا آدمی آپ کے حوالے کیا ہے، اسد کے ساتھ آپ اتنی بڑی کارروائی نہیں کرسکتے تھے۔ ناموں کے ہیر پھیر کی وجہ سے ڈان بگڑ گیا تو ہم ایک لمحے کے لیے بھی یہاں نہیں ٹک سکیں گے۔ ایک طرف سوبھراج اور راجن آپ کے خون کے پیاسے ہیں دوسری طرف ڈان کے آدمی آپ کو ڈھونڈنا شروع کردیں گے۔ یہ بات میں نہیں سمجھ سکی تھی۔''

''ڈان گوشہ نشین ہے مگر اب بھی اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ چاؤ فان جیسا خطرناک آدمی بلاوجہ اس کی اطاعت نہیں کررہا۔''

''شاید ایسے موقعوں کے لیے کہا جاتا ہے کہ ہاتھی مرکر بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے۔'' اس نے ہنستے ہوئے تبصرہ کیا۔

میں محسوس کررہا تھا کہ سوبھراج اور راجن سے فون پر میری گفتگو ہونے کے بعد غزالہ بہت زیادہ خوش مزاجی کا مظاہرہ کررہی تھی۔ اس طرح وہ میری اس کوفت کو دور کرنے کی کوشش کررہی تھی جو ان سے گفتگو کے نتیجے میں ہوئی تھی۔

''چاؤ فان سے میری ملاقات ہوگئی' سوبھراج کا فون آگیا مگر اسد اب تک غائب ہے۔ پتا نہیں وہ کہاں پھنسا ہوا ہے۔ مجھے اس کی طرف سے تشویش لاحق ہورہی ہے۔'' میں نے فکرمندانہ لہجے میں رسانیت سے کہا۔

''آپ بلاوجہ پریشانیوں کو پالتے پوستے ہیں اسے فون کیوں نہیں کرلیتے!''

''میں سب کچھ کرسکتا ہوں۔ سوال یہ ہے کہ اس نے مجھ سے رابطہ کیوں نہیں کیا۔ گولڈن ڈریگن والے واقعے کے بعد اسے صبح کے گیارہ بجے کا شدت سے انتظار تھا۔ اب بارہ بج چکے ہیں اور اس کا دور دور تک کوئی پتا نہیں ہے۔''

ہمارے درمیان اس معاملے پر کچھ دیر تک بحث ہوتی رہی۔ اسد کی طرف سے میرے ذہن میں طرح طرح کے وسوسے سر ابھار رہے تھے۔ آخر میں نے غزالہ کے ایما پر اسے فون کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

میں نے ہوٹل کے فون پر اس کے گھر کے نمبر سے ابتدا کی۔ وہاں گھنٹیاں بجنے کی آواز سنائی دیتی رہی' کوئی جواب نہیں ملا۔ میں نے اس کے دفتر کا نمبر ملایا وہاں بھی وہی صورتِ حال درپیش تھی۔ وہ دونوں میں سے کسی ٹھکانے پر نہیں تھا۔

''آپ اِدھر اُدھر کیوں بھٹک رہے ہیں اس کا موبائل نمبر کیوں نہیں ملاتے؟'' میری دو ناکام کوششوں پر غزالہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔

میں اس وقت عجیب ذہنی کیفیت میں مبتلا تھا۔ غزالہ کے ٹوکنے پر مجھے احساس ہوا کہ مجھے سب سے پہلے اس کا موبائل نمبر ملانا چاہیے تھا۔ میں نے اپنا موبائل فون نکال کیا۔

موبائل پر دو گھنٹیاں بجیں اور پھر دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کردیا گیا، بے اختیار میرا دل دھڑک کر حلق میں آگیا۔

مجھے پہلا گمان یہ ہوا کہ اسد دشمنوں کی قید میں جاچکا تھا۔ اس کا موبائل فون کسی اور کے قبضے میں تھا۔ اس نے فون کھلا رکھا تھا لیکن آنے والی کال وصول نہیں کررہا تھا۔ اسد کے موبائل فون پر ایک نئی آواز سن کر اس کا کوئی بھی دوست یا شناسا شکوک وشبہات کا شکار ہوسکتا تھا۔

میں دوبارہ اس کا نمبر ملا رہا تھا کہ اچانک کمرے میں رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

موبائل بند کر کے میں فون کی طرف جھپٹا اور ریسیور اٹھالیا۔

''میں ہوٹل کی لابی میں تھا۔ تمہاری کال وصول نہ کر کے میں نے تمہارے کچھ پیسے بچا دیے ہیں۔'' میرے کان میں اسد کی چہکتی ہوئی آواز آئی ''کیا میں اوپر آسکتا ہوں؟''

''تم نے میرا آدھا خون خشک کر دیا' جلدی اوپر آؤ۔''

اس نے واقعی میری بلکہ اول خان کی خاصی بچت کی تھی۔ میرے فون پر کراچی کا نمبر چل رہا تھا۔ رومنگ کی وجہ سے وہ نمبر بنکاک میں کراچی کی طرح کارآمد تھا۔ میں لراچی میں کسی سے بات کرتا تو وہ لوکل کال شمار ہوتی لیکن بنکاک میں بیٹھ کر وہیں کے کسی فون پر بات کرنا میرے لیے بہت مہنگا تھا۔ ایسی ہر کال کراچی سے بنکاک کے لیے غیر ملکی کال کے زمرے میں آتی۔ شاید میں نے لاشعوری طور پر اس وجہ سے اسد کی تلاش کے لیے اپنا موبائل فون استعمال نہیں کیا تھا۔ وہ جواز ضرور تھا لیکن اس میں زیادہ جان نہیں تھی کیونکہ اس کا موبائل نمبر ہوٹل کے فون سے بھی ملایا جا سکتا تھا۔ اصل بات یہ تھی کہ اسد کے غائب ہونے کی وجہ سے میرا دماغ تقریباً ماؤف تھا۔

اسد چند منٹ میں اوپر آگیا۔ وہ ایک مرتبہ پھر ہمارے لیے لذیذ پاکستانی کھانے لے کر آیا تھا۔

''تم عجیب آدمی ہو صبح سے اب تک کہاں غائب تھے؟'' اسے دیکھتے ہی میں نے اپنے دل کا غبار ہلکا کرتے ہوئے سوال کیا۔

''بھابی! کیسا برا وقت آگیا ہے۔'' وہ میرے بجائے غزالہ سے مخاطب ہو کر بولا ''لوگ آنے والے مہمان سے اس کی خیریت دریافت کرنے کے بجائے باز پرس کرنے لگے ہیں۔''

''تمہیں معلوم ہے کہ آج گیارہ بجے کا وقت ہمارے لیے کتنا اہم تھا!''

''سب معلوم ہے مگر یہ معلوم نہیں تھا کہ سوبھراج صبح سویرے میرے گھر پہنچ جائے گا۔''

اس کی زبان سے وہ انکشاف سنتے ہی میں بھونچکا رہ گیا ''اسے تم سے کیا کام پڑ گیا تھا؟''

اسد ایک جہاں دیدہ سیکرٹ ایجنٹ تھا۔ اس نے ایک کرسی سنبھال کر اپنی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کر دیں اور دھیرے سے کہا ''اسے ڈینی کی تلاش ہے!''

مجھے اس کی چبھتی ہوئی نگاہوں سے بے چینی سی ہونے لگی ''اتنی سی بات تم اتنے پراسرار انداز میں کیوں بتا رہے ہو؟'' میں نے پوچھا۔

''اسے سو فیصد یقین ہے کہ کل رات کو ڈینی گولڈن ڈریگن میں تھا اور اسی نے وہاں کے ایک محافظ کو مارا ہے۔'' اس کی سنجیدگی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

''تم میرے ساتھ موجود تھے تم کو معلوم ہے کہ وہ میرے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ سوبھراج کا دماغ چل گیا ہے مگر تم مجھے کیوں اس طرح گھور رہے ہو؟''

''کیا تم واقعی ڈینی نہیں ہو؟'' اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

''میں ڈینی پر لعنت بھیجتا ہوں۔ اس کی وجہ سے تم میری شناخت پر کیوں شبہ کر رہے ہو؟''

''وہ بتا رہا تھا اور یہ بات میں بھی جانتا ہوں کہ ڈینی کے دو خاص ہتھیار ہیں بیم گن اور بہت تیزی سے اثر کرنے والا زہر۔ محافظ اسی زہر کا شکار ہوا ہے۔''

''اوہ..... تو یہ کہو کہ سوبھراج نے تمہارے دل میں بھی شک کا بیج بو دیا ہے۔''

''شک کی بات نہیں ہے۔'' وہ میری بات کاٹ کر درمیان میں بولا ''ہم ایک ساتھ کام کر رہے ہیں تم مجھے جان چکے ہو۔ مجھے یہ جاننے کا حق ہے کہ تم کون ہو۔ میرے لیے یہ بہت بڑے اعزاز کی بات ہوگی کہ تم ڈینی ہو اور میں تمہارے ساتھ کام کر رہا ہوں۔''

''تم بلاوجہ سنجیدہ ہو رہے ہو۔ میں علی احمد ہوں۔ میرے لیے جلال جھوٹ نہیں بولے گا۔''

''یہ نہ کہو!'' اس نے مجھے آگے نہیں بولنے دیا ''ڈینی کو بچانے کے لیے سب جھوٹ بول سکتے ہیں۔ تم مجھے اصلیت بتا دو میں بھی جھوٹ بولتا رہوں گا۔''

''تمہیں جھوٹ بولنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔'' میں نے جلدی سے کہا ''تم میری انگلی میں پڑی ہوئی یہ انگوٹھی دیکھ رہے ہو!'' میں نے اپنا ہاتھ اٹھا کر انگوٹھے سے ایک انگلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی ''قصہ صرف یہ ہے کہ میں نے یہ انگوٹھی ڈینی سے لی ہے، اس کا نگینہ کھوکھلا اور لچک دار ہے اس میں سریع الاثر زہر بھرا ہوا ہے۔ نگینے پر ہلکا سا دباؤ پڑتے ہی ایک سوئی سے زہر کی بہت خفیف مقدار شکار کے خون میں سرایت کر جاتی ہے۔ کل رات میں بری طرح پھنس گیا تھا۔ میں نے مجبور ہو کر پہلی بار یہ انگوٹھی استعمال کی اور میری جان بچ گئی۔ اتنی سی بات کو تم نے افسانہ بنا لیا ہے۔''

''تمہیں اصرار ہے کہ تم ڈینی نہیں ہو!'' اسد کی آواز میں بے یقینی تھی۔

Downloaded from https://paksociety.com

''مجھے افسوس ہے کہ تم اب بھی یہ سوال کر رہے ہو۔ پہلے تم نے جاننا چاہا تھا کہ کیا میں نے کبھی ڈینی کے ساتھ کام کیا ہے۔ میں نے اس سوال کا واضح جواب نہیں دیا تھا۔ اب سن لو کہ کئی بار ایسا ہو چکا ہے کام کی وجہ سے وہ میری عزت کرتا ہے۔ اس سے میری دوستی ہے زہر بھری انگوٹھی کو تم اس دوستی کا تحفہ سمجھ سکتے ہو۔''

''جو چاہو کہہ دو۔ میں مان لوں گا میں تم سے بحث نہیں کر سکتا۔'' اس نے ہلکی سی آزردگی سے اپنے سر کو ایک طرف جنبش دے کر کہا۔

''تم کیا قصہ لے کر بیٹھ گئے۔ یہ بتاؤ کہ سوبھراج تمہارے گھر کیسے پہنچ گیا'' غزالہ نے موقع کی نزاکت بھانپ کر اپنی ٹانگ اڑادی۔

''میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میری اور اس کی پرانی شناسائی ہے۔'' اس نے مختصل انداز میں کہا ''وہ پاکستان کے ایک عزت دار سیاست داں کی حیثیت سے یہاں آتا تھا تو اسے پورا سرکاری پروٹوکول دیا جاتا تھا۔ مجھے بھی اس کا خیال رکھنا پڑتا تھا۔ اس سے میری دوستی نہیں تھی لیکن وہ مجھ سے کسی حد تک بے تکلف ضرور تھا۔''

''اسے تمہارے گھر کا پتا کیسے معلوم ہو گیا؟'' میں نے پوچھا۔

''ماضی میں' میں بارہا اس کے ساتھ رہا۔ کئی بار اس نے اپنی گاڑی میں مجھے میرے گھر کے باہر اتارا تھا وہ جگہ اس کی دیکھی بھالی تھی۔ گھر کے اندر وہ آج پہلی بار آیا۔''

''تم نے اسے جتا دیا کہ تم اسے ایک مفرور ملزم سمجھتے ہو؟''

''اس کی ضرورت پیش نہیں آئی وہ خود اپنی صفائیاں پیش کر رہا تھا۔ پاکستان اور پاکستانیوں کو برا بھلا کہہ رہا تھا۔''

''ڈینی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے وہ تمہارے پاس کیوں آیا؟''

''اس کو معلوم ہے کہ میں بنکاک میں انٹیلی جنس بیورو کا ایک نفری دفتر چلا رہا ہوں۔ اس کا خیال ہے کہ آئی بی بھی ڈینی کی پشت پناہی کر رہی ہے وہ بنکاک آیا ہے تو مجھے اس کی آمد کا علم ضرور ہو گا۔''

''بار بار سوال کے جواب دینے سے بہتر ہو گا کہ تم تفصیل سے پورا واقعہ دہرا دو۔'' میں نے کرسی میں پہلو بدلتے ہوئے کہا ''میں اس کی دیدہ دلیری پر حیران ہوں وہ یہاں اس طرح دندناتا پھر رہا ہے جیسے بنکاک اس کے باپ کی جاگیر ہو۔''

وہ سات بجے چار مسلح محافظوں کے ساتھ ایک بلٹ پروف گاڑی میں اسد کے گھر پہنچا۔ وہ پچھلی رات کی مصروفیت کی بنا پر گہری نیند سو رہا تھا۔ پے در پے گھنٹیوں کی آواز سن کر وہ بیدار ہوا اور دروازہ کھولا تو پانچوں اندر گھس آئے۔

سوبھراج نے آتے ہی ڈینی کی بنکاک میں موجودگی کے بارے میں باز پرس شروع کر دی۔ اس بارے میں اسد کی معلومات صفر تھیں۔ اس نے بہت فطری انداز میں لاعلمی کا اظہار کیا اور سوبھراج کو اس پر یقین کرنا پڑا۔

وہ مجھے یعنی ڈینی کو اپنی بربادی کا ذمے دار قرار دے رہا تھا۔ اسد کو معلوم تھا کہ وہ سوبھراج کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا اس لیے وہ سوبھراج سے مفاہمانہ ماحول میں باتیں کرتا رہا۔

سوبھراج کا کہنا تھا کہ میں نے راجن کے کیسینو میں ایک آدمی کو مار کر اسے چیلنج دیا تھا۔ میں نے جان بوجھ کر محافظ کو زہر سے شکار کیا تھا تاکہ سوبھراج کو بنکاک میں میری موجودگی کا علم ہو سکے۔ اس وقت راجن ملک سے باہر تھا۔ سوبھرج اپنی دانست میں قاتل سے واقف تھا۔ وہ کمر کس کر میری تلاش میں اسد کے گھر کی طرف چل پڑا۔

اس کے ذاتی دشمن نے راجن کے آدمی کو مارا تھا۔ وہ راجن کی واپسی سے پہلے اس خون کا بدلہ چکانا چاہتا تھا تاکہ اس کے سامنے سرخ رو ہو سکے۔ اسد سے مل کر اسے سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے جاتے جاتے اسد کو لالچ دیا کہ بنکاک میں ڈینی کی موجودگی کا کوئی سراغ ملتے ہی وہ اسے فون پر اطلاع دے دے تو وہ اسد کو اتنے بڑے انعام سے نوازے گا کہ وہ سرکاری نوکری کو لات مار کر فراخ دستی سے اپنی بقیہ زندگی بسر کر سکے۔

اس وقت اسد کی پوزیشن نازک تھی۔ وہ سوبھراج کی ہر بات سننے پر مجبور تھا۔ اس نے سوبھراج کی پیشکش قبول کر لی اور وہ ناکام و نامراد واپس لوٹ گیا۔

وہ واقعہ اسد کی نیند اڑا دینے کے لیے کافی تھا۔ اسے شبہ تھا کہ اب سوبھراج اس کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ اس کے پاس آدمیوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ وہ راجن کے کسی بھی آدمی کو اسد کی نگرانی پر لگا سکتا تھا۔

نو بجے اسد تیار ہو کر گھر سے نکلا تو اپنے گرد و پیش کے بارے میں بہت چوکنا تھا۔ اس نے ایک قریبی کیفے میں ناشتا کیا اور اپنے دفتر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے شبہ ہو رہا تھا کہ اس کا پیچھا کیا جا رہا تھا۔ کافی کوشش کے باوجود وہ اپنا پیچھا کرنے والے کو نہیں دیکھ سکا۔

Downloaded from https://paksociety.com

دفتر میں کچھ وقت گزار کر وہ پھر بنکاک کی سڑکوں پر آ گیا۔ وہ ہمارے ہوٹل تک پہنچنے کے لیے بے چین تھا لیکن اوہام اور وسوسوں نے اسے گھیرا ہوا تھا۔ اسے اپنے پیچھے آنے والے ہر آدمی پر سوبھراج کا مخبر ہونے کا شبہ ہو رہا تھا۔

وہ بنکاک میں اپنی پوسٹنگ کے آخری ایام گزار رہا تھا۔ اس کا ماضی بالکل بے داغ تھا۔ اسے خوف تھا کہ سوبھراج کا کوئی آدمی اس کا پیچھا کرتا ہوا مجھ تک پہنچ گیا تو اس کا منہ کالا ہو جائے گا۔ وہ اپنے محکمے میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گا۔

وہ دیر تک پیدل شہر کی سڑکیں ناپتا رہا۔ ٹیکسی' بسوں اور ٹک ٹک میں سفر کیا۔ جب اسے پوری طرح یقین ہو گیا کہ اس کا تعاقب نہیں کیا جا رہا تھا تو اس نے ایک سردار جی کے ہوٹل سے ہمارے لیے کچھ حلال کھانے خریدے اور ہماری طرف آ گیا۔

''ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا۔'' میں نے اس کی پوری کہانی سننے کے بعد مسکرا کر کہا ''تم اپنے چکروں میں الجھے ہوئے تھے اور یہاں میرا دم نکلا جا رہا تھا کہ تم کہاں رہ گئے۔''

''سوبھراج کو اپنے دروازے پر دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے تھے۔ یہ میرے مقدر کی ستم ظریفی تھی کہ ایک مفرور ملزم بلکہ مجرم مجھ سے مدد کا طلب گار تھا اور میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔''

''یہ اطلاعات دلچسپ اور سنسنی خیز ہیں۔ جب وہ تمہارے پاس آیا تو صرف ایک واقعہ رونما ہوا تھا اور راجن شہر میں نہیں تھا۔ گیارہ بجے سے پہلے راجن واپس آ چکا تھا۔ جب چاروں بموں کے دھماکے ہوئے تو وہ گولڈن ڈریگن میں تھا۔''

''تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''میں چاؤ فان کے ساتھ شہر میں گھوم رہا تھا۔ اس کے آدمی خبریں پہنچا رہے تھے۔''

''آج وہ دونوں پاگل ہو جائیں گے۔ شہر میں بھٹکنے کے دوران میں' میں نے راجن کے تین ٹھکانوں کا حال دیکھا ہے۔ وہاں بھیڑ لگی ہوئی تھی اور تباہی کے آثار باہر تک نمایاں تھے۔''

''مجھے شبہ ہو رہا ہے کہ چاؤ فان نے ہمارے ساتھ غلط بیانی کی ہے۔ اس کے فراہم کیے ہوئے بم زیادہ طاقت ور تھے۔'' غزالہ نے کہا۔

''صحیح مقام پر دو پاؤنڈ کے بارودی دھماکے اس سے زیادہ تباہ کن ہو سکتے ہیں۔'' اسد نے اسے سمجھایا ''اس بارے میں چاؤ فان کو جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اصل بارودی بم اور پٹاخے کی تباہ کاری میں بہت فرق ہوتا ہے۔''

غزالہ کو وہ نکتہ سمجھاتے ہی اسد میری طرف متوجہ ہو گیا ''ابھی تم نے چاؤ فان کی لائی ہوئی خبروں کا ذکر کیا ہے۔ مجھے چیک کرنا ہو گا کہ راجن کی واپسی کے بارے میں اس کی لائی ہوئی اطلاع میں کتنی صداقت ہے۔''

''اس خبر کی سچائی سامنے آ چکی ہے۔'' میں نے اسے آگاہ کیا ''سوبھراج نے.....'' بے دھیانی میں اسے سوبھراج کے فون کے بارے میں بتاتے بتاتے مجھے اچانک یاد آ گیا کہ سوبھراج نے وہ فون ڈینی کو کیا تھا جو کراچی میں بیٹھا ہوا تھا اور میں ڈینی نہیں' علی احمد تھا جس سے اسد کی شناسائی تھی۔ روانی میں' میں اپنی بات پوری کرتا چلا جاتا تو اسد کے سامنے میرا دہرا روپ لمحہ بھر میں بے نقاب ہو جاتا۔ میرے لیے یہ بتانا محال ہو جاتا کہ سوبھراج نے یکا یک علی احمد سے کیسے رابطہ کر لیا تھا اور اگر اس نے ڈینی کو فون کیا تھا تو مجھے اس کا علم کیسے ہوا۔

غنیمت تھا کہ مجھے وہ پیچیدگی بروقت یاد آ گئی تھی اور میں نے ادھوری بات ختم کر دی تھی۔

''ہاں' بات پوری کرو۔ تم راجن اور سوبھراج کے بارے میں کیا بتا رہے تھے۔'' اسد نے مجھے خاموش پا کر متجسس انداز میں ٹوک دیا۔

میں نے لمحہ بھر کے لیے سوچا۔ بات وہیں سے شروع ہونا چاہیے تھی جہاں چھوڑی گئی تھی پھر میں نے اطمینان سے کہا ''سوبھراج نے کچھ دیر پہلے راجن کے ساتھ بے بی کلب کا چکر لگایا تھا۔''

''تم یہ بات بتاتے بتاتے کیوں رک گئے تھے؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔

''سوچ رہا تھا کہ اس اطلاع پر تم پھر ایک اعتراض جڑ دو گے۔''

''اس میں اعتراض کی کیا بات ہے۔ میں بلاوجہ کسی بات پر شک نہیں کرتا۔''

''مگر یہ بات مشکوک ہو سکتی ہے کیونکہ مجھے یہ اطلاع بھی چاؤ فان نے دی ہے۔'' میں نے بے خطر اس کا نام لے ڈالا۔ مجھے اندازہ تھا کہ مستقبل قریب میں ان دونوں کی ملاقات ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

''وہ بلاوجہ تم سے جھوٹ نہیں بولے گا۔'' اسد نے

Downloaded from https://paksociety.com

وضاحت کی ''سنی سنائی خبر کی صداقت مشکوک ہوسکتی ہے۔ اگر اس نے ان دونوں کو اپنی آنکھوں سے بے بی کلب کے آس پاس دیکھا ہے تو ہمیں اس بات پر یقین کر لینا چاہیے۔''

میں ہنس دیا ''تم کہتے ہو تو یقین کیے لیتا ہوں۔''

اپنی زبان کی ذرا سی لغزش کو سنبھالنے کے لیے مجھے اسد سے کئی جھوٹ بولنا پڑ گئے۔ غنیمت یہ تھا کہ میری حاضر دماغی کی وجہ سے بات سنبھل گئی۔

میں ڈینی اور علی احمد کے دہرے کردار کا راز فاش ہونے کی صورت میں ڈان برنارڈ کی خفگی کے بارے میں پریشان تھا۔ اسد سے بات ہونے کے بعد مجھے اندازہ ہو چکا تھا کہ اس معاملے میں وہ بھی حسّاس تھا۔

اس نے بحث کرنے کے بجائے بظاہر میری بات مان لی تھی لیکن میں نے یہ نوٹ کر لیا تھا کہ وہ پوری طرح مطمئن نہیں ہوا تھا۔ یہ شک اس کے دل میں جنم لے چکا تھا کہ میں نے جلال کی ملی بھگت سے علی احمد کا نام اختیار کر کے بنکاک میں اپنے حریفوں کے ساتھ حلیفوں کو بھی چکما دینے کی کوشش کی تھی۔

''اب تمہارا کیا پروگرام ہے؟'' کچھ دیر کے توقف کے بعد اسد نے پوچھا۔

''میں انتظار کروں گا اور حالات کے دھارے کا جائزہ لوں گا۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ یہاں آتے ہی واقعات رونما ہونے کی رفتار بہت تیز ہوگئی ہے۔ اب ہمیں سوچ سمجھ کر آگے بڑھنا ہوگا۔'' میں نے جواب دیا۔

''دیکھا جائے تو اصل قصہ کل رات سے شروع ہوا ہے۔ گولڈن ڈریگن کا محافظ تمہارے آڑے نہ آیا ہوتا تو رات خاموشی سے گزر جاتی۔ آج صبح شہر میں چار کے بجائے پانچ دھماکوں سے ہمارے کام کا آغاز ہوتا۔''

''یہ دھماکے اچانک نہیں ہوئے۔ اس کے لیے خاصے پاپڑ بیلے گئے ہیں۔''

''سب سے بڑا پاپڑ ڈان تھا۔ اسے تم نے بیلا ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا ''ڈان قابو میں نہ آتا تو یہ سب نہیں ہوسکتا تھا۔''

''میں یہی کہہ رہا ہوں۔ ہمیں شروع سے رونما ہونے والے واقعات پر نگاہ رکھنی چاہیے۔ تمہارے ذہن لیے ڈان کا نام سامنے نہ آیا ہوتا تو ابھی تک ہم تینوں ذہنی ورزشیں کر رہے ہوتے۔ دشمنوں کا بال بھی بیکا نہ ہوا ہوتا۔''

''اس وقت وہ بدحواس ہیں۔ انہیں سنبھلنے کا موقع دیے بغیر ہم کو اگلا وار کر گزرنا چاہیے۔ وہ بھاری نقصان اٹھا کر بلبلا جائیں گے۔''

''میں تمہارا ہم خیال ہوں۔ سوال یہ ہے کہ اگلا وار کہاں اور کیسے کیا جائے؟''

اسد خاموش ہوگیا۔ اس کے پاس میرے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔

''ہمیں یہاں بسنے والوں سے کوئی پرخاش نہیں ہے۔'' اسے خاموش پا کر میں نے ناصحانہ لہجے میں دوبارہ بات شروع کی ''ہم نے اب تک یہاں جو کچھ کیا ہے وہ سوبھراج کے خلاف کیا ہے۔ یہ درست ہے کہ ہماری کارروائی میں ڈان برنارڈ کے منشیانہ جذبات حاوی رہے ہیں لیکن ہمارا ہدف تبدیل نہیں ہوا۔ ہم صرف اور صرف سوبھراج اور اس کے سرپرست کی سرکوبی کرنا چاہتے ہیں اور اسی راہ پر آگے بڑھ رہے ہیں۔ اس میں کوئی جھوٹ یا مبالغہ نہیں ہے۔ اب ان واقعات کو مقامی انتظامیہ اور تھائی عوام کی نظر سے دیکھو۔ بات واضح ہو جائے گی۔''

''اصل پس منظر تاریکی میں ہے۔ میں نے آج شہر کی خاک چھانتے ہوئے اپنے کانوں سے سنا ہے کہ بنکاک والے ان واقعات کو دہشت گردی قرار دے کر اپنی نفرت ظاہر کر رہے ہیں۔''

''اس لیے اب ہمارا رک جانا ضروری ہے۔ ہمیں دیکھنا ہوگا کہ سرکار کیا کہتی ہے۔ راجن کس نتیجے پر پہنچتا ہے۔ وہ کس قسم کی پیش بندیاں کرتے ہیں۔ یہ سب پہلو سامنے آجانے کے بعد ہم اپنی منصوبہ بندی کر سکتے ہیں۔''

''ہاں۔ آج وہ بے خبری میں مارے گئے۔ ان واقعات نے انہیں ہوشیار کر دیا ہے۔ اب وہ ہر طرف اپنا جال بچھا دیں گے۔'' اس نے میری تائید کی۔

ہم نے اپنے دشمن کی بے خبری میں اس پر ہولناک وار کیا تھا اور جنگی اصطلاح کے عین مطابق پہل کرنے کا فائدہ اٹھانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اگلے مرحلے میں ہمیں شدید مزاحمت اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ ہماری اولین کامیابی کے ساتھ سب کچھ بہت بری طرح الجھ کر رہ گیا تھا۔ اصل خرابی کی ابتداء اس وقت ہوئی تھی جب مجھے ناگزیر حالات میں اپنی انگوٹھی کے شعبدے کو استعمال کرنا پڑا تھا۔

انگوٹھی کے استعمال کے نتائج پر میں اسد سے کھل کر بات نہیں کر سکتا تھا۔ یہ غنیمت تھا کہ سوبھراج' سے ہونے والی غیر متوقع ملاقات میں اسے بہت سی اہم باتوں کا براہِ راست علم ہوگیا تھا۔ ان میں یہ نکتہ سرفہرست تھا کہ سوبھراج ڈینی کو محافظ کا قاتل قرار دے رہا تھا اور اسے پورا یقین تھا کہ ڈینی بنکاک

Downloaded from https://paksociety.com

آ چکا تھا۔

ہم تینوں دیر تک سر جوڑے ان مسائل میں سر کھپاتے رہے۔ اسد کی دانست میں یہ بہت اچھی بات تھی کہ سوبھراج اپنے حقیقی دشمنوں کو بھول کر ڈینی کے فراق میں لگا ہوا تھا۔ اس کی ساری توجہ ایک بڑے دشمن کی تلاش پر مرکوز تھی۔ اس سے ہم کو کچھ آسانیاں مل سکتی تھیں۔

اس دوران میں' میں نے اس سے بنکاک کے دو معتبر انگریزی اخباروں کے نام معلوم کر لیے جن کے ذریعے ہمیں شہر کی خبریں مل سکتی تھیں۔

میرے پاس کراچی کا موبائل فون تھا جو دور دراز رابطوں کے لیے بہت موزوں تھا۔ میں بنکاک میں کسی کو فون کرنے کے لیے اس کے استعمال کو اسراف بے جا تصور کرتا تھا۔ وہ مسئلہ اسد کے سامنے آیا تو وہ اسی وقت مجھے اپنے ساتھ لے کر نیچے اترا اور ہوٹل کے شاپنگ آرکیڈ کی ایک دکان میں میرے کمرے کا نمبر بتا کر کھڑے کھڑے ایک نیا موبائل فون کنکشن سمیت خرید لیا۔ جس میں کارڈ کے استعمال کی سہولت کی وجہ سے بلنگ کا کوئی بکھیڑا نہیں تھا۔ وہاں ان دنوں فون اور کنکشن کراچی کے مقابلے میں بہت سستے تھے۔

ہم واپس کمرے میں پہنچے تو کھانے کا وقت ہو چکا تھا۔ روم سروس سے کراکری اور کٹلری طلب کر کے ہم تینوں نے اسد کے لائے ہوئے لذیذ کھانوں سے پورا انصاف کیا۔

مزید کچھ دیر ہمارے ساتھ بیٹھنے کے بعد وہ واپس چلا گیا۔

اس کے جاتے ہی غزالہ نے ٹیلی ویژن کھول کر ایک انگریزی چینل لگا دیا۔ ٹیلی ویژن پر کیبل سے آنے والے پروگراموں پر محنت کر کے اس نے وہ اکلوتا چینل دریافت کیا تھا جس پر پیش تر اوقات میں انگریزی فلمیں اور گانے کے پروگرام آتے رہتے تھے۔ اس کے ساتھ انگریزی میں ملکی خبریں بھی سنائی اور دکھائی جاتی تھیں۔

اس وقت ٹیلی ویژن پر ایک فلم چل رہی تھی۔ غزالہ نے آواز دھیمی کر دی۔ میں اچھی طرح شکم سیر ہونے کے بعد غنودگی کی لہر محسوس کر رہا تھا۔ کپڑے تبدیل کر کے بستر پر دراز ہو گیا اور آنکھیں موند لیں۔

مجھے لیٹے ہوئے چند منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ ہوٹل کے فون پر چاؤ فان کی کال آ گئی۔

''ماسٹر! کیا کر رہے ہو؟'' میری آواز سنتے ہی اس نے بے تکلفی سے پوچھا۔

''سر کے بل کھڑا ہو کر دنیا کی بے ثباتی پر غور کر رہا ہوں۔'' میں نے سنجیدگی سے کہا۔

''بدھا یہی کام بیٹھ کر کیا کرتے تھے۔ اس مشق سے فارغ ہو کر بڑے آدمی کو فون کر لینا۔ وہ تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔''

''کیوں' خیریت تو ہے!'' وہ ہدایت سن کر میرے کان کھڑے ہو گئے۔

''میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اس نے ابھی ابھی مجھے مختصر سی ہدایت دی ہے۔''

''وہ کس نمبر پر ملے گا؟'' میں نے غیر ارادی طور پر سوال کیا۔

''یہ تم کو معلوم ہونا چاہیے..... میرا خیال ہے کہ موبائل نمبر تمہارے پاس ہو تو وہی بہتر رہے گا۔''

''میرے پاس اس کے سب نمبر موجود ہیں۔'' یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔

ڈان کی طرف سے ملنے والے اس پیغام نے میرے دل و دماغ میں ہلچل سی مچا دی تھی۔ مجھے ڈر تھا کہ وہ میرے ہاتھوں

آپ بھی بھرپور طاقت کے مالک بنیئے طبی دنیا میں کامیاب اور لاجواب نسخہ

مرد حضرات ہی پڑھیں۔

برسہابرس سے ہمارے ماہر طب خصوصاً ایسے مریضوں کے لیے جو جوانی ناسمجھی کی چار پیکر واسراض میں مبتلا ہو کر طرح طرح کے علاج سے مایوس ہو گئے تھے انکے لیے اپنے تجربے و تحقیقات انتھک محنت لگن اور کاوشوں سے ایسا نسخہ تیار کرنے میں کامیاب ہو گئے جس نے کئی ناکارہ بوڑھوں کو بہت کم دنوں میں جوان مرد بنا دیا اور مایوس گئے گزرے کمزور و جوان ایک ایک ہفتے آزما کر یہ ثابت کر دکھایا کہ یہ جو ہر واقعی بے پناہ قوت کا سرچشمہ ہے آپکی خدمت میں پیش کرتے ہو ئے فخر محسوس کر رہے ہیں کہ اس کے استعمال سے جسم میں نیا اور تازہ خون پیدا ہونے لگتا ہے چہرے پر سرخی ہاتھ پیروں میں چستی توانائی ظاہر کر کے صحت کو قابل رشک بنا دیتا ہے اور آپکو وہ تمام خوشیاں میسر ہو جائینگی جسکے لیے آپ ایک مدت سے محروم رہے ہیں آج ہی ایک خط اپنی مکمل کیفیت لکھ کر جوابی لفافے کے ہمراہ ہمیں روانہ کریں آپکو یہ نسخہ فوراً روانہ کر دیا جائے گا۔

حکیم اینڈ سنز

پوسٹ بکس نمبر 2159 کراچی 74600 پاکستان

Downloaded from https://paksociety.com

سرزد ہونے والے قتل پر میری سرزنش کرے گا۔

''آپ کو اسے فون کر لینا چاہیے'' مجھے متفکر دیکھ کر غزالہ نے دھیرے سے مشورہ دیا ''وہ کچھ کہے تو آپ کو خاموشی سے سن لینا چاہیے۔ میرا اندازہ ہے کہ ڈان نایاب نسل کا آدمی ہے۔ اس کی ہاں میں ہاں ملانا آپ کے لیے سودمند رہے گا۔''

''حیرت ہے کہ تم نے اسے دیکھے بغیر یہ اندازہ لگا لیا۔ میں نے دوبار اس سے ملنے کے بعد بالکل یہی رائے قائم کی تھی۔ وہ اول درجے کا انا پرست انسان ہے'' میں نے خوش ہو کر کہا۔

''میں آپ کے ساتھ رہتی ہوں، یہ سب میں نے آپ ہی سے سیکھا ہے۔''

''میری انا کو ابھارنے کی کوشش نہ کرو۔ میں ڈان نہیں ہوں'' میں نے مسکرا کر جواب دیا اور اپنے نئے موبائل فون پر ڈان کا نمبر ملانا شروع کر دیا۔

ڈان سے فون پر وہ میرا پہلا رابطہ تھا۔ میری آواز شاید اس کے لیے اجنبی ہوتی۔ میں نے سلسلہ ملنے کے بعد اس کی آواز سنتے ہی اپنا تعارف کرانا ضروری سمجھا۔

''ڈان! میں علی بول رہا ہوں۔'' میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کہا۔

''شان دار.....!'' اس کا پہلا لفظ میری ہر تشویش رفع کرنے کے لیے کافی تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ''تم نے میرا دل خوش کر دیا۔ بہت شاندار طریقے سے اپنے کام کا آغاز کیا ہے۔ نقارے پر چوٹ پڑ چکی ہے۔ دشمن کو للکارا گیا ہے۔ اس کی صفوں میں ہلچل مچ گئی ہے۔''

''میں تمہاری اعلیٰ ظرفی اور اس عزت افزائی پر ممنون ہوں۔ میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ یہ سب تمہارے دیے ہوئے آدمیوں کا کمال ہے۔''

''تمہیں نہیں معلوم کہ تم نے کیا، کیا ہے۔ تم نے یہاں آ کر مرداروں کو حوصلہ دیا ہے۔ دو برسوں سے یہی بنکاک تھا اور یہی چاؤفان تھا۔ مجھے حسرت تھی کہ کوئی چھوٹا راجن کو للکارے مگر کسی مائی کے لال میں اتنی ہمت نہیں تھی۔ تم نے آتے ہی سب کچھ بدل دیا۔ ہاتھ پیر اور ہتھیار سب کے پاس ہوتے ہیں، حوصلہ کسی کسی میں ہوتا ہے۔ مجھے آج بہت خوشی ہے کہ اپنے بدترین دشمن سے لڑانے کے لیے تمہارا انتخاب کر کے میں نے غلطی نہیں کی، تم کس ملک کے رہنے والے ہو؟''

ابتدا سے اس وقت تک ڈان نے میرے ماضی اور وطن کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں پوچھا تھا۔ اس بارے میں وہ اس کا پہلا سوال تھا۔ میں نے کہا ''پاکستان سے آیا ہوں۔''

''اس مٹی کو میرا سلام جس سے تم جیسے جی دار جنم لیتے ہیں'' اپنے دشمن کو بہت بڑی زک پہنچانے پر ڈان اس وقت بہت زیادہ جذباتی ہو رہا تھا۔ پتھر کی طرح سخت اور درندوں سے زیادہ سفاک نظر آنے والے سرد مہر ڈان سے مجھے اتنی حوصلہ افزائی ملنے کی امید نہیں تھی۔

''ڈان! یہ تمہاری محبت ہے ورنہ میں اس ستائش کے قابل نہیں ہوں'' میں نے اپنے وطن کو سلامی ملنے پر جذبات سے مغلوب آواز میں کہا۔

''علی..... میرے بچے! تم میرے سینے میں بھڑکتی ہوئی انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرو گے۔ جب سے مجھے گولڈن ڈریگن والے واقعے کی خبر ملی تھی، میں تم سے بات کرنے کے لیے بے چین تھا۔ دشمن کے گڑھ میں گھس کر اس کے ایک موذی آدمی کو مارنا اور پھر محفن میں سے بال کی طرح صاف نکل آنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس کے لیے دل گردے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہاں تمہاری لاش بھی گر سکتی تھی۔ پھر آج حد ہو گئی۔ چھوٹا راجن کا بہت کچھ تباہ و برباد ہو گیا۔ اس میں صرف دو آدمی مرے ہیں۔ ان کا وقت پورا ہو چکا تھا۔ انہیں دنیا کی کوئی طاقت نہیں بچا سکتی تھی۔ یہ آنے والا وقت بتائے گا کہ وہ کتنے گنہگار تھے۔''

''میری کوشش ہو گی کہ میں اس لڑائی کے ہر مرحلے میں تمہاری توقعات پر پورا اترتا رہوں۔''

''بارہ گھنٹوں میں بہت کچھ ہو گیا۔ اب ذرا آرام کرو۔ تم نے چھوٹا راجن کا دماغ الٹ دیا ہے۔ وہ پاگل کتے کی طرح اپنے آدمیوں پر برس رہا ہے۔ ان لوگوں نے بنکاک میں بربریت کا بازار گرم کر دیا ہے۔ وہ لوگوں کو اٹھا رہے ہیں، بے رحمی سے مار رہے ہیں۔ انہیں ایسے لوگوں کی تلاش ہے جنہوں نے سازش میں ان کے دشمنوں کا ساتھ دیا ہے۔ دو تین روز تک یہ سب ہوتا رہا تو یہاں کی زیرِ زمین دنیا میں چھوٹا راجن کے خلاف بغاوت ہو جائے گی۔ لوگ اس کے آدمیوں کو پیٹنا شروع کر دیں گے۔ اس کی ہوا اکھڑ جائے گی۔''

خرانٹ اور کم گو ڈان اس وقت اپنی دو برس کی بھڑاس نکال رہا تھا۔ اسے دیکھ کر میں نے سوچا تھا کہ وہ کبھی اپنی زبان سے کوئی فالتو یا غیر ضروری لفظ ادا نہیں کرتا ہو گا۔ اس نے بے تکان بول کر مجھے حیران کر دیا تھا۔

''وہ وقت بہت قریب ہے جب تمہارا حریف شہر کے

Downloaded from https://paksociety.com

بازاروں میں ذلیل اور رسوا ہوگا'' میں نے ڈان کی باتوں پر گرہ لگائی۔

''تم دل لگا کر اسی بے جگری سے اپنا کام کرتے رہو۔ رفتہ رفتہ تمہیں بنکاک کا ڈان بنادوں گا'' ابتدائی کامیابیوں پر ڈان کی آنکھوں میں سحر آفریں خواب اترنا شروع ہوگئے ''کسی کی مجال نہیں ہوگی کہ تم سے نظریں چار کر سکے۔ مجھے تمہارا تابناک مستقبل صاف نظر آرہا ہے۔''

''اس وقت بھی تم مجھے اپنا بے دام غلام پاؤ گے'' میں نے ڈان کے دل کی بات کہہ دی۔

''تم بہت سعادت مند اور بامروت لڑکے ہو۔ میں تمہاری قدر کرتا ہوں'' میں اس کی چاپلوسی کررہا تھا اور وہ میری تعریفیں کرتا جارہا تھا۔ اس نے میرے ایسے خواص گنوادیے تھے جن کے وجود سے میں خود بھی بے خبر تھا۔

''اجازت ہو تو میں ایک سوال کرلوں؟'' میں نے گفتگو کے اختتامی لمحات کا ادراک کرتے ہوئے بہت رسانیت کے ساتھ کہا۔

''بولو!'' ڈان کی آواز میں تحکم سمٹ آیا۔

''آج تم نے میری بہت عزت افزائی کی ہے۔ تم سے بات کر کے مجھے نیا حوصلہ ملا ہے۔ اجازت ہو تو میں کبھی کبھی تم کو فون کرلیا کروں؟'' میں نے لجاجت سے کہا۔

''میرے پاس آنے پر اور غیروں کے سامنے میرا نام لینے پر پابندی ہے۔ فون ہر وقت کرسکتے ہو۔ ذہین اور دلیر لوگوں سے بات کر کے مجھے خوشی ہوتی ہے۔''

''میں تمہارا شکر گزار ہوں'' میں نے مؤدب لہجے میں کہا۔

ڈان سر سے پیر تک اپنی بڑائی کے نشے میں غرق تھا۔ وہ اپنے ہم عصروں اور ساتھیوں کے سامنے جو کچھ نہیں کہہ سکتا تھا، اس نے مجھ سے کہہ ڈالا تھا۔ اس کے دل و دماغ میں کھولتے ہوئے لاوے کا ابال ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ اس نے فون بند کردیا۔

''معلوم ہوتا ہے کہ ڈان آپ سے بہت زیادہ متاثر ہوگیا ہے'' غزالہ نے شوخی سے کہا ''اس سے بات کرتے ہوئے آپ کے چہرے پر بار بار سرخی تیر رہی تھی۔''

''وہ ایک زوال پذیر بدمعاش ہے۔ میرے ذریعے اسے اپنے سنہرے دن لوٹتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ وہ دل کھول کر میری کارکردگی کی تعریفیں کررہا تھا۔''

''اور آپ بہت ہوشیاری سے اسے مزید اکسا رہے تھے؟''

کوشش

محلے کے دکان دار نے ننھے راشد کو تیزی سے دوڑتے دیکھا تو روک کر پوچھا ''بیٹا! اتنی تیزی سے کہاں دوڑے جارہے ہو؟''

''انکل! میں دو لڑکوں کو آپس میں لڑنے سے روکنے کی کوشش کررہا ہوں۔'' ننھے راشد نے ہانپتے ہوئے جواب دیا۔

''کون ہیں وہ دو لڑکے؟'' دکان دار نے پوچھا۔

''ایک الیاس اور دوسرا میں.....'' راشد نے جواب دیا۔

''مجھ سے شادی کرلو۔ میں تمہاری چھوٹی سے چھوٹی خواہش پوری کردوں گا۔''

''چھوٹی چھوٹی خواہشیں تو میں خود بھی پوری کرلیتی ہوں۔ میں تو بڑی بڑی خواہشیں پوری کرنے کے لیے شادی کرنا چاہتی ہوں۔''

''یہ میری مجبوری ہے۔ اسے خوش رکھ کر ہی میں سوبھراج کا کام تمام کرسکتا ہوں۔''

''بے چارے ڈان کو سوبھراج کے نام کی ہوا بھی نہیں لگی ہے۔ وہ سمجھ رہا ہے کہ آپ کا نشانہ صرف راجن ہے۔ اصل قصے کا پتا چلے گا تو اس کے دل پر کیا گزرے گی۔''

''اسے الہام نہیں ہوسکتا۔ یہاں تمہارے اور اسد کے سوا کسی کو اندر کی اس کہانی کا علم نہیں ہے۔ تم دونوں اسے کچھ بتانے سے رہے۔''

اس وقت تک حالات انتہائی غیر متوقع طور پر صحیح رخ پر جارہے تھے۔ آثار بتارہے تھے کہ یوں ہی چلتا رہا تو ہم بہت جلد سوبھراج اور راجن پر ہاتھ ڈالنے میں کامیاب ہوجائیں گے۔

وقت دھیرے دھیرے گزرتا رہا۔ ٹیلی وژن مسلسل کھلا ہوا تھا۔ اسکرین پر میوزک کے نام پر نیم برہنہ لڑکیوں کی اچھل کود کا سلسلہ جاری تھا۔ غزالہ نے ریموٹ سے آواز بند کی ہوئی تھی۔ ہم خبروں کے انتظار میں وہ سب دیکھنے پر مجبور تھے۔

اس دوران میں ایک مرتبہ خبروں کی باری آئی۔ چند منٹ کے قلیل عرصے میں اختصار کے ساتھ اہم خبریں سنائی گئیں جن میں بنکاک میں مذہبی انتہا پسندوں کی دہشت گردی میں دو افراد کی ہلاکت کی خبر شامل تھی۔

وہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ دھماکوں میں دو افراد کی ہلاکت

Downloaded from https://paksociety.com

کی خبر ڈان برنارڈ سے پہلے ہی مل چکی تھی۔ اس میں ایک پہلو حیرت ناک تھا۔ ٹیلی وژن کے اس خبری نشریے میں دھماکوں کو مذہبی انتہا پسندوں سے منسوب کیا گیا تھا۔ وہ سو فیصد سرکاری نظریہ تھا۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ نظریہ کس بنیاد پر قائم کیا گیا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد تفصیلی خبروں کی باری آ گئی۔ اس نشریے میں وہ خبر دوسرے نمبر پر تھی۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ انتہا پسند دہشت گردوں نے بنکاک کے چار معروف تفریحی مقامات پر طاقت ور ٹائم بموں سے ایک ہی وقت میں دھماکے کر کے یہ پیغام دیا تھا کہ ملک بھر میں بڑھتی ہوئی بے راہ روی کو روکنے کے لیے ایسے ٹھکانوں کو بند کر دیا جائے جو ملک میں سیاحت کے فروغ کے لیے ناگزیر تھے۔ انتظامیہ پوری سرگرمی سے مجرموں کی تلاش میں مصروف تھی۔

میں حیران تھا کہ حکام نے یہ بات سرے سے نظر انداز کر دی تھی کہ وہ چاروں ٹھکانے راجن کی ملکیت تھے اور انہیں کسی ذاتی مخاصمت کی وجہ سے نشانہ بنایا گیا تھا۔ انہوں نے واقعات کا رخ کسی اور طرف موڑ دیا تھا۔ اس خبر نامے میں گولڈن ڈریگن میں پیش آنے والے واقعے کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ اسے مقامی نوعیت کا واقعہ قرار دے کر نظر انداز کر دیا گیا تھا یا پھر وہ خبر اس سے پہلے نشر ہو جانے کی وجہ سے اپنی افادیت کھو بیٹھی تھی۔

''یہاں پوری کہانی بدلی ہوئی نظر آ رہی ہے'' میں نے ٹیلی وژن آف کر کے فکرمندی سے کہا ''راجن کا ذکر سرے سے غائب کر دیا گیا ہے۔''

''مجھے یہ بھی راجن کی چال معلوم ہو رہی ہے'' غزالہ نے سوچتے ہوئے جواب دیا ''اس کی ساکھ کے لیے اصل خبر تباہ کن ثابت ہو سکتی تھی۔ کوئی سورما اپنی بدقسمتی سے کسی کے ہاتھوں پٹ جاتا ہے تو اس واقعے کی تشہیر پسند نہیں کرتا۔ اس سے دوسروں کو سرکشی کی ترغیب ملتی ہے۔ انتظامیہ نے راجن کی اس مصلحت کوشی سے فائدہ اٹھایا ہے اور سارا ملبہ حکومت کے مخالف گروپوں پر ڈال دیا ہے۔ یہاں آج کل کئی گروپوں نے سر اٹھایا ہوا ہے۔ وہ آئے دن کوئی نہ کوئی دہشت گردی کرتے رہتے ہیں۔ انتظامیہ نے اس واقعے سے فائدہ اٹھا کر انہیں بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔''

''تم یہاں کے سیاسی حالات پر کب سے نظر رکھنے لگیں؟'' میں نے اس کے تجزیے پر اپنی حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اخبار شوق سے پڑھتی ہوں۔ اس بارے میں کئی مہینوں سے خبریں آ رہی ہیں جنہیں پاکستانی اخبارات نمایاں طریقے سے شائع کرتے ہیں۔ مجھے پورا یقین ہے کہ راجن کی ملی بھگت سے انتظامیہ نے ان واقعات سے سیاسی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے۔''

وہ غزالہ کی اپنی رائے تھی جس سے اختلاف کرنا دشوار تھا۔ میری نظر ان واقعات کے دوسرے پہلو پر بھی تھی۔

اسد کی معلومات کے مطابق وہ ناچ گھر اور جوا خانے راجن کی ملکیت تھے لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ ملکیت کے قانونی کاغذات بھی اس حقیقت کی غمازی کرتے ہوں۔ اس قسم کے دھندوں میں کسی ممکنہ قانونی گرفت اور ٹیکس کے مسائل سے بچنے کے لیے لوگ قانونی ملکیت کے خانے میں عام طور پر اپنے کسی حواری کا نام ڈال دیتے ہیں۔ ایسے کاروبار کا سارا مالی فائدہ وہ خود اٹھاتے ہیں، کوئی برا وقت آ جائے تو اپنے حواری کو چارہ بنا کر سامنے لے آتے ہیں۔ مجھے شبہ تھا کہ اس معاملے میں بھی یہی صورت حال درپیش تھی۔ راجن ان سب تفریح گاہوں کا اکلوتا مالک ہونے کا اقرار کر کے آئندہ کے لیے کوئی بگاڑ پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

سب کچھ بھی رہا ہو، سرکاری طور پر راجن کا نام نہیں لیا گیا تھا۔ ٹیلی وژن کی خبر زیادہ تفصیلی نہیں تھی، یک طرفہ انداز میں تخلیق کی گئی تھی۔ تفصیلی معلومات اگلے دن کے اخبارات سے حاصل ہو سکتی تھیں۔

میں نے اس روز کے لیے اپنے ہدف کے عین مطابق کامیابی حاصل کر لی تھی۔ شام تک ہم اپنے کمرے میں آرام کرتے رہے۔ کھڑکیوں سے باہر دھند لکا پھیلنا شروع ہوا تو ہم دونوں تیار ہو کر شہر کی سیر کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔

رات ہوتی ہے تو بنکاک کا سماں کچھ اور ہو جاتا ہے۔ ہر طرف رنگ و نور کا ایک سیلاب امڈ آتا ہے۔ دن بھر ساحلی مقامات کی جنت نظیر پٹیوں پر سن باتھ لینے والے تھکے ماندے سیاح بھی شہر کی سحر آفریں راتوں کے جادو سے مسحور ہو کر سڑکوں پر نکل آتے ہیں۔ تفریحی مقامات پر اور بازاروں میں زندگی کی رعنائیاں انگڑائیاں لے کر بیدار ہونے لگتی ہیں۔ دیر تک یہ سرگرمیاں یوں ہی جاری رہتی ہیں۔ شہر کی رونق بھانت بھانت کے انسانوں کے ملے جلے ہجوم سے دوبالا ہو جاتی ہے۔ ان میں افریقا کے کالوں سے لے کر امریکا کے نخوت پسند گوروں تک ہر قوم اور ہر رنگ کے لوگ نظر آتے ہیں جو اس مہمان نواز شہر میں ہر تفریق سے بے نیاز، اپنی اپنی دھن میں مگن نظر آتے ہیں۔

مول تول، بھاری خریداریوں اور ناآسودہ جذبوں کی

Downloaded from https://paksociety.com

تسکین کے بعد جب لوگ واپسی کا رخ اختیار کرتے ہیں تو شہر کی رونقیں سمٹنے لگتی ہیں۔ انسانوں کے بغیر شہر کے کوچہ و بازار اپنی ساری کشش کھونے لگتے ہیں۔ پھر روشنیاں ہی روشنیاں رہ جاتی ہیں۔ سیاح اپنے مسکنوں کو لوٹ چکے ہوتے ہیں۔ بس مے کدوں میں شب بیدار رندوں کی محفلیں جمی رہتی ہیں۔ باہر پھیلے ہوئے پراسرار سناٹے میں سرمست خریدار گناہوں کا مول چکانے کے لیے شہر کی ان گلیوں اور بازاروں کا رخ کرتے ہیں جہاں راجن جیسے زبردست ان کی جیبیں خالی کرانے کے لیے اپنے جیتے جاگتے مال کے ساتھ ہمہ تن تیار بیٹھے رہتے ہیں۔

ہمیں بنکاک کے شب و روز کے ان پوشیدہ گوشوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ بارہ بجے کے قریب ہم اپنے کمرے میں لوٹ آئے۔ دونوں کے جسم تھکن سے بے حال تھے لیکن وجود میں بہت کچھ جان لینے کی ایک عجیب سی ناقابل بیان سرشاری رچی ہوئی تھی۔

اگلی صبح روم سروس والوں نے میری ہدایت کے مطابق بنکاک کے دو مؤقر انگریزی اخبارات ہمارے کمرے میں پہنچا دیے۔

اخبارات نے بنکاک میں ہونے والے چار دھماکوں کے بارے میں یہ انکشاف کیا تھا کہ دو افراد کی ہلاکت کے علاوہ زخمی ہونے والوں کی تعداد تین تھی۔ اس بات پر بھی زور دیا گیا تھا کہ بموں کے دھماکوں کا شکار ہونے والے چاروں تفریحی مراکز مشہور بھارتی تاجر چھوٹا راجن کی ملکیت سمجھے جاتے تھے اور وہ دھماکے زیر زمین کے طاقت ور گروہوں میں اقتدار کی جنگ کا نتیجہ ہو سکتے تھے۔

مذہبی انتہا پسندوں کے حملے والے سرکاری مؤقف کو رپورٹ ضرور کیا گیا تھا لیکن اسے کوئی اہمیت نہیں دی گئی تھی۔ کسی بھی خطے میں صحافیوں کا تعلق معاشرے کے حساس ترین طبقوں سے ہوتا ہے۔ اگر وہ ایمان دار ہوں تو ان کے پڑھنے والوں کو سچ تک رسائی حاصل رہتی ہے۔ وہ لفافوں کے عوض اپنے قلم کا سودا کر لیں تو جھوٹ بہت تیزی کے ساتھ ساری سچائیوں کو نگل جاتا ہے۔

اخباری نامہ نگاروں نے ان دھماکوں کے بعد راجن سے مل کر اس کے تاثرات جاننا چاہے تو اس نے حیرت انگیز طور پر میرا یا کسی اور کا نام نہیں لیا۔ اس کا کہنا تھا کہ اس نے تھائی لینڈ میں بھاری سرمایہ کاری کی ہوئی ہے، حکومت کو ٹیکسوں کی مد میں ہر سال بھاری رقوم ادا کرتا ہے۔ اس کے کاروبار کو تحفظ فراہم کرنا حکومت کی ذمے داری ہے۔ وہ برسوں سے تھائی لینڈ میں کام کر رہا ہے۔ اس کی کسی سے دشمنی نہیں ہے۔ یہ دیکھنا پولیس اور دوسرے محکموں کا کام ہے کہ اس تخریب کاری کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے۔ اس نے گولڈن ڈریگن میں مارے جانے والے آدمی کے قتل کے واقعے کو چاروں دھماکوں کی تمہید کا خیال سرے سے مسترد کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ نوعیت کے اعتبار سے دونوں واقعات ایک دوسرے سے الگ اور غیر متعلق تھے۔ اسے سوچنا پڑے گا کہ وہ یکے بعد دیگرے کیوں رونما ہوئے۔

چھوٹا راجن ایک سکہ بند بدمعاش تھا۔ بنکاک میں اس کے ستارے عروج پر تھے۔ زیر زمین دنیا کے پروٹوکول کے عین مطابق اس نے باوقار رویہ اختیار کرنے کی کوشش کی تھی اور میرا نام نہیں لیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ پولیس وغیرہ اس سلسلے میں اس کی کوئی مدد نہیں کر سکے گی۔

قانون کے محافظوں سے کسی دشمن کے خلاف مدد طلب کرنے کا مطلب یہ ہوتا کہ اس نے اپنی شکست مان لی ہے۔ بڑے مجرموں کی روایات کے مطابق اسے دوسروں کو الگ تھلگ رکھ کر اپنے معاملات خود سنبھالنے تھے۔ اس سے چوک ہو جاتی تو ہوا خیزی اس کا مقدر بن جاتی۔

دونوں اخباروں میں چھپنے والی خبروں کی تفصیل پڑھ کر مجھے یہ اطمینان ہو گیا کہ وہ میرے خلاف پولیس سے کوئی مدد نہ لینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ مقابلہ میرے اور اس کے درمیان تھا۔

یہ اچھی بات تھی کہ ستارے میرا ساتھ دے رہے تھے۔ راجن دونوں واقعات کو الگ الگ دیکھ رہا تھا۔ اس کی توجہ دوستوں میں بٹ گئی تھی جبکہ میرا ہدف ایک تھا۔ مجھے اس کے ان گرگوں سے ہوشیار رہنا تھا جو میری تلاش میں شہر کو تہ و بالا کر سکتے تھے۔

راجن کا ابتدائی ردعمل سامنے آ گیا تھا۔ اس کی روشنی میں، میں کسی اگلی کارروائی کا منصوبہ بنا سکتا تھا جس کے نتیجے میں سوبھراج میری گرفت میں آ سکے لیکن بہتر یہی تھا کہ میں ڈان کے مشورے سے انحراف نہ کروں۔ چند روز کی خاموشی کے بعد اچانک کیا جانے والا وار زیادہ کارگر ثابت ہو سکتا تھا۔

قارئین متوجہ ہوں

قرآنِ حکیم کی مُقدس آیات و احادیثِ نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر آیات اور احادیث درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مُطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

Downloaded from https://paksociety.com

ہمارے دیر سے بیدار ہونے کی وجہ سے ہوٹل کے ریستوران میں ناشتے کا وقت گزر چکا تھا۔ کمرے کے درودیوار میں زیادہ دیر تک رکنے کی وجہ سے مجھے وحشت سی ہونے لگتی تھی۔ ویسے بھی میرے پاس فوری نوعیت کا کوئی کام نہیں تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ کمرے میں ناشتا کرنے کے بعد میں غزالہ کو ساتھ لے کر شہر کے قابل دید مقامات کی سیر کے لیے نکل جاؤں تاکہ ہمارا وقت بہتر انداز میں گزر سکے۔

ہم ناشتے سے فارغ ہوئے تھے کہ میرے کراچی والے موبائل فون پر اول خان کی کال آ گئی۔

''یہاں سے ایسے گئے ہو کہ یہاں والوں کو بھول ہی گئے؟'' اس نے چھوٹتے ہی شکایت کی ''معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بہت مصروف ہو گئے ہو؟''

''ایسی کوئی خاص مصروفیت نہیں ہے۔ اس وقت بھی بنکاک کی سیر پر نکلنے کا ارادہ ہے'' میں نے اس کی شکایت سے محظوظ ہوتے ہوئے جواب دیا۔

''یہاں کے اخبار میں راجن کے پانچ ٹھکانوں میں انتہا پسندوں کی کارروائیوں کی خبر چھپی ہے۔ اس میں تمہارا کتنا حصہ تھا؟'' وہ براہِ راست مطلب کی بات پر آ گیا۔

''انتہا پسندوں پر سرکاری تہمت لگائی گئی ہے۔ یہ میری منصوبہ بندی تھی۔ میں ایک جگہ بال بال بچا ہوں۔ یہ خبر اتنی تیزی سے وہاں کیسے پہنچ گئی؟''

''یہ ای میل، انٹرنیٹ اور فیکس کا دور ہے۔ خبریں ہزاروں میل فی منٹ کی رفتار سے ہواؤں پر اڑتی ہیں۔ مجھے کچھ تو بتاؤ کہ وہاں کیا ہو رہا ہے؟''

بنکاک میں راجن کا مجرمہ گمراہ کن تھا۔ فاصلہ بڑھ جانے سے اصلیت نظر کر سامنے آ گئی تھی۔ مقامی اخبار نے وہ واقعات دو الگ الگ خبروں کی صورت میں چھاپے تھے۔ برق رفتار مواصلاتی رابطوں پر شاید وہ دو خبریں ہی پاکستان پہنچی ہوں لیکن ادارتی ڈیسک پر بیٹھے ہوئے کسی ذہین شخص نے مالک کے مشترک نام کو دیکھتے ہی دونوں خبروں کو یکجا کر دیا۔ حقیقت بھی وہی تھی۔

کسی واقعے میں ملوث افراد کے لیے جذباتی الجھاؤ کی وجہ سے صحیح نتیجے پر پہنچنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ دور سے واقعہ دیکھنے یا سننے والے منطقی انداز میں فوراً صحیح نتیجہ اخذ کر لیتے ہیں۔ راجن واضح طور پر اسی غلطی کا شکار ہوا تھا۔ کراچی کے اخبار نے ازخود اس غلطی کو درست کر لیا تھا۔

میں نے اختصار کے ساتھ اول خان کو ان واقعات کے پس منظر سے آگاہ کر دیا۔

''میں پھر کہہ رہا ہوں کہ تم احتیاط سے کام لو۔ تم بہت تیز جا رہے ہو۔ کوئی ٹھوکر لگی تو وہاں دور دور تک کوئی سہارا دینے والا نہیں ملے گا۔ تم کو یہاں کے بگڑتے ہوئے حالات کی وجہ سے نکالا گیا ہے۔ تمہارے سر پر کوئی ذمے داری مسلط نہیں کی گئی۔''

''ذمے داریاں خود بخود آ جاتی ہیں۔ اب یہی دیکھ لو کہ سوبھراج خاموشی اور رازداری سے یہاں آیا تھا۔ مجھے فکر تھی کہ اسے کس طرح سامنے آنے پر مجبور کیا جائے۔ گولڈن ڈریگن میں ایک آدمی مارا گیا تو اس نے میرے تجسس میں پڑ کر خود اپنی موجودگی کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ وہ مجھے فون نہ کرتا تو بنکاک میں اس کی موجودگی کچھ دنوں کے لیے ایک راز بنی رہتی اور میں آرام سے بیٹھا رہتا۔''

''میں عرصے سے دیکھتا چلا آ رہا ہوں کہ تمہارے مقابلے پر آنے والوں کے اعصاب بہت جلد جواب دے جاتے ہیں اور وہ غلطیاں کرنے لگتے ہیں۔''

''یہی نہیں بلکہ وہ میرا پتا معلوم کرنے کے لیے آئی بی کے آدمی کے گھر پر بھی پہنچ گیا تھا۔ اگر وہ شہر میں اس طرح اپنی شامت کو ڈھونڈتا پھر رہا ہوتو میں کس طرح ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ سکتا ہوں، مجھے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔''

''تمہیں اپنی من مانیوں سے روکنا بہت مشکل کام ہے۔ کم از کم مجھے فون تو کرتے رہا کرو۔''

''کوشش کروں گا۔ میرا اندازہ ہے کہ جلال ہر بات سے باخبر رہتا ہے۔ اس کا آدمی یہاں سے اسے پل پل کی رپورٹیں بھیجتا ہوگا۔ اس سے رابطے میں رہا کرو۔''

''یہاں کی رونقیں تمہارے دم سے تھیں۔ اب کراچی میں سناٹا ہے۔ جلال اسلام آباد جا چکا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ اس سے میری زیادہ بے تکلفی نہیں ہے۔ گریڈوں والے افسر کتنے ہی شریف النفس کیوں نہ ہوں، وہ بغیر گریڈ والوں کو منہ نہیں لگاتے۔ تمہیں معلوم ہے کہ اپنی ایس ٹی ایف میں کوئی تمغا ہے نہ گریڈ سب زبانی کلامی چلتا ہے۔''

''یہ تمہارے اور جلال کے معاملات ہیں میں ان میں دخل انداز نہیں ہونا چاہتا۔ وہ بیوروکریٹ ضرور ہے لیکن اپنی برادری کے نک چڑھے افسروں سے بہت مختلف ہے۔''

''ضروری نہیں کہ ایک شخص کے بارے میں سب کی رائے یکساں ہو۔ اس قصے کو چھوڑو۔ میں سوچ رہا ہوں کہ اپنے جنرل سے بات کر کے تمہارا ہاتھ بٹانے کے لیے ایک دو آدمی ادھر بھیج دوں تمہارا بوجھ بہت ہلکا ہو جائے گا۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے میں یہاں آدمیوں کی کان

Downloaded from https://paksociety.com

میں پہنچا ہوا ہوں۔''

''ضرورت محسوس کرو تو مجھے بتا دینا' معلوم ہوتا ہے کہ تم چاروں ہاتھ پیروں سے ڈان کے سر پر سوار ہو گئے ہو!'' ہنسی کے ساتھ اس کی آواز آئی۔

''زندگی نے ساتھ دیا تو وہ جلد ہی مجھے بنکاک کا ڈان بنوا دے گا۔ میں یہیں کسی پگوڈا میں بیٹھ کر اللہ اللہ کیا کروں گا۔ بقیہ کام شہر کے بدمعاش کرتے رہیں گے۔''

''تمہاری چرب زبانی کا مارا مشکل ہی سے بچتا ہے' پتا نہیں اس بے چارے ڈان کا کیا انجام ہوگا۔ اس نے تمہیں بہت بڑا سہارا دیا ہے۔''

''ہو سکے تو ایک کام ضرور کر لو۔'' میں نے فوری خیال کے تحت چونک کر کہا ''سوبھراج وہاں روپوش تھا۔ وہ چوری چھپے ایران گیا اور وہاں سے ادھر آ گیا۔ اس کے لہو کے پیاسوں کو یہ معلوم ہو جانا چاہیے کہ اب وہ بنکاک میں چھوٹا راجن کا مہمان ہے۔''

''تم امریکیوں کی بات کر رہے ہو!'' اس کا لہجہ تائید طلب تھا۔

''ایف بی آئے والے۔'' میں نے زور دے کر کہا ''تمہیں یاد رہنا چاہیے کہ ویرا کو خاموشی سے اپنی ذاتی قید میں رکھنے کی کوشش کر کے سوبھراج نے ان لوگوں سے غداری کی تھی وہیں سے وہ اس کی جان کے دشمن ہوئے تھے اب انہیں بھی حرکت میں آنا چاہیے۔''

''وہ تمہارا شکار کھا جائیں گے۔'' اول خان نے خدشہ ظاہر کیا ''تھائی حکومتیں ہمیشہ سے امریکا نواز ہی ہیں اور بنکاک میں ان کا مضبوط فوجی اڈا ہے وہ ایک جھٹکے میں اسے گردن سے دبوچ لیں گے۔''

''اتنی سی بات کو عالمی سیاست سے نہ ملاؤ' ہم بھی امریکا نواز ہیں تمہیں معلوم ہے کہ ایک مدت سے پاکستان میں کیا ہو رہا ہے۔ باکس بے میں سنی ہٹ کا واقعہ زیادہ پرانا نہیں ہے۔ زمینی حقائق سرکاری پالیسیوں سے بہت مختلف ہوتے ہیں یہ منافقت کے کھیل ہیں میں ان سے دور بھاگتا ہوں۔''

''تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہے تو مجھے کیا عذر ہو سکتا ہے یہ کام آج ہی ہو جائے گا۔''

''ہمیں آم کھانے سے مطلب ہونا چاہیے' پیڑ گننے سے نہیں۔'' میں نے سنبھالا لے کر نرمی سے کہا ''میں چاہتا ہوں کہ اس پر ہر طرف سے دباؤ آ جائے میں اس غدار کی جلد از جلد موت کا خواہاں ہوں۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ وہ کس کے ہاتھوں اپنے کیفر کردار کو پہنچتا ہے۔ اس سے پہلے کہ

شکر

ایک صاحب کی بیگم میٹرنٹی ہوم میں داخل تھیں۔ وہ دو بجے وہاں پہنچے تو نرس نے انہیں دیکھ کر مسرت بھرے لہجے میں بتایا ''آپ بڑے اچھے وقت پر آئے۔ اس وقت دو بجے ہیں اور آپ دو بچوں کے باپ بن گئے ہیں۔ آپ کے ہاں دو جڑواں بچے ہوئے ہیں۔''

''اوہ.....! یہ تو بڑی اچھی خبر سنائی آپ نے!'' وہ صاحب گہری سانس لے کر بولے ''لیکن خدا کا شکر ہے کہ میں بارہ بجے یہاں نہیں پہنچا۔''

اسے بنکاک میں اپنی موت نظر آنے لگے اور وہ یہاں سے کہیں دور بھاگ جائے کسی نہ کسی کو اس کے گلے میں پھندا ڈال دینا چاہیے۔''

''ایف بی آئی والوں کو یہ خبر تمہاری طرف سے پہنچائی جائے تو کیسا رہے گا۔''

''اس سے کیا حاصل ہوگا؟'' میں نے پوچھا۔

''شاید ان کے دلوں میں تمہارے لیے کوئی نرم گوشہ پیدا ہو سکے۔''

''مجھے یہ سن کر صدمہ ہوا ہے۔ اب تک تمہیں اندازہ ہو جانا چاہیے تھا کہ میری اور ان کی دشمنی اب کسی مصالحت کی توقع سے بہت دور نکل چکی ہے۔ وہ کہیں مجھے بخشیں گے نہ میں ان کو چھوڑوں گا۔ اب یہ لڑائی میری زندگی بھر یوں ہی چلے گی۔''

''مجھے سب معلوم ہے' ہر بات کا اندازہ ہے۔'' اس کی خفت آمیز آواز ابھری۔'' پھر بھی کبھی کبھی بے ساختہ خوش گمان ہونے کو جی چاہتا ہے۔ میں تمہاری طرح ہر وقت اٹل حقیقتوں میں گھرا ہوا نہیں رہ سکتا۔''

وہ اپنی سہل کلامی پر شرم سار ہو رہا تھا۔ میں نے اسی لمحے موضوع بدل دیا ''میری خبر گیری کے ساتھ کبھی کبھی سلطان شاہ کی خیر خبر بھی لیتے رہا کرو۔''

''وقت کے لمبے فرق کی وجہ سے دنوں کا تصور گڈمڈ ہو کر رہ گیا ہے۔ اپنے حساب سے میں نے کل اس سے بات کی تھی' ویرا کے پیر میں موچ آئی.....''

''کوئی موچ ووچ نہیں آئی۔ یہ اس کی بدمعاشی ہے۔'' میں نے اول خان کی بات کاٹ کر کہا ''وہ سلطان شاہ سے سفر میں سرزد ہونے والی ایک غلطی کا بدلہ لے رہی ہے۔

Downloaded from https://paksociety.com